مکاتیب

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

اوّل

مرتبہ
عاصم نعمانی

اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور۔

مکاتیب

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

(جلد اول)

۱۶۴ غیر مطبوعہ خطوط کا مجموعہ

مرتبہ

عاصم نعمانی

اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ

۱۳-ای، شاہ عالم مارکیٹ - لاہور (پاکستان)

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

طابع :- اشفاق مرزا، مینجنگ ڈائرکٹر

ناشر :- اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ
۱۳۔ای، شاہ عالم مارکٹ لاہور

مطبع :- اللہ والا پرنٹرز، لاہور

اشاعت :- پہلی جون سنہ ۱۹۷۷ء
دوسری ستمبر سنہ ۱۹۸۲ء 1100

قیمت ۱۵/۰۰ روپے

تقریظ

ملک غلام علی

معاونِ خصوصی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

اللہ تعالیٰ جس شخص کو بھی علمی و فکری صلاحیتوں سے بہرہ مند فرماتا ہے اور وہ قلم و قرطاس کو اپنے افکار و نظریات کی اشاعت کا ذریعہ بناتا ہے، اُس شخص کو باقاعدہ تصنیف و تالیف کے علاوہ بالعموم خط و کتابت اور تحریری سوال و جواب سے بھی ضرور سابقہ پیش آتا ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی ذات بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ مولانا موصوف اگرچہ شخصی قسم کی خط و کتابت کے عادی و شائق نہیں ہیں تاہم بے شمار لوگ ان سے خطوط کی وساطت سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

محترم مولانا سے مراسلت کرنے والوں میں وہ اصحاب بھی شامل ہیں جنھوں نے آپ کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور اس دوران میں اُن کے ذہنوں میں کوئی سوال، اشکال یا اعتراض پیدا ہوا ہے اور اُنھوں نے آپ سے رجوع کیا ہے۔ ایسے حضرات بھی ہیں جو براہِ راست آپ کے خیالات سے متعارف نہیں ہوئے بلکہ اُنھوں نے سُنی سنائی باتوں کی بنا پر آپ کے متعلق غلط یا صحیح رائے قائم کرلی ہے اور اِسی کے بل پر خط و کتابت کی ضرورت محسوس کی ہے۔

اِن میں عالم، عامی، دینی رجحان اور سیاسی ذہن رکھنے والے، طالب علم اور سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ، غرض ہر طرح کے افراد شامل ہیں۔ پھر بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو مجرد مولانائے محترم کی دینی بصیرت پر اعتماد رکھتے ہوئے آپ سے فقہی اور علمی مسائل دریافت کرتے ہیں، اور کتاب و سُنت کے مشکل مقامات کی تشریح و تاویل

طلب کرتے ہیں۔ غرض یہ کہ ہر طرح کا ذوق و مزاج رکھنے والے افراد مولانا سے ہر طرح کے سوالات دریافت کرتے رہے ہیں اور آپ تا بحدِ امکان انھیں جواب سے مطمئن کرنے کی سعی کرتے رہے ہیں۔

اِس طرح کے سوالات و جوابات کے چار مجموعے اب تک رسائل و مسائل کے نام سے چھپ چکے ہیں مگر پانچ چھ برس سے یہ سلسلہ منقطع تھا۔ اب جناب محمد سلطان عاصم نعمانی صاحب نے جو محترم مولانا کی مراسلت میں میرے مددگار ہیں، بڑی محنت سے مولانا کے بعض ایسے جوابات جمع کر لیے ہیں جو مولانا نے ان پچھلے چند سالوں میں تحریر کیے تھے اور جو ماہنامہ ترجمان القرآن میں یا کسی دوسری شکل میں ابھی تک شائع نہیں ہو سکے تھے۔ ان میں سے اکثر مکاتیب مختصر اور قلم برداشتہ لکھے گئے ہیں، لیکن اسی وجہ سے ان میں ایسی سلاست، بے ساختہ پن اور ہلکا پھلکا انداز پیدا ہو گیا ہے جو امید ہے کہ قارئین کے لیے خاص دلچسپی کا باعث بنے گا۔ یہ امر بھی موجب اطمینان ہے کہ مولانا محترم نے اپنی شدید مصروفیات کے باوجود ان پر ایک نظر ڈال لی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کے دیگر رشحاتِ قلم کی طرح اِس مجموعۂ مکاتیب کو بھی قارئین کے لیے موجبِ افادیت بنائے اور مجیب، مرتب اور ناشر کی مساعی کو مشکور فرمائے، آمین۔

عرضِ مرتب

پیشِ نظر کتاب مخدومی مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کے اُن غیر مطبوعہ مکاتیب پر مشتمل ہے جو موصوف کے شعبہ "رسائل و مسائل" کے تحت مختلف خطوط کے جواب میں لکھے گئے۔ جن خطوط کے جوابات وسیع عمومی افادیت کے حامل ہوتے ہیں وہ ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور میں شائع کر دیے جاتے ہیں (ایسے ہی خطوط اور اُن کے جوابات کے چار مجموعے "رسائل و مسائل" حصہ اول، دوم، سوم اور چہارم کے نام سے شائع ہو چکے ہیں) البتہ کثیر تعداد ایسے خطوط کی ہوتی ہے جو ترجمان القرآن میں شائع نہیں ہوتے لیکن اُن کی اہمیت اور افادیت مسلّمہ ہے۔ راقم الحروف نے ان میں سے بیشتر خطوط محض اس مقصد کے لیے زیرِ نظر مجموعے میں یکجا کر دیے ہیں کہ ان سے رہنمائی اور اِفادے کا جو دائرہ مکتوب الیہم تک محدود ہو کر رہ گیا تھا اسے ان تمام لوگوں تک وسیع کر دیا جائے جو زندگی کے مختلف معاملات میں مولانائے محترم کی خداداد بصیرت سے کسبِ فیض کے طالب رہتے ہیں۔ یہ مجموعۂ مکاتیب اِس سلسلے کی پہلی کڑی ہے اور اسے جلد اول کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے بعد اس کی دوسری جلد بھی اِنشاءاللہ جلد پیش کرنے کا ارادہ ہے۔

اِس مجموعے میں شامل خطوط کی حیثیت اگرچہ اصطلاحی معنوں میں نجی مراسلت کی نہیں ہے تاہم ان میں بے تکلفی اور سادگی و پُرکاری کا وہ رنگ پوری طرح نمایاں ہے جو نجی مراسلت کی ایک امتیازی خصوصیت سمجھا جاتا ہے ——— اِسی طرح اِن خطوط کو مولانائے محترم کے احوالِ شخصی اور "زندگی کے بعض چھپے ہوئے گوشوں" کو سامنے لانے کی سنسنی خیز اہمیت بھی حاصل نہیں ہے کیونکہ مولانا کی زندگی میں سرے سے چھپے ہوئے گوشوں کا وجود ہی نہیں اور ان کی زندگی صحیح معنوں میں ایک کھلی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن اس کے

باوجود یہ خطوط قارئین کو مولانا کی شخصیت اور مزاج کے بعض اہم اور لطیف پہلوؤں سے متعارف کرانے میں یقیناً مفید ثابت ہوں گے — مولانا کی مکتوب نگاری پر تنقید و تبصرہ تو اہلِ نقد و نظر کا کام ہے۔ البتہ اس مجموعے کے مرتب کی حیثیت سے یہاں اس تاثر کا اظہار بے محل نہ ہوگا کہ یہ مکاتیب ایک ایسا آئینہ ہیں جس میں مولانا ئے محترم کی ہمہ پہلو شخصیت کو بہت قریب سے دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کا طرزِ فکر، ان کا طرزِ احساس، ان کا طرزِ تفہیم و ابلاغ، ان کا اسلوبِ نگارش، ان کی دینی بصیرت، ان کی فکری عظمت، ان کی ادبی منزلت، اُن کا ذوقِ علمی، ان کا طرزِ تحقیق، ان کا اندازِ نظر، ان کا سیاسی مسلک، ان کا فقہی مذہب اور اُن کا طرزِ معاملت غرض کہ ان کی جامع حیثیات شخصیت کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس کی جھلکیاں اِن مکاتیب میں فکر و نظر کو مسحور نہ کرتی ہوں، ہر مکتوب اپنے لکھنے والے کی شخصیت کا ایک دلنواز خاکہ پیش کرتا ہے اور ذہن میں علامہ اقبال کے اُس عظیم کردار کو اُبھارتا ہے جس کی صورت گری علامہ نے ان الفاظ میں کی ہے ؎

مثلِ خورشیدِ سحر، فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزادہ معانی میں دقیق!

اِن خطوط میں زیرِ بحث مضامین و موضوعات کی رنگا رنگی اور افادیت کا اندازہ اس مجموعے کی فہرستِ مضامین کو ایک ہی نظر دیکھنے سے ہو جاتا ہے۔ بنا بریں بجا طور پر توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ مجموعۂ مکاتیب اپنی نوعیت کے دوسرے مجموعہ ہائے مکاتیب کے مقابلے میں ایک امتیازی اور منفرد حیثیت کا حامل قرار دیا جائے گا۔

اِس مجموعۂ مکاتیب میں خطوط کو ان کی ترتیب زمانی کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے۔ اِن خطوط کے مضامین اِس قدر متنوع ہیں کہ ان کو متعین عنوانات کے تحت یکجا کرنا ایک امرِ محال تھا۔ اِسی بنا پر اس مجموعے کا اشاریہ تیار کرنے کے بجائے آغاز میں ہر خط کے مباحث کی فہرست دے دی گئی ہے۔ البتہ دو تین جگہ پر اس قاعدے کی پیروی نہیں

کی گئی اور کچھ موضوعات سے متعلق مراسلات کو زمانی ترتیب سے ہٹ کر یکجا کر دیا گیا ہے۔ جہاں ضروری سمجھا گیا ہے وہاں حاشیے میں اشارات کا اضافہ کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ سائل نے کس مسئلے میں مولانا کی رائے دریافت کی ہے، یا کسی خاص بحث کا پس منظر کیا ہے۔

اس مجموعے میں شامل مکاتیب کا زمانہ مئی ۱۹۶۲ء سے اگست ۱۹۶۸ء تک پھیلا ہوا ہے۔ افسوس ہے کہ اس سے پہلے کے خطوط ریکارڈ میں محفوظ نہیں ہیں۔ البتہ ایک خط جو راقم الحروف ہی کے نام ۱۹۵۹ء میں لکھا گیا تھا اور میرے پاس محفوظ تھا اسے اس مجموعے میں شامل کر لیا گیا ہے ــــ مکاتیب جلد دوم میں اگست ۱۹۶۸ء کے بعد کے خطوط شامل کیے جائیں گے۔ اس کے علاوہ راقم الحروف کی کوشش یہ ہے کہ ایسے تمام خطوط بھی حاصل کر کے اس مجموعے میں شامل کیے جائیں جو پیشِ نظر مجموعے کے زمانۂ ترتیب سے پہلے لکھے گئے تھے۔ اس سلسلے میں احباب و رفقاء سے یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ جن اصحاب کے پاس مولانائے محترم کا کوئی مکتوب یا مکاتیب محفوظ ہوں وہ از راہِ کرم مجھے عاریۃً عنایت کر کے ممنون فرمائیں۔ ان خطوط کو نقل کرنے کے بعد انھیں بحفاظت واپس کر دیا جائے گا۔ اُمید ہے کہ احباب و رفقاء مجھے اپنے مخلصانہ تعاون سے نوازیں گے اور ایک ایسے کارِ خیر میں شرکت کی سعادت حاصل کریں گے جس کی اہمیت اور افادیت کے بارے میں کچھ عرض کرنا محض تحصیلِ حاصل ہے۔

راقم الحروف مخدومی جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی اس عنایتِ خصوصی کے لیے سپاس گزار ہے کہ انھوں نے از راہِ کرم مجھے ان خطوط کو مرتب کرنے اور شائع کرنے کی اجازت بخشی اور اپنی گوناگوں مصروفیات اور کمزوریٔ صحت کے باوجود اس مجموعۂ مکاتیب پر ایک نظر ڈال لینے کی زحمت فرمائی۔

میں اپنے واجب الاحترام بزرگ اور کرمفرما جناب ملک غلام علی صاحب (معاونِ خصوصی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی) کا بھی ممنون ہوں کہ انھوں نے نہ صرف اس مجموعے کی ترتیب و تدوین میں میری راہنمائی کی بلکہ اس کے لیے تقریظ بھی رقم فرمائی۔

اس مجموعے کی طباعت کے سلسلے میں میرے محترم دوست جناب حفیظ الرحمٰن احسن ایم اے کی مساعی جمیلہ تو بہرحال قابلِ تحسین ہیں ہی۔ مزید برآں ان مکاتیب کی ترتیب و تدوین کے جملہ مراحل میں ان کے مفید مشورے اور عملی معاونت بھی میرے شاملِ حال رہی ہے، جس کے لیے میں اُن کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں۔

عاصم نعمانی

۱۲ر صفر ۱۳۹۰ھ

(۱۹ر اپریل ۱۹۷۰ء)

۱۵، ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

آئینۂ ترتیب

۱ ـــــ کائنات کے احوال و حقائق کے بیان میں قرآن مجید کا اسلوب ، ۲۷
زمین کی حرکت ، سیاروں کی گردش اور آسمانوں کی ترکیب کے متعلق
قرآن کے ارشادات کی حکمت
قرآن کا تصورِ افلاک
زمین کے ٹھہرے ہوئے ہونے کا مطلب
قطب تارے کے ساتھ زمین کی نسبت یکساں رہنے سے ایک غلط استدلال
اور اس کا جواب
۲ ـــــ لفظ اَیّم کے معنی ، ۲۹
پچاس نمازوں والے واقعے کی حکمت
۳ ـــــ خدا کی مقرر کردہ عمر میں تغیّر کا دعویٰ اور اس کی حقیقت ، ۳۰
۴ ـــــ ایصالِ ثواب کی حقیقت ، ۳۰
۵ ـــــ نزولِ مسیحؑ کے متعلق ایک اشکال کی وضاحت ، ۳۱
۶ ـــــ ڈاڑھی رکھ کر مونڈ دینے کی شرعی اور اخلاقی حیثیت ، ۳۱
۷ ـــــ اپنی حاجات و ضروریات کے لیے دعا مانگنے کی حقیقت ، ۳۲
عبادات میں خشوع و خضوع کی کمی
۸ ـــــ نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم : ساری دنیا اور ہر زمانے کے رہنما ، ۳۳
دنیا کا رہنما ہونے کے لیے ضروری صفات اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم

۹ ــــ علمِ دین کے لیے چند کتابوں کے مطالعے کا مشورہ ، ۳۵
نمازِ باجماعت کی اہمیت
۱۰ ــــ رسالہ "سیر و سفر" کے بارے میں رائے ، ۳۶
لفظ 'انقلاب' کی حقیقت
۱۱ ــــ قرآن مجید کی کم سے کم کتنی تعلیم ضروری ہے ، ۳۷
تلاوتِ قرآن کریم اور ترجمۂ قرآن پڑھنے کا ثواب
۱۲ ــــ نیشنلائزیشن اور اسلام ، ۳۷
۱۳ ــــ نمازیں ضائع کرنے کا مطلب ، ۳۸
۱۴ ــــ تاریخ ۔ حضرت آدمؑ کا زمانہ ۔ اور طوفانِ نوحؑ ، ۳۸
۱۵ ــــ نظامِ تعلیم میں اصلاح کی ضرورت اور اس میں عملی مشکلات ، ۳۹
جماعتِ اسلامی میں علمائے کرام کا وجود
جماعتِ اسلامی اور 'علماء' کا ایک خاص گروہ
بچوں کی تربیت کا صحیح انداز
۱۶ ــــ مرنے کے بعد نیک اور بد انسانوں کی روحوں کا مقام ، ۴۰
۱۷ ــــ اسلام کے نام سے خلطِ مبحث اور تعمیرِ پاکستان میں رکاوٹیں ، ۴۰
واضح نظریات کی بنیاد پر تحریکوں اور جماعتوں کی ضرورت
جمہور مسلمین کے عقیدۂ اسلام کی قائل جماعتوں کا فرض اور ان میں اتحاد و تعاون کی ضرورت
اہلِ ملک کے مشترک مفادات کے تحفظ کے لیے مختلف الخیال گروہوں کے درمیان تعاون کی اصولی بنیاد
۱۸ ــــ تصویر کشی اور پریس فوٹو گرافرز ، ۴۲
غلافِ کعبہ چڑھانے کا جواز
۱۹ ــــ تعمیرِ مسجد کے لیے چندہ لینے میں احتیاط کا پہلو ، ۴۳

سرکس کی آمدنی کی حلت و حرمت۔
۲۰ ــــ اخبارِ آحاد کی حقیقی اہمیت، ۴۴
نامعقول معترضین کے ساتھ معاملہ
۲۱ ــــ حرمین کے لیے سکھوں کی پیش کش پر سعودی سفارت خانے کی معذرت، ۴۵
پاکستان میں سکھوں کی محتاج مساجد
۲۲ ــــ لندن میں حرام سے بچتے ہوئے قیام، ۴۵
قیامِ انگلستان اور خدمتِ دین کے مواقع
فن کا جائز اور ناجائز استعمال
۲۳ ــــ نامعقول اعتراضات کا صحیح جواب، ۴۶
۲۴ ــــ غلافِ کعبہ کا احترام اور شعائر اللہ کی تعظیم، ۴۷
غلافِ کعبہ ۱۳۴۶ھ میں بھی ہندوستان میں تیار ہوا تھا (حاشیہ)
۲۵ ــــ غلافِ کعبہ کی زیارت کا انتظام کیوں کیا گیا؟ ۴۸
۲۶ ــــ غلافِ کعبہ کے سلسلے میں مختلف اعتراضات کا تفصیلی جواب، ۴۹
۲۷ ــــ پاکستان میں تیار شدہ غلافِ کعبہ کے عدمِ قبول کی تردید، ۵۶
۲۸ ــــ غلافِ کعبہ کے بارے میں موقف، ۵۷
ڈاڑھی کی مقدار کے مسئلے میں تشدد سے اختلاف
۲۹ ــــ مباہلہ کی اصل حیثیت، ۵۸
۳۰ ــــ قصۂ آدمؑ اور تفہیم القرآن کے حواشی، ۵۹
حضرت آدمؑ کا جنت سے اخراج اور شیطان کا کردار
۳۱ ــــ کسبِ معاش اور حصولِ ضروریات کے لیے تگ و دو کرنے کی حیثیت
جائز اور ناجائز تدابیر میں فرق کرنے کی ضرورت، ۶۰
۳۲ ــــ زندگی بعد موت کا عقیدہ، ۶۰
۳۳ ــــ پارلیمنٹ میں اپنی پشت پر پارٹی کی طاقت کے بغیر وزارت قبول کرنا، ۶۱

۳۴ ــــ اسلام اور جاہلیت کی آمیزش اور اخبار ات کا کردار ۶۲،
۳۵ ــــ انسان اور بشری کمزوریاں ۶۳،
مکمل معیاری انسان بننے کی غلط فہمی
۳۶ ــــ توریت اور انجیل میں تحریف ۶۳،
توریت اور انجیل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشین گوئیوں میں تحریفات
۳۷ ــــ شہد کے تحفے پر شکریہ اور دعا ۶۴،
فکرِ آخرت پیدا کرنے کی بہترین سبیل
۳۸ ــــ خالق کائنات کا خالق ؟ ۶۵،
خالق کے بغیر فطرت کا تصور اور اس کی نامعقولیت
اسلام کے اصولوں کی صحت کے خلاف اس دلیل کا جواب کہ لوگ ان میں کشش محسوس نہیں کرتے۔
کیا انسانوں کا طرزِ عمل ہی حق و باطل کا معیار ہے ؟
۳۹ ــــ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لفظ 'حضرت' اور 'آنحضرت' کا استعمال ۶۶،
۴۰ ــــ جنگِ قادسیہ میں حضرت علیؓ کی عدمِ شمولیت ۶۷،
عیسائی عورت سے نکاح
۴۱ ــــ فقہی مسائل میں اختلاف کی نوعیت ۶۷،
۴۲ ــــ قرآنِ مجید کے ترجمۂ بلا متن کی اشاعت ۶۸،
۴۳ ــــ مغربی طرزِ زندگی اور مسلمان ۶۹،
۴۴ ــــ لفظِ کاہن کا مفہوم ۷۰،
حضرت عزیر علیہ السلام کے لیے عذرا کاہن کے الفاظ
۴۵ ــــ قضیۂ حسینؓ و یزید ۷۰،
۴۶ ــــ تفسیر کشاف کی اہمیت ۷۱،
پرویز صاحب کی گمراہی اور ان کے خلاف فتوائے تکفیر

صحت مند تنقید کی شرائط
۴۷ ـــ آرامی، سُریانی اور عبرانی زبانوں کا تقابلی مطالعہ اور مغربی مستشرقین، ۷۲
حِتّی قوم اور قومِ عاد
فِنیقی قوم اور قومِ عاد
عربی زبان اور سامی زبان
۴۸ ـــ افریقہ میں دعوتِ اسلام کے منصوبے کی وضاحت، ۷۲
چودھری غلام محمد صاحب (مرحوم) کی سرگرمیاں
رابطۂ عالمِ اسلامی کا متوقع تعاون
افریقی زبانوں میں قرآنِ مجید کے تراجم کا کام
۴۹ ـــ صدر ناصر کے خلاف فتوئے کفر پر دستخط کرنے کا الزام اور اس کی حقیقت ۷۵،
۵۰ ـــ کلام اللہ کی تشریح میں صیغہ متکلم کا استعمال، ۷۶
'تلاوت' کے معنی
وحیِ نبوّت اور القاء و الہام
"اِلّا بِسُلطان" کی تشریح
۵۱ ـــ بدعت کی پانچ اقسام، ۷۸
۵۲ ـــ مُلکی سیاسیات میں گُم ہو کر رہ جانے کے تأثر کا ازالہ، ۷۹
تعمیری کاموں کے متعلق اخبارات کی روش
جماعتِ اسلامی کے تعمیری کام کی وضاحت
پاکستان اور دوسرے مسلمان ممالک کے حالات پر اپنی مطبوعہ تقریر کا ذکر
۵۳ ـــ غیر اسلامی نظام کے تحت اُلجھنیں اور مشکلات، ۸۱
اسلامی نظام کے قیام کے لیے جدّ و جہد
۵۴ ـــ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا مدنی وغیرہم سے اختلاف کا معاملہ، ۸۲
۵۵ ـــ ادب کی درجہ بندی (اصلاحی نقطۂ نظر سے)، ۸۲

تبلیغی جماعت اور جمعیت علمائے ہند۔
جماعتِ اسلامی پر طعن و تشنیع اور اس کے کام کی نفی کرنے والوں کو جواب
۵۶ — روپے نہ رکھنے کے بہتان کا جواب ، ۸۳
"ترمذی" "مؤطا" اور دوسری کتبِ حدیث کے مطالعہ کی وضاحت
۵۷ — موجودہ نفسیات دانوں سے دو امراض ، ۸۴
اسلامی نقطۂ نظر سے خواب کی قسمیں اور اُن کی وضاحت
فرائڈ اور دوسرے ماہرینِ تعبیر کی غلطی
اسلامی نظریۂ خواب اور مسلم مفکرین
سچے خواب کو نبوت کے اجزا میں سے ایک جز قرار دینے کا مفہوم
۵۸ — لڑکا، لڑکی اور عورت، مرد کے الفاظ کے استعمال میں عمر کا لحاظ ، ۸۷
۵۹ — اعراب (بدوؤں) کے قبولِ اسلام کی حقیقت ، ۸۸
اسلام اور ایمان کی اصطلاحیں
۶۰ — اسلام سے بے تعلق ہو جانے کی بنا پر جماعتِ مسلمین سے نکل جانے کی تاکید ، ۸۹
خیالات میں نظرِ ثانی کی گنجائش ہونے کی صورت میں صبر و سکون سے اسلامی لٹریچر پڑھنے کا مشورہ
۶۱ — بنی اسرائیل اور نصاریٰ کی الہامی کتب اور انبیاء کے ارشادات ، ۹۱
بنی اسرائیل اور حضرت الیاس علیہ السلام
قرآن مجید اور روح الامین
۶۲ — مولانا احمد علی مرحوم کی مخالفت کا معاملہ ، ۹۲
۶۳ — موجودہ تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم حاصل کرنے کا مشورہ ، ۹۳
اچھے تعلیمی اداروں کی ضرورت کا مسئلہ
۶۴ — شاہ سعود، مدینہ یونیورسٹی اور رابطہ عالم اسلامی کے سلسلے میں وضاحت ، ۹۳

۶۵ — غیر مسلم ممالک میں تبلیغی کام کرنے کے بنیادی لوازم، ۹۴
تصویر کا مسئلہ : فیملی پلاننگ
تعددِ ازدواج : جمع بین الصلاتین
حلال غذا : الکوحل کا استعمال
۶۶ — شرعی لباس اور مختلف علاقوں کے مروجہ لباس، ۹۷
۶۷ — مخالفانہ پروپیگنڈا، جماعت اسلامی اور علماء، ۹۸
۶۸ — تفسیر سورۂ نور کے بارے میں توقف، ۹۹
واقعہ افک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حاشیہ)
۶۹ — مشرقی پاکستان کے سیلاب زدگان کی امداد کے متعلق بدگمانی، ۱۰۰
کارکنانِ جماعت سے ہفتہ وار رپورٹوں کی غرض و غایت
تربیتی اجتماعات میں نوافل کا اہتمام کس لیے؟
دینداری کے مدعی طبقے کی بدگمانیوں پر صبر
۷۰ — پیشہ وکالت اور رزقِ حلال کا مسئلہ، ۱۰۲
قربانی میں شیعہ اور حنفی حصہ داروں کی شرکت
۷۱ — اختیارِ اہون البلیتین کا مسئلہ، ۱۰۳
۷۲ — مقامِ ابراہیمؑ اور نماز کی جماعت، ۱۰۳
مقامِ ابراہیمؑ اور حضرت عمرؓ
۷۳ — اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے حقِ تبلیغ کی وضاحت، ۱۰۴
۷۴ — صحابہ کرامؓ کے اخلاصِ ایمانی میں شبہ کرنا، ۱۰۵
۷۵ — اسلام میں ارکانِ شوریٰ کے انتخاب کا مسئلہ، ۱۰۶
اسلامی ریاست میں سربراہِ حکومت کے لیے مدتِ حکومت کا تعین
۷۶ — دینِ حق کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی تمنا، ۱۰۶
۷۷ — قادیانی عورت سے مسلمان مرد کے نکاح کا حکم، ۱۰۷

۷۸ — علمائے سوء، مشائخ دنیا اور اہل حق ، ۱۰۷
۷۹ — دینی احکام کے اتباع کے لیے ان کی حکمت جاننے کی شرط ، ۱۰۸
صحابۂ کرامؓ کے اخلاص ایمانی میں شبہ کرنا
۸۰ — اللہ بخش مرحوم کی شہادت پر پیغام ہمدردی کا جواب ۱۰۹
۸۱ — کشمیر اور جہاد کشمیر کے متعلق موقف ، ۱۱۰
۸۲ — جداگانہ انتخاب اور بنیادی حقوق تسلیم کرانے میں حکمت عملی کی ضرورت ، ۱۱۱
تصوف حضرت مجدد صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب کے بارے میں
انتہاپسندی کی روش سے اختلاف
معتدلانہ تنقید کا اصول
۸۳ — جنگ احد میں جبل رماۃ پر تیر انداز بٹھانے کی حربی اہمیت ۱۱۲
۸۴ — مولانا عبد الماجد دریابادی، عبد اللہ یوسف علی، پکتھال اور محمد علی لاہوری کے انگریزی تراجم قرآن ، ۱۱۴
۸۵ — حق و صداقت کا فیصلہ اور بد دعا یا مباہلہ ، ۱۱۴
ابوجہل کی اپنے حق میں دعا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۸۶ — خدا کی قدرت، علم اور حکمت کے تقاضوں میں تطبیق کے بجائے تناقض کی تلاش ۵۰
۸۷ — صدارتی انتخاب میں فاطمہ جناح صاحبہ کی حمایت کا مسئلہ ، ۱۱۵
۸۸ — انتخاب جیتنے کے لیے ناجائز ذرائع کا استعمال ، ۱۱۷
۸۹ — جبر و استبداد کے نظام اور عورت کی سربراہی میں سے ایک چیز کے انتخاب کا مسئلہ ، ۱۱۸
۹۰ — ایوب صاحب کی آمریت اور فاطمہ جناح صاحبہ کی صدارت ، ۱۱۸
۹۱ — صدارتی انتخاب میں حصہ لینے کا مقصد ، ۱۱۹
صدارتی انتخاب میں ایوب صاحب کی کامیابی کی حقیقت
۹۲ — اشہر حرم کی حرمت — قدیم اور موجودہ زمانے میں ، ۱۲۰

۹۳ ــــ طاغوت کون ہے ؟ ۱۲۲
۹۴ ــــ سورۂ فاتحہ کی ایک آیت میں اختلافِ قراءت ۱۲۳
متشابہات کا مفہوم
سورۂ صٓ کی دو آیات کے ترجمے میں عام مفسرین سے اختلاف
۹۵ ــــ غیر مسلم معاشرے میں شادی شدہ نومسلم خاتون کی مشکلات اور اس کے
مسائل کا جواب ۱۲۴
عبادات اور فقہی مسائل کے متعلق بعض اردو کتب کے مطالعے کا مشورہ
جماعتِ اسلامی کے لٹریچر میں سے مطالعہ کے لیے ضروری کتب کی
نشاندہی
۹۶ ــــ سورۃ النازعات کی قسمیں اور ان کی وضاحت ۱۲۷
لفظِ لفافات کی تشریح
سورۂ مزمل کا زمانۂ نزول
۹۷ ــــ تخلیقِ کائنات کے بارے میں بعض آیات کی تشریح ۱۲۸
حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت
۹۸ ــــ فوٹو کا مسئلہ ، ۱۲۹
۹۹ ــــ ایمان کے بغیر عملِ صالح اور نیک کافر کی مغفرت کا مسئلہ ۱۳۰
۱۰۰ ــــ ہوسٹل کی زندگی اور اسلامی تربیت ۱۳۰
۱۰۱ ــــ قرآنِ کریم کے کلامِ الٰہی ہونے کے داخلی شواہد (بالتفصیل) ۱۳۱
(۱) قرآن کا چیلنج ، جو آج تک قبول نہیں کیا گیا
(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے استشہاد
(سیرتِ نبوی کے چند نمایاں پہلو)
قرآن اور حدیث کے اسالیب میں اختلاف
نبوت سے پہلے اور بعد کی زندگی میں عظیم الشان فرق

مستشرقین کے اعتراضات کا جواب
عیسائی راہب اور یہودی ربیوں سے معلومات حاصل کرنے کا افسانہ
کفار کا یہ جھوٹ کہ یہ قرآن، حضورؐ کو کچھ لوگ لکھوا دیتے ہیں
(سورۃ العنکبوت اور الفرقان کی بعض آیات کی تشریح و توضیح)
۱۰۲ — یورپ اور امریکہ سے صرف ان کے علوم و فنون سیکھے جائیں ، ۱۴۴
یورپ اور امریکہ کن چیزوں میں اسلام کے محتاج ہیں
اہل مغرب تک اسلام کی تعلیمات پہنچانے کی ضرورت
عیسائیوں کا مارا ہوا جانور اور یہودیوں کا ذبیحہ
۱۰۳ — اہل ایمان گناہ گار اور دوزخ کی سزا ، ۱۴۶
شاہد و مشہود، رجع اور ارض ذات الصدع کے معانی
لیلۃ القدر کے ہزار ماہ سے بہتر ہونے کا مفہوم
والآخرۃ خیر لک من الاولی کا مطلب
وان لنا للآخرۃ والاولی کا مطلب
کوثر کے معنی
مولانا فراہیؒ اور سورۂ فیل کی تفسیر
۱۰۴ — شام میں اہل ایمان پر ظلم و ستم کے تدارک کا مسئلہ ، ۱۴۸
۱۰۵ — جاپان میں تبلیغ اسلام کی ضرورت ، ۱۴۸
"رسالۂ دینیات" کا جاپانی میں ترجمہ
۱۰۶ — امریکہ اور دوسرے غیر مسلم اکثریت کے ممالک میں اسلامی لٹریچر ، ۱۴۹
کی اشاعت کا خیر مقدم
۱۰۷ — قرار دادِ مقاصد کے بعد ریاستِ پاکستان کی اسلامی حیثیت ، ۱۵۰
۱۰۸ — ہاتھ جوڑ کر سلام کرنے کی شرعی حیثیت ، ۱۵۰
پامسٹری کا شرعی حکم

یہودیوں کو حکومت و اقتدار نہ ملنے کے تصور کی وضاحت

۱۰۹ ــــ قرآنِ مجید میں قانون سازی کا طریقہ ، ۱۵۱
(قذف ، لعان اور ظہار کے مقدمات میں احکام کی مثال)

۱۱۰ ــــ جماعتِ اسلامی پاکستان کی امارت کا مسئلہ ، ۱۵۲

۱۱۱ ــــ بیوی کے لیے شوہر کی اطاعت کے سلسلے میں ایک حدیث اور اس کا صحیح مفہوم ، ۱۵۳

۱۱۲ ــــ علامہ اقبال مرحوم سے ملاقاتوں کا تاثر ، ۱۵۴
دکن سے پنجاب منتقل ہونے کا مشورہ اور اقبال مرحوم
فکرِ اقبال کا مستقبل
"خودی" کا مفہوم
علامہ اقبالؒ کے چھ خطبات کی اہمیت

۱۱۳ ــــ اللہ کا خوف اور اس کی محبت (آٹوگراف) ، ۱۵۶

۱۱۴ ــــ حضرتِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور "خلافت و ملوکیت" ، ۱۵۶
"خلافت و ملوکیت" کی تالیف کی ضرورت
تاریخ نگاری پر ایک اعتراض کی حقیقت

۱۱۵ ــــ حضرتِ عثمانؓ کی شان میں گستاخی کا الزام اور اس کی حقیقت ، ۱۵۸
غیر انبیاء سے غلطی کا صدور اور اس کی نشاندہی کرنے کی حیثیت
حضرتِ عثمانؓ کا عہدِ خلافت اور مسلمان مؤرخین
اسلامی تاریخ کے طلبہ کی رہنمائی کی ضرورت

۱۱۶ ــــ "خلافت و ملوکیت" اور علمی تحقیق کا مسئلہ ، ۱۶۳

۱۱۷ ــــ بزرگانِ دین کی بے ادبی کا بے بنیاد الزام ، ۱۶۴
صحابہ کرامؓ کے معیارِ حق ہونے کا مسئلہ
وابستگانِ جماعت اور فقہی مسائل میں مولانا محترم کے اتباع کا مسئلہ

کارکنانِ جماعت اور بزرگانِ دین پر اعتراضات؟
بعض صحابہ کرام رضؓ کے سلسلے میں وضاحت
۱۱۸ —— حضرت معاویہ رضؓ کے بارے میں ایک وضاحت، ۱۶۷
اسلامی تاریخ کی مستند کتب اور بعض علماء حضرات
۱۱۹ —— لفظ 'ذِکر' کا مفہوم اور حلقہ ہائے ذِکر، ۱۶۸
حلقے بنا کر ذکر جہری کرنے کی حیثیت
۱۲۰ —— کچھ محمد حسین ہیکل کے بارے میں
یہود و نصاریٰ کے علماء سے آنحضرتؐ کا معلومات حاصل کرنا محض ایک افسانہ ہے
داستانِ 'عزرا ابنق' کے لیے تفہیم القرآن سے رجوع کا مشورہ
محمد حسین ہیکل اور حضورؐ کے معجزات
احادیثِ آحاد کی حیثیت
۱۲۱ —— ہندوستانی مسلمانوں کے متعلق صحیح طرزِ فکر، ۱۷۰
۱۲۲ —— ظاہر و باطن کا تعلق، ۱۷۱
دینی انحطاط کی اصطلاح کا امکان
۱۲۳ —— "متشابہ" کا مفہوم، ۱۷۲
سورۂ فاتحہ کی ایک آیت میں اختلافِ قراءت
۱۲۴ —— اَوْلٰی بِهِمَا کے ترجمہ کی اصلاح، ۱۷۳
سورۂ آلِ عمران کی ایک آیت کی تفسیر
تفہیم القرآن میں ترجمہ قرآن کا اسلوب
اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ کے ترجمے پر اعتراض کی وضاحت
۱۲۵ —— نام 'ابوالاعلیٰ' کی وضاحت، ۱۷۵
حضرت ابوالاعلیٰ مودودی چشتیؒ کے ساتھ تعلق
ناموں کی مناسبتیں معلوم کرنے کا لایعنی شغل

۱۲۶ ـــ جماعتِ اسلامی، دفاعِ پاکستان اور جہادِ کشمیر، ۱۷۶
۱۲۷ ـــ پاکستان کی ہوائی فوج کے لیے ہدیۂ تبریک اور دُعا، ۱۷۷
۱۲۸ ـــ ایک انگریزی تفسیر میں علامہ ابنِ جریر طبریؒ کی ایک عبارت کا مسئلہ، ۱۷۷
حضرت عیسٰیؑ کی پیدائش اور ابنِ جریر طبریؒ
حدیث سے استدلال کا صحیح طریق
حضرت عیسٰیؑ کے بے باپ پیدا ہونے کے بارے میں قرآن و احادیث کی شہادت
۱۲۹ ـــ ماں کی وفات بچوں کے لیے سزا نہیں، ۱۷۹
موت پسماندگان کے لیے زندگی کی آزمائشوں میں سے ایک آزمائش ہے
دُعا کی اصل حیثیت
شرحِ اموات میں تبدیلی اور انسان کا پیمانۂ عمر
قرآن کا مطالعہ ـــ سرچشمۂ سکونِ قلب
۱۳۰ ـــ بیمہ میں بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت، ۱۸۲
۱۳۱ ـــ اسلامی فلسفے پر کسی نمائندہ انگریزی کتاب کی عدمِ موجودگی، ۱۸۳
اسلامی فلسفہ کی بنیاد
۱۳۲ ـــ سائنسی معلومات اور قرآن، ۱۸۴
دُوسرے سیاروں میں زندہ مخلوق
۱۳۳ ـــ تمباکو کی کمائی کی حلت و حرمت، ۱۸۵
تمباکو نوشی کی شرعی حیثیت
۱۳۴ ـــ نصابِ تعلیم میں اسلامی عقائد اور مسائلِ شرعیہ کی تعلیم کی فطری ترتیب، ۱۸۵
۱۳۵ ـــ لفظ 'آل' اور 'اہل' کا فرق، ۱۸۶
۱۳۶ ـــ تفہیم القرآن میں ترجمۂ قرآن کا اسلوب، ۱۸۷
سُورۂ یُوسفؑ کی ایک آیت کا ترجمہ

13667

۱۳۷ — سیرتِ پاک کی تدوین کا مسئلہ، ۱۸۸

۱۳۸ — نائیجیریا کے حالات ، ۱۸۸

نائیجیریا میں اسلامک سنٹر کے قیام کی تجویز پر اظہارِ پسندیدگی

عیسائی مشنریوں کے اعتراضات کا مسئلہ

نائیجیریا میں ایک سنٹر قائم کرنے کا مشورہ

نائیجیریا میں موجود مسلمانوں کی کانفرنس کے انعقاد کی تجویز

۱۳۹ — الفاظ کی تحقیق (شوروی اور شورائی، تہمت اور تہمد)، ۱۹۱

اہلِ دہلی کی زبان اور مولانائے محترم

مذموم الفاظ سے التباس کی بنا پر ترکِ لغت کا مسئلہ

۱۴۰ — الفاظ کی تحقیق (مرافعہ، اپیل، فڈریشن، کارپوریشن، زنا) ۱۹۲

۱۴۱ — مخالفین کے ساتھ معاملہ، ۱۹۳

زبان کی صحت کا اہتمام

بعض الفاظ کے بارے میں مزید وضاحت

'نہ ہی' کا استعمال

۱۴۲ — قضائے مبرم اور قضائے معلّق، ۱۹۵

۱۴۳ — بنوں میں نظر بندی کے دوران میں صحت کا حال، ۱۹۶

نظر بندی سے علمی کام کا نقصان

۱۴۴ — عالمِ اسلام کا اتحاد اور قیامِ امنِ عالم، ۱۹۷

دو عظیم جنگوں کی تباہی ـــ اور عالمی ریاست کے قیام کی تجویز

صرف اسلامی اصول، عالمی ریاست کی بنیاد فراہم کرتے ہیں

سرمایہ داری، اشتراکیت، عیسائیت، بدھ ازم اور ہندو مت

کے تحت عالمی ریاست کا قیام؟

۱۴۵ — لقد کان لکم فی رسول اللہ... (الاحزاب) کی تشریح ۱۹۹

اَمۡ لَهُمۡ شُرَکٰٓؤُا ..... (الشوریٰ) کی تشریح
لَا یَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ کی وضاحت
(سورۂ نوحؑ کی ایک آیت سے استشہاد)
'نہ ہی' اور 'نہ یہی' کا استعمال
انگریزی الفاظ کی تذکیر و تانیث کا مسئلہ (لفظ 'کلچر' کی بحث)
'مذہبی مراسم' اور 'مذہبی رسوم' میں فرق
'کے بجائے' اور 'کی بجائے' کا استعمال
حرفِ اضافت کی تذکیر و تانیث کا مسئلہ ('کا موجب' اور 'کی موجب' کا استعمال)
'نشوونما' کی تذکیر و تانیث
صحتِ زبان کا اہتمام
۱۴۶ ــــ مسجدِ اقصیٰ کا المیہ ، ۲۰۵
۱۴۷ ــــ کچھ 'دارالاسلام' کے بارے میں ، ۲۰۵
دارالاسلام میں قیام
علامہ اقبال کے ساتھ کام کا نقشہ
ازہر کے کسی عالم کو مدعو کرنے کا معاملہ (حاشیہ)
۱۴۸ ــــ رابطۂ عالم اسلامی میں شرکت اور لیبیا اور ترکی کے دورے کا ارادہ ، ۲۰۷
۱۴۹ ــــ تفہیم القرآن میں سورۂ بقرہ اور سورۂ طٰہٰ کے حاشیوں میں تطابق ، ۲۰۹
کیا جنت اسی زمین پر ہوگی ؟
حضرت آدم علیہ السلام اور خلافتِ ارضی
۱۵۰ ــــ تفہیم القرآن اور ترتیب نزول کی بحث ، ۲۱۰
سورۂ طٰہٰ ، واقعہ اور الشعراء کا زمانۂ نزول
۱۵۱ ــــ عرب ممالک ، اسرائیلی جارحیت اور انجمنِ اقوامِ متحدہ ، ۲۱۰

مجلسِ اقوام اور انجمن اقوامِ متحدہ کا کردار
مسئلہ کشمیر اور مسئلہ فلسطین کا حل
۱۵۲ — لباس کے شرعی حدود ، ۲۱۱
۱۵۳ — غیر سودی بنک کاری سسٹم پر کام کرنے کی ضرورت ، ۲۱۲
نظریۂ ربح پر مقالہ شائع کرنے کا مشورہ
۱۵۴ — کمیونزم اور سوشلزم کا مقابلہ اور جماعتِ اسلامی ، ۲۱۴
حکومت سے تعاون کا معاملہ
۱۵۵ — سرزمینِ فلسطین و شام کے بابرکت ہونے سے مراد ، ۲۱۴
اقتدار کے صحیح اور غلط استعمال کی حیثیت
۱۵۶ — پوپ پال ششم کے خط کا جواب ، ۲۱۵
"یومِ امن" سے نئے سال کا آغاز کرنے کا پیغام اور اس کا خیر مقدم
دامن سے محرومی کے بیان کردہ وجوہ سے اتفاق
افراد، اقوام اور پیروانِ مذاہب کو اپنا اپنا محاسبہ کرنے کی دعوت
ان امور کی نشاندہی جو مسلمانوں کے لیے مسیحی حضرات سے وجہ شکایت ہیں:
(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن اور اسلام پر مسیحی اہلِ علم کے ناروا حملے
(۲) مسیحی مشنری اداروں کا افسوس ناک طرزِ عمل
(۳) مسیحی دنیا کا مسلمانوں سے شدید جذبۂ عناد اور اس کے مظاہر
(۴) قدیم بیت المقدس کو بین الاقوامی کنٹرول میں دینے کی غلط تجویز۔
اس بات کی طرف دعوت کہ مسلمانوں کے طرزِ عمل میں جو چیز امنِ عالم میں رکاوٹ کا سبب ہو اس کی نشاندہی کی جائے
۱۵۷ — تہنیت نامۂ عید الفطر کا شکریہ ، ۲۲۵

مسجدِ اقصیٰ، بیت المقدس اور الخلیل کے چھن جانے پر جذباتِ غم
کا اظہار
۱۵۸ — نزولِ قرآن کے چہاردہ صد سالہ جشن کے موقع پر پیغام، ۲۲۵
صحیح نقطۂ آغاز کی ضرورت
(ہمارے لیے اصل سرچشمۂ ہدایت کتاب اللہ ہے)
اس دور میں قرآن کو سرچشمۂ ہدایت نہ ماننے والے عناصر
دین و دنیا کی تقسیم کا نظریہ رکھنے والے لوگ
بیرونی نظریات و تصورات کی قرآن سے توثیق و تصدیق کرانے والے عناصر
قرآن کی رہنمائی عملاً تسلیم کرنے کی ضرورت
قرآن کو فی الواقع سرچشمۂ ہدایت ماننے والوں میں سنجیدگی کا فقدان
قرآنی تعلیمات اور اسلام کی حقانیت کے بارے میں محض کاغذی بحثوں کا حاصل
لمحۂ فکریہ!
۱۵۹ — مرزا اسد اللہ خاں غالب سے تعلق، ۲۳۱
مرزا قربان علی بیگ سالک مرحوم سے قرابت
غالب کا شاعرانہ مرتبہ
۱۶۰ — شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ، ۲۳۲
شاہ صاحب کی غیر معمولی شخصیت اور انکی منفردِ مجتہدانہ شان
شاہ صاحب کا اصلی کارنامہ
شاہ صاحب کے تجدیدی کارنامے کے دو عنوان: تنقید و تنقیح اور تعمیر
"ازالۃ الخفاء" کی اہمیت
فقہ میں مسلکِ اعتدال کی بنیاد
اسلام کے فکری، اخلاقی، شرعی اور تمدنی نظام کی تدوین
جاہلی حکومت اور اسلامی حکومت میں فرق — اور "حجۃ اللہ البالغہ"

اور "إزالۃ الخفاء"
۱۶۱ ——— نائیجیریا کے مسلمانوں کی حالتِ زار ، ۲۳۷
نائیجیریا میں پاکستانی نوجوان
نائیجیریا میں تبلیغِ اسلام کے سلسلے میں مشورے
۱۶۲ ——— مولانا احمد رضاخاں صاحب مرحوم کا علمی مقام ، ۲۳۹
نزاعی مسائل کی تلخیاں اور مولانا احمد رضاخاں مرحوم
اختلافی مباحث سے بچتے ہوئے مولانا احمد رضاخاں کی علمی خدمات کے تعارف
کی ضرورت
۱۶۳ ——— "انصار اللہ" کی وضاحت ، ۲۴۱
تفسیر قرآن کے سلسلے میں قرآن میں استعمال ہونے والے الفاظ کی اہمیت
۱۶۴ ——— آزادی کا مفہوم اور اس کی اہمیت ، ۲۴۲
سیاسی آزادی کے باوجود ذہنی محکومی کی مصیبت
ذہنی آزادی کے لیے فکری اجتہاد اور علمی تحقیق کی ضرورت
مغربی تہذیب کے مقاصد
اسلامی نشاۃِ ثانیہ کی ضرورت

۱

محترمی و مکرمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ قرآن مجید میں کائنات کے متعلق جو احوال اور حقائق بیان کیے گئے ہیں ان میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ اس زمانے کی عام آدمی کی معلومات اور عقل و فکر کی رسائی سے اتنی زیادہ بعید بات نہ بتائی جائے جو کسی طرح اسے ہضم نہ ہو سکے۔ یہ حکمت اگر ملحوظ نہ رکھی جاتی تو دو ہزار برس پہلے کے آدمی کے لیے حقائق چاہے کتنے ہی قابلِ قبول ہوتے لیکن اُس زمانے کا آدمی تو ان کو سُن کر بھونچکا رہ جاتا اور ماننے سے انکار کر دیتا۔ اسی طرح ابھی نہ معلوم کتنے حقائق ایسے ہیں جو آج کے آدمی کو بتائے جائیں تو وہ ان کو ہرگز نہ مانے، حالانکہ اب سے دو ہزار برس بعد وہ بالکل پیش پا اُفتادہ حقائق بن جائیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ قرآن نے کوئی چیز ایسی بیان نہیں کی ہے جو حقیقت کے خلاف ہو، لیکن اس نے نظامِ کائنات کے متعلق سارے حقائق بیان نہیں کر دیے ہیں بلکہ صرف اتنی ہی بات بتائی ہے جو اوّلین مخاطب لوگوں کے ذہن کی گرفت میں آ سکتی تھی۔

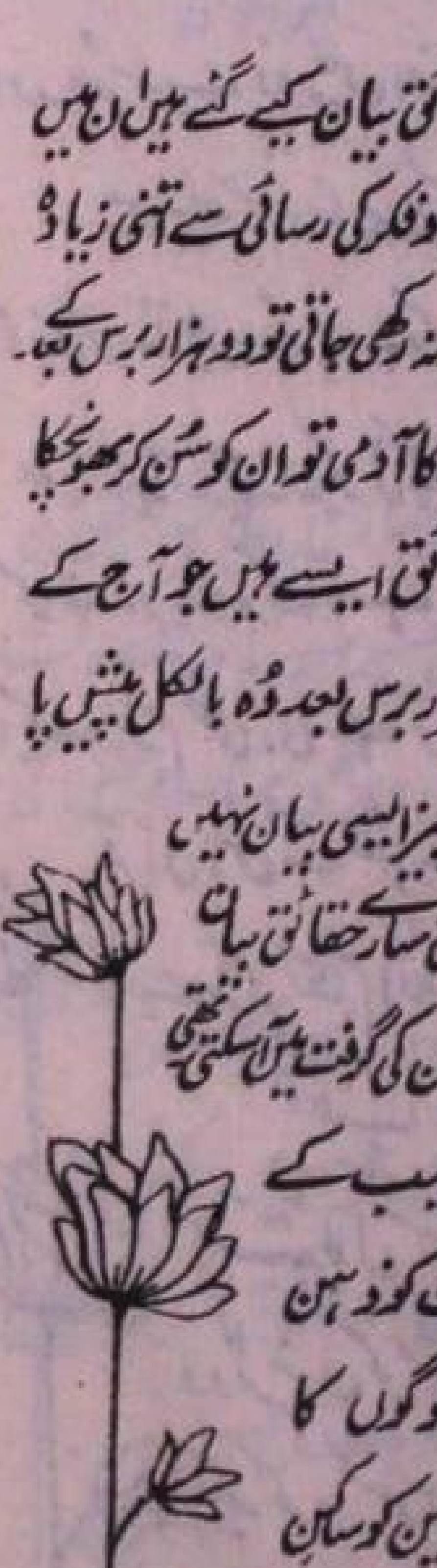

زمین کی حرکت اور سیاروں کی گردش اور آسمانوں کی ترکیب کے معاملے میں قرآن کے ارشادات کو سمجھنے کے لیے اس بنیادی بات کو ذہن نشین رکھنا ضروری ہے۔ کل اگر حرکتِ زمین کا ذکر کیا جاتا تو لوگوں کا دماغ چکرا جاتا۔ آج اگر بطلیموسی نظام کی بات کی جائے اور زمین کو ساکن قرار دے کر سورج اور دیگر سیاروں کو اس کے گرد گھمایا جائے تو اسکول کا ایک معمولی بچہ بھی مذاق اُڑانے پر آمادہ ہو جائے۔

قرآن مجید میں اس معاملہ کے متعلق کوئی صاف اور قطعی بات نہیں کہی گئی ہے، کیونکہ وہ طبیعیات و فلکیات وغیرہ علوم سکھانے نہیں آیا ہے۔ جس غرض کے لیے وہ ان آثارِ کائنات سے استدلال کر رہا ہے اس کے لیے حرکت اور سکون دونوں صورتوں میں یکساں استدلال ممکن ہے۔ اب خواہ مخواہ ہم کیوں قرآن کے بیان کو کسی ایک چیز پر جمانے کی کوشش کریں جو کسی ایک دور کی معلومات یا مظنونات کے مطابق ہو اور دوسرے دور میں انسان کے قائم کردہ نظریات یا مشاہدات اس کو جھٹلا دیں۔

میں نے جس بنا پر یہ کہا ہے کہ قرآن کے بعض اشارات زمین کے متحرک ہونے کی تائید کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ قرآن مجید افلاک کا تصور یہ پیش کرتا ہے کہ وہ سمندروں کی طرح ہیں جن میں کوئی چیز تیر رہی ہے، اور افلاک کے بجائے وہ اجرام فلکی کو گردش کرتے ہوئے دکھاتا ہے، یعنی وہ افلاک کے اندر تیر رہے ہیں۔ اب اگر زمین بھی ایک جرمِ فلکی ہی ہے تو لامحالہ یہ بھی ٹھیری ہوئی نہیں ہے بلکہ تیر ہی رہی ہے۔ قرآن اس کے ٹھیرے ہوئے ہونے کا جو ذکر کرتا ہے وہ ہماری نسبت سے ہے نہ کہ نظامِ افلاک کی نسبت سے۔

قطب تارے کے ساتھ زمین کی نسبت یکساں رہنے سے جو استدلال کسی مفسرِ قرآن نے کیا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص دو ٹرینوں کو متوازی لائنوں پر ایک ساتھ ایک رفتار سے چلتے ہوئے دیکھ کر یہ محسوس کرے کہ دونوں کھڑی ہوئی ہیں اور اپنے اس احساس کو ان کے سکون پر دلیل کی حیثیت سے پیش کرے۔ آپ نے بارہا دیکھا ہوگا کہ آپ ایک ٹرین میں بیٹھے ہوں اور آپ کی

ٹرین چل پڑے لیکن برابر کی لائن پر ایک ٹرین کھڑی ہو تو کافی دیر تک آپ کو یُوں محسوس ہوتا رہے گا کہ حرکت میں دوسری ٹرین ہے نہ کہ آپ کی ٹرین۔ کیا اس طرح کے احساسات اُمورِ واقعیہ کی تردید کے لیے کافی ہو سکتے ہیں؟

بنام محمد سلطان صاحب، قصور ضلع لاہور — خاکسار

مورخہ ۴، ستمبر ۱۹۵۹ء — ابوالاعلیٰ

۲

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ "پردہ" کی تصنیف کے زمانہ میں عام مترجمین کی طرح میں بھی اَیِّم کے معنی بے شوہر عورت کے سمجھتا تھا۔ لیکن تفسیر سورۂ نور لکھتے وقت جب اس لفظ کی پوری تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس کا اطلاق ایسے مرد پر بھی ہوتا ہے جس کی کوئی بیوی نہ ہو۔

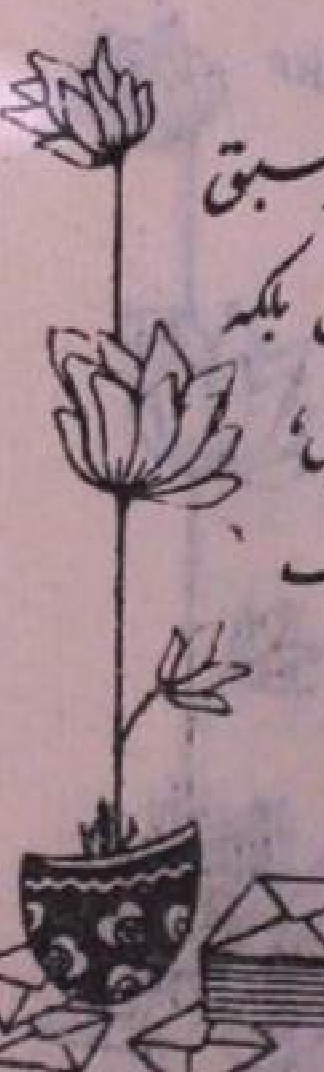

پچاس نمازوں والا واقعہ معتبر احادیث میں آیا ہے۔ اس سے جو سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ نماز کے لیے شب و روز میں پانچ وقت زیادہ نہیں ہیں بلکہ جتنی بار انسان کو اللہ کی عبادت کرنی چاہیئے اس کے مقابلے میں بہت کم ہیں، اور یہ کہ ان اوقات میں سے کسی وقت کی نماز کو آدمی ضائع کرتا ہے تو ایک نہیں بلکہ گویا دس نمازوں کو ضائع کرتا ہے۔

بنام شمیم احمد صاحب، کراچی — خاکسار

مورخہ ۱۹، مئی ۶۲ء — ابوالاعلیٰ

۳

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا ۔ ہر شخص کی عمر اللہ تعالیٰ نے مقرر کی ہے لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں ہے کہ خدا نے کس کی کیا عمر مقرر کی ہے ۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو آخر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ انسان نے اپنی کوشش سے خدا کی مقرر کردہ عمر سے زیادہ عمر حاصل کر لی ہے ۔

بنام سید محمد ابراہیم صاحب ، چک ۹۹ - ۱۰ آر ضلع ملتان ۔ مورخہ ۱۵ ، جون ۶۲ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۴

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا ۔ ایصالِ ثواب ایک نوعیت کی دعا ہے ۔ ایک انسان ایک نیک کام کر کے خدا سے یہ دعا کرتا ہے کہ اس کام پر جو ثواب بھی آپ مجھے عطا فرمائیں وہ میری طرف سے فلاں شخص کو پہنچا دیا جائے ۔ اس طرح کی دعا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ۔ یہ بالکل ایک جائز نوعیت کی دعا ہے ۔ اب یہ بات اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے کہ وہ ہماری دوسری دعاؤں کی طرح اس دعا کو بھی قبول کرے ۔ اگر وہ قبول کرے گا تو ثواب اس شخص کو پہنچا دے گا ۔ ورنہ بہرحال ہمارے نیک عمل کا اجر ضائع نہ ہوگا ۔ نہ پہنچانے کی صورت میں وہ ہمارے حساب میں درج ہو جائے گا ۔

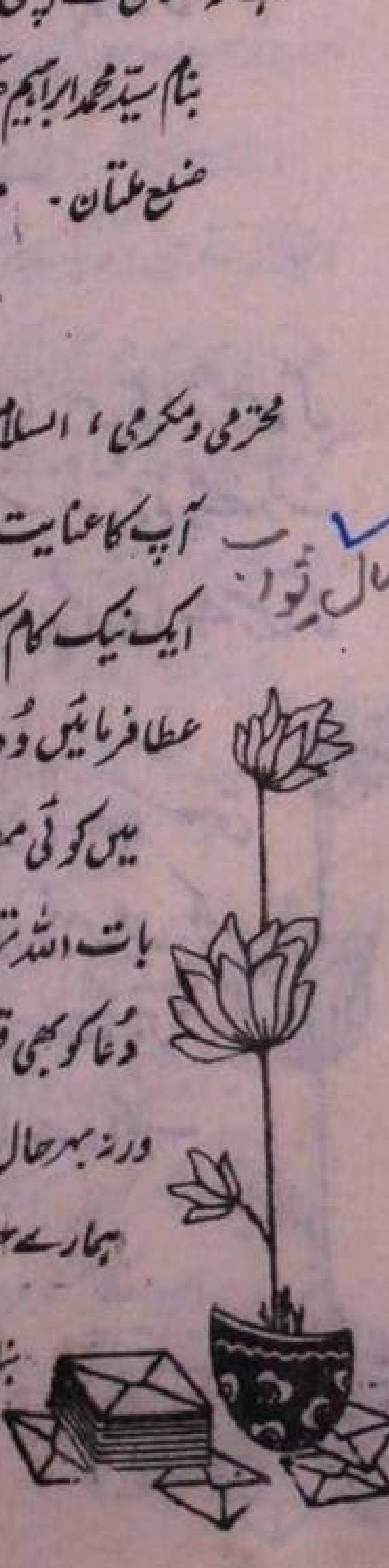

بنام گلزار محمد خان صاحب ، سول لائن راولپنڈی
مورخہ ۱۵ ، جون ۶۲ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۵

محترمی ومکرمی ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ تعجب ہے کہ نزولِ مسیح کے بارے میں آپ کا اشکال ابھی تک رفع نہیں ہو سکا۔ اگر آپ نے ان احادیث کو بغور پڑھا ہوتا جو نزولِ مسیحؑ کے بارے میں ہیں تو آپ کو خود معلوم ہو جاتا کہ جس طرح حضرت مسیحؑ نازل ہوں گے وہ ایسا طریقہ ہوگا کہ مسلمانوں کو ان کے پہچاننے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔ ان میں بتایا گیا ہے کہ جس وقت دمشق میں مسلمان دجال کے مقابلہ کے لیے صف آرا ہوں گے اور صبح کی نماز کے لیے کھڑے ہوں گے اس وقت یکایک حضرت مسیحؑ منارۂ بیضا کے قریب نازل ہوں گے اور پھر مسلمان ان کو نماز پڑھانے کے لیے کہیں گے۔

بنام شیخ عبدالرشید صاحب شیر شاہ کالونی کراچی — خاکسار

مورخہ ۲۰، جون ۶۲ء — ابوالاعلیٰ

۶

محترمی ومکرمی ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ ڈاڑھی رکھ کر مونڈ دینا ارتداد کی حد

تک تو نہیں پہنچا، مگر سخت قسم کی رجعت اور شکست خوردگی ضرور ہے۔ اور جو وجہ اس کی بیان کی گئی ہے وہ کیرکٹر کی بڑی کمزوری ظاہر کرتی ہے۔ جن صاحب سے اس کمزوری کا صدور ہوا ہے ان کے رفقاء کو انھیں سنبھالنے کی فکر کرنی چاہیئے۔

بنام عبدالرشید صاحب، ناظم آباد کراچی — خاکسار

مورخہ ۲۰ جون ۶۲ء — ابوالاعلیٰ

(۷)

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ اپنی حاجات و ضروریات کے لیے اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنا اور اس سے دعا مانگنا کوئی بری بات نہیں ہے بلکہ عین بندگی کا تقاضا ہے۔ اس لیے عبادت کے وقت اگر دعا کے بارے میں کوئی وسوسہ دل میں پیدا ہو تو اس سے بد دل نہ ہونا چاہیئے۔ اسی طرح خشوع و خضوع کی کمی کی وجہ سے بھی بد دلی پیدا نہ ہونی چاہیئے۔ جو عبادت آپ کر سکتے ہوں وہ ضرور کریں اور اللہ سے دعا مانگتے رہیں کہ وہ آپ کو بہترین طریقہ سے عبادت کرنے کی توفیق بخشے۔ میں بھی آپ کے حق میں دعائے خیر کرتا ہوں[1]۔

بنام نعیم گیلانی صاحب، کٹاس، ضلع جہلم — خاکسار

مورخہ ۲۰ جون ۶۲ء — ابوالاعلیٰ

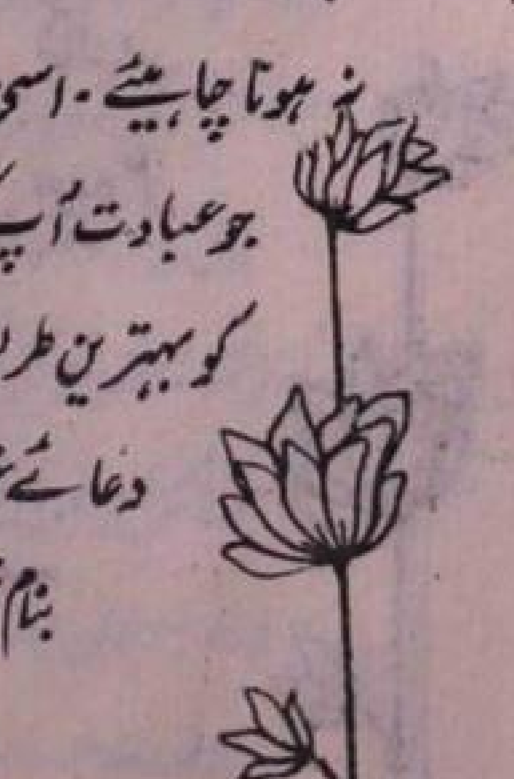

---

[1] مکتوب الیہ نے اپنے خط میں عبادات میں خشوع و خضوع کی کمی کا ذکر کیا تھا اور اپنی حاجات کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کو خود غرضی پر محمول کرتے ہوئے مولانا محترم

۸

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ ہم مسلمان یہ ایمان رکھتے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کے رہنما ہیں اور ہمیشہ کے لیے ہیں۔ بظاہر یہ بہت بڑی بات ہے جو کسی انسان کے متعلق کہی جا سکتی ہے مگر جس بلند پایہ ہستی کے متعلق یہ دعویٰ کیا گیا ہے اس کا کارنامہ واقعی ایسا ہے کہ اس کے لیے یہ قول مبالغہ نہیں بلکہ عین حقیقت ہے۔

دنیا کے رہنما میں اولین صفت یہ ہونی چاہیئے کہ اس نے کسی خاص قوم یا نسل یا طبقہ کی بھلائی کے لیے نہیں، بلکہ تمام دنیا کے انسانوں کی بھلائی کے لیے کام کیا ہو۔ ساری قوموں کے انسان کسی ایک شخص کو اپنا لیڈر صرف اسی صورت میں مان سکتے ہیں جبکہ اس کی نگاہ میں سب قومیں اور سب انسان یکساں ہوں۔ وہ سب کا خیر خواہ ہو اور اپنی رہنمائی میں کسی طرح ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں یہ صفت بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ آپ کی زندگی کسی قوم پرست یا وطن پرست کی زندگی نہ تھی بلکہ ایک محبِ انسانیت کی زندگی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے عہد میں حبشی، ایرانی، رومی، مصری اور اسرائیلی اسی طرح آپ کے رفیق کار بلکہ جاں نثار بنے جس طرح عرب۔ آپ کے بعد بھی دنیا کے ہر ملک اور ہر نسل کے لوگ آپ کے متبعین میں شامل ہوتے چلے گئے اور مل کر ایک

بقیہ حاشیہ خط ۷ : سے اس کے متعلق سوال کیا تھا۔ (مرتب)

ملت بن گئے۔

دوسری اہم صفت رہنمائے عالم میں یہ ہونی چاہیئے کہ اس کے پیش کردہ اصول عالمگیر اور ہمہ گیر ہوں، تمام دنیا کے انسانوں کی یکساں رہنمائی کرتے ہوں اور ان میں انسانی زندگی کے تمام اہم مسائل کا حل موجود ہو۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اس معاملہ میں بھی کامل ہے۔ آپ نے کسی مخصوص قوم یا ملک کے مسائل سے بحث کرنے کے بجائے پوری انسانیت کے مسائل کو لیا ہے اور ان میں ایسی رہنمائی دی ہے جس پر بنی نوعِ انسان بحیثیت مجموعی تمام دنیا میں عمل کر کے دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

تیسری بنیادی صفت جس کے بغیر کوئی شخص سارے جہاں کا رہنما نہیں ہو سکتا یہ ہے کہ اس کی رہنمائی کسی خاص زمانے کے لیے نہ ہو بلکہ وہ ہر زمانے میں صحیح اور قابلِ عمل ہو۔ عالمگیر رہنما وقتی و زمانی نہیں ہو سکتا۔ یہ لقب تو اسی کو زیب دیتا ہے جس کی رہنمائی رہتی دنیا تک کارآمد رہے۔ اس کسوٹی پر بھی اگر کسی کی تعلیم و ہدایت پوری اترتی ہے تو وہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے۔ وہ ایک روشنی کا مینار تھے جو صدیوں سے دنیا کو راہ راست دکھا رہا ہے اور زمانہ جیسے جیسے گزرتا جا رہا ہے اس کی روشنی اور زیادہ نکھرتی چلی جا رہی ہے۔

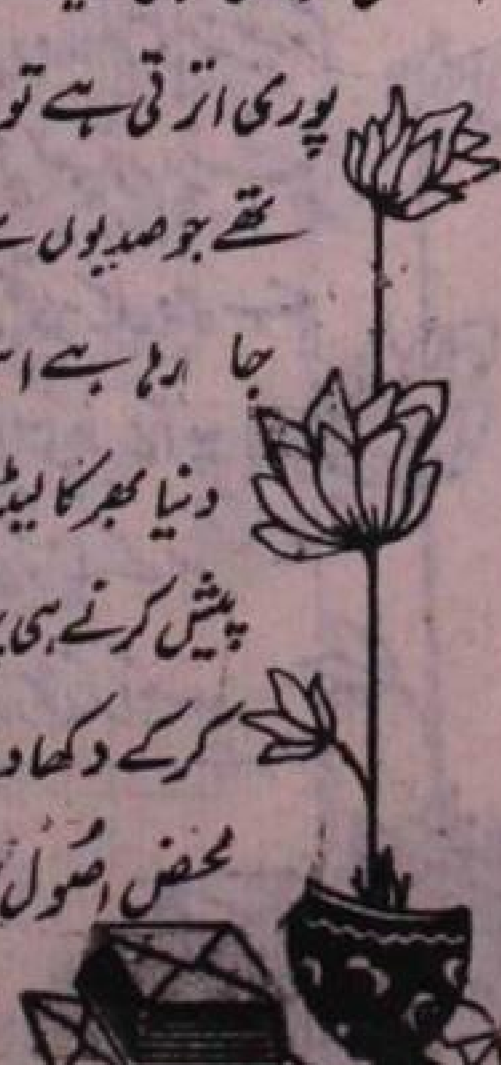

دنیا بھر کا لیڈر ہونے کے لیے چوتھی اہم ترین شرط یہ ہے کہ اس نے صرف اصول پیش کرنے ہی پر اکتفا نہ کیا ہو بلکہ اپنے پیش کردہ اصولوں کو زندگی میں عملاً جاری کر کے دکھا دیا ہو اور ان کی بنیاد پر ایک جیتی جاگتی سوسائٹی پیدا کر دی ہو محض اصول پیش کرنے والا زیادہ سے زیادہ ایک مفکر ہو سکتا ہے، لیڈر نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نے صرف خیالی نقشہ پیش نہیں کیا بلکہ اس نقشہ پر ایک زندہ سوسائٹی پیدا کر کے دکھادی اور تیئس ۲۳ سال کی مختصر مدت میں لاکھوں انسانوں کو خدا کی حکومت کے سامنے سر اطاعت جھکا دینے پر آمادہ کر دیا۔ ایک نیا نظامِ اخلاق، نیا نظامِ تمدن، نیا نظامِ معیشت اور نیا نظامِ سلطنت پیدا کر کے تمام دنیا کے سامنے یہ عملی مظاہرہ کر دیا کہ ان کے بتائے ہوئے اصولوں پر کتنی اچھی، کتنی پاکیزہ اور کتنی صالح زندگی وجود میں آتی ہے۔

یہ ہے وہ کارنامہ جس کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت پوری دُنیا کے رہنما ہیں، اور ہمیشہ کے لیے ہیں۔ آپ کی تعلیم کسی خاص قوم کی جائداد نہیں ہے بلکہ پوری انسانیت کی مشترک میراث ہے جس پر کسی کا حق کسی دوسرے سے کم یا زیادہ نہیں ہے۔ جو چاہے اس میراث سے فائدہ اٹھائے اور جو چاہے فائدہ نہ اٹھا کر ابدی محرومی میں مبتلا رہے۔

بنام ایڈیٹر "اتحاد"
جولائی ۶۲ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۹

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ دین سے آپ کی وابستگی معلوم کر کے مسرّت ہوئی۔ آپ میری حسب ذیل کتابیں مطالعہ فرمائیں: رسالۂ دینیات، خطبات، اسلامی نظامِ زندگی، اسلامی تہذیب اور اس کے اُصول و مبادی۔

اس کے ساتھ اگر روزانہ تفہیم القرآن کی مدد سے قرآن مجید

کا ایک رکوع بالالتزام پڑھتے رہیں تو مفید ہوگا۔ نیز آپ علماء کے جھگڑوں کی وجہ سے مسجد میں نماز باجماعت ترک نہ کریں۔ افراد کی خرابی کی وجہ سے دین کے بنیادی حکم کو ملتوی کر دینا درست نہیں ہے۔

بنام فرزند علی شاہ صوفی پورہ سیالکوٹ، خاکسار

مورخہ ۲۷، اگست ۶۲ء ابوالاعلیٰ

۱۰

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ مِلا۔ آپ کا "سیر و سفر" برابر مل رہا ہے اور میں دلچسپی کے ساتھ اس کو پڑھتا ہوں۔ اس کے ذریعے سے آپ صحیح خیالات اور مفید معلومات کی اشاعت کر رہے ہیں۔ آپ کی تنقیدیں بھی بڑی متوازن ہوتی ہیں اور صحافت کے اخلاقی حدود کا آپ پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ ہمارے ملک کو دراصل ایسے ہی پرچوں کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی اس خدمت میں برکت عطا فرمائے۔

۲۰، اکتوبر (۱۹۶۲ء) کو جو انقلاب نمبر آپ شائع کر رہے ہیں اس کی تقریب میری سمجھ میں پوری طرح نہیں آئی۔ انقلاب کا لفظ عموماً دنیا میں تغیر کے لیے استعمال ہونے لگا ہے۔ لیکن انقلاب کے اصل معنی اُلٹ جانے کے ہیں — اور اس معنی میں درحقیقت اگر کہیں انقلابات رونما ہوئے ہیں تو چشم بد دُور وہ مسلمان ممالک ہی ہیں۔ قوم کے ملازموں کا خود آقا بن جانا اور قوم کو اپنا غلام بنا لینا، فی الواقع ایک مکمل انقلاب

ہے۔ البتہ اس انقلاب پر "زندہ باد" کا نعرہ لگانا کسی ذی شعور آدمی کے بس میں نہیں ہے۔

بنام عارف دہلوی صاحب، — خاکسار

ایڈیٹر بیسر و سفر گلستان، مورخہ ۱۸، اکتوبر ۶۲ء — ابوالاعلیٰ

۱۱

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آپ کے سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ آدمی کو کم از کم اتنی کوشش ضرور کرنی چاہیئے کہ وہ قرآن مجید کی اصل عربی عبارت کو پڑھنے کے قابل ہو جائے اور اس کے بعد مطلب اردو ترجمہ سے سمجھ لیا کرے۔

تلاوتِ قرآن کا ثواب حاصل کرنے کے لیے کلامِ وحی کا پڑھنا ضروری ہے۔ ترجمہ پڑھ لینا کافی نہیں۔ اس سے ترجمۂ قرآن پڑھنے کا ثواب ملے گا مگر تلاوتِ قرآن کا ثواب نہ ملے گا۔

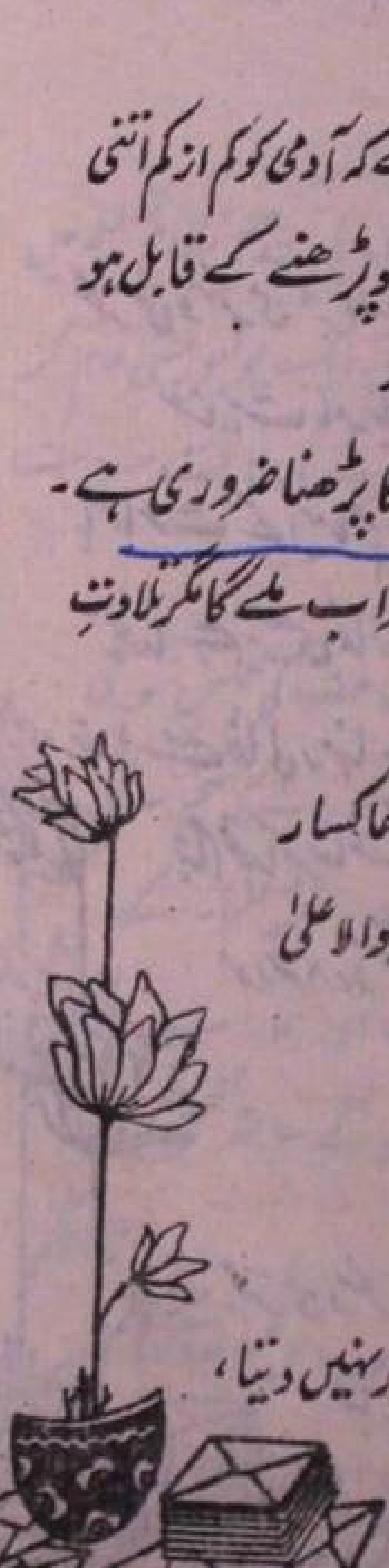

بنام محمد امین صاحب (جیولرز) — خاکسار

خالص پور ضلع کھلنا۔ مورخہ ۱۸، اکتوبر ۶۲ء — ابوالاعلیٰ

۱۲

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ اسلام نیشنلائزیشن کو بالکل حرام قرار نہیں دیتا، البتہ اگر اس کو ایک عام اصول کی حیثیت سے اختیار کیا جائے تو

اسلام اس کا مخالف ہے۔ کسی خاص تجارت یا صنعت کو اگر انفرادی انتظام میں نہ چلایا جا سکتا ہو، یا اس کا انفرادی انتظام میں چلنا نقصان دہ ثابت ہو رہا ہو تو اسے قومی انتظام میں چلانا درست ہے۔

بنام عبدالغفار اے کریم صاحب، کراچی
مورخہ ۸، دسمبر ۶۲ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۱۳

محترمی و مکرمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ نمازوں کو ضائع کرنے سے مراد ترکِ نماز بھی ہے، نماز باجماعت کے اہتمام سے غفلت بھی، اور اس میں وہ مفہوم بھی آ جاتا ہے جو آپ نے سمجھا ہے۔ یعنی نماز کے حقیقی فائدوں کو ضائع کرنا اور ادائے نماز کے باوجود خوفِ خدا سے خالی رہنا۔

بنام محمد اکبر صاحب، ڈھوک شرفاء
مورخہ ۸، دسمبر ۶۲ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۱۴

محترمی و مکرمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ یہ خیال غلط ہے کہ تاریخ حضرت آدم علیہ السلام کا زمانہ ۵ ہزار سال بتا رہی ہے حالانکہ ۶ ہزار سال قبل تو مصر اور بابل

کی تاریخ موجود تھی۔ تاریخ حضرت آدمؑ ہی کے متعلق نہیں بلکہ طوفان نوحؑ کے زمانے کے متعلق بھی اب تک کوئی شہادت فراہم نہیں کرسکی ہے۔

بنام ایس ایم الیاس، ملتان — خاکسار

مورخہ ۸، دسمبر ۶۲ء — ابوالاعلیٰ

۱۵

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آپ نے تفصیل کے ساتھ یہ بتا دیا ہے کہ نظام تعلیم میں اب کس اصلاح کی ضرورت ہے۔ مگر اس نئے نظام کے مطابق ایک یونیورسٹی قائم کر دینے کی راہ میں بہت سی عملی مشکلات حائل ہیں جنہیں حل کرنے کی طاقت سرِدست ہم میں نہیں ہے۔

جماعت اسلامی میں علماء کثرت سے شریک ہیں۔ خود جماعت کی مجلسِ شوریٰ میں نصف تعداد علماء کی ہے۔ اس لیے آپ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ ہم نے علماء کو ساتھ نہیں ملایا ہے اور ان سے ہمیں کوئی مایوسی ہے۔ البتہ علماء کے ایک گروہ سے ہم ضرور مایوس ہیں جو دانستہ بہتان لگاتا ہے اور ہمارے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جو ان کے مخالف علماء کبھی خود ان کے ساتھ کرتے رہے ہیں۔

میں اپنے بچوں کی تربیت جس حکمت کو ملحوظ رکھ کر کر رہا ہوں اس کا تقاضا یہی ہے کہ انہیں موجودہ زمانے کے ماحول سے جبراً بے تعلق نہ

کیا جائے بلکہ آہستہ آہستہ ان کے ذہن اور ذوق کو اس طرح بدلا جائے کہ وہ خود اس ماحول کی خرابیوں کو سمجھیں اور دباؤ سے نہیں بلکہ خود اپنی رائے کی بنا پر ان سے بچیں۔

بنام محمد اسحاق صاحب نیلا گنبد، لاہور — خاکسار

مورخہ ۲۴، دسمبر ۶۲ء — ابوالاعلیٰ

۱۶

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ مرنے کے بعد آدمی کی روح زندہ رہتی ہے، اس میں پورا شعور موجود رہتا ہے۔ نیک آدمی قیامت تک سرکاری مہمان (State guest) کی حیثیت سے رہتا ہے اور بد انسان زیرِ حراست ملزم (Under trial prisoner) کی حیثیت سے۔

بنام کیپٹن خادم حسین خان، کوئٹہ — خاکسار

۲۸، دسمبر ۶۲ء — ابوالاعلیٰ

۱۷

مکرمی و محترمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ میرے نزدیک اسلام کے نام سے جو خلطِ مبحث اس ملک میں برپا ہے وہ تعمیرِ پاکستان کے لیے کوئی کارآمد اور نتیجہ خیز پروگرام کبھی نہ بننے دے گا۔ مختلف لوگوں نے اپنا ایک تصورِ اسلام

بنا لیا ہے اور وہ اسلام کو پاکستان کا بنیادی نظریۂ حیات تسلیم کرنے کے بعد اپنے اُسی مخصوص تصور کو رُو بعمل لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح وہی اختلاف جو پہلے دینی یا لادینی نظریہ کو ریاست کی بنیاد قرار دینے کی شکل میں رونما تھا، اس نے اب دوسری شکل اختیار کر لی ہے اور اس اختلاف کی موجودگی میں کوئی تعمیری پروگرام بنانا اور چلانا سخت دشوار ہے۔

اب ضرورت ہے کہ اس خلطِ مبحث کو ختم کیا جائے اور ملک میں واضح نظریات کی بنیاد پر تحریکیں اور جماعتیں منظم ہوں۔ وُہ جماعتیں جو خلطِ مبحث کرنے والے لوگوں پر مشتمل ہوں گی، اس ملک میں اب کوئی تعمیری خدمت انجام نہیں دے سکتیں۔ جو لوگ لادینی (سیکولرزم) کے حامی ہیں انھیں صاف صاف اپنے نظریے کا اظہار کرنا چاہیئے اور اسلام کے نام سے دھوکا دینا چھوڑ دینا چاہیئے۔ وہ لادینی کے نام پر لوگوں کو پکاریں اور جو اس نام پر ان کی طرف آئیں انھیں اپنے گرد جمع کریں۔ اسی طرح جو جماعتیں جمہور مسلمین کے اسلام سے مختلف اپنے کسی الگ اسلام کی قائل نہیں ہیں انھیں یہ صاف صاف کہہ دینا چاہیئے کہ وہ کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول اللہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور اجماعِ امت کو مانتی ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی دُوسری ہستی کی تعلیمات کو مرجع ہدایت اور ماخذِ شریعت تسلیم نہیں کرتیں اور یہ کہ ان کے دائرے میں کسی ایسے شخص کی گنجائش نہیں ہے جو اس عقیدے کا قائل نہ ہو۔ ان موخر الذکر جماعتوں کے درمیان اگر سرِدست وحدت نہ ہو تو کم از کم اتحاد ہونا چاہیے اور انھیں ایک دوسرے سے تعاون کرنا چاہیئے۔

بعض مسائل ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو اہلِ ملک کے مشترک مفاد سے تعلق رکھتے ہوں۔ ان میں مقدم الذکر تینوں گروہوں کے درمیان

کسی مفاہمت کی بنیاد پر، ان مخصوص مسائل کی حد تک تعاون ہو سکتا ہے، مگر ایسی صورت میں جو مفاہمت بھی کی جائے وہ واضح بنیادوں پر ہونی چاہیئے اور اس امر کی تصریح ہونی چاہیئے کہ اشتراکِ عمل کس غرض کے لیے کس حد تک ہے۔

مولانا عبدالستار خان نیازی صاحب، — خاکسار

۲۲ جنوری ۶۳ء — ابوالاعلیٰ

۱۸

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ اگر کسی اجتماع میں فوٹو گرافر آپ سے آپ پہنچ جائیں اور خود ہی ہر کارروائی کے فوٹو لینے شروع کر دیں تو میں آخر کیا کروں۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہر جگہ ان لوگوں سے لڑائی دنگا کیا جائے۔ ایک جماعت کے لوگوں نے ان سے لڑائی دنگا کر کے بھی دیکھ لیا، حتّٰی کہ فوٹو گرافروں کے کیمرے تک چھینے اور ان سے ہاتھا پائی تک کی، مگر ان سب حضرات کے فوٹو اخبارات میں چھپتے آرہے ہیں اور اب انھوں نے بھی ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ اس فتنے کے زمانے میں ایک طرف آگے کا سیلاب ہمارے لیے عذاب بنا ہوا ہے اور دوسری طرف پیچھے سے آپ لوگ ہمیں تنگ کرتے ہیں۔ آئے دن اخبارات میں میرے فوٹو شائع ہو رہے ہیں اور ہر فوٹو کی اشاعت پر میرے پاس لوگوں کے خطوط آنے شروع ہو جاتے ہیں جن کا جواب دینے کے لیے بہت سے ضروری کاموں کا حرج کرنا پڑتا ہے۔ آخر اتنی بات لوگوں کی سمجھ

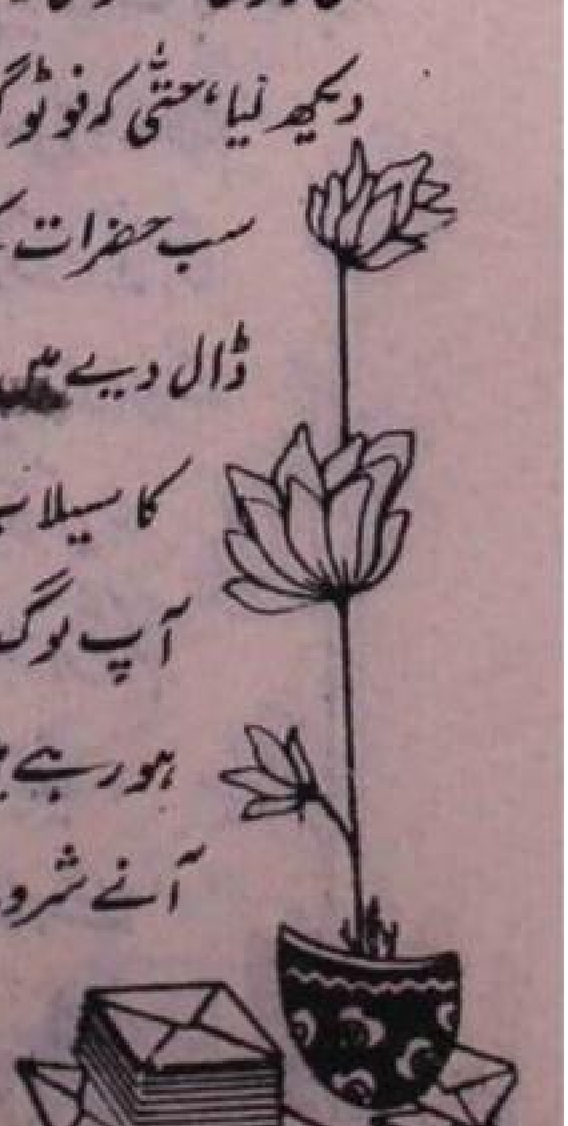

میں کیوں نہیں آتی کہ کسی جگہ پبلک اجتماع کا جب اعلان ہو تو وہاں کسی کو بھی آنے سے نہیں روکا جا سکتا۔ ایسی جگہ فوٹو گرافر بلا دعوت پہنچتے ہیں اور بلا اجازت اپنا کام کرتے ہیں۔ ہم ان سے لڑ جھگڑ کر بھی انھیں اس کام سے نہیں روک سکتے، بلکہ اس صورت میں انھیں اور زیادہ ضد ہو جاتی ہے۔

غلافِ کعبہ[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی چڑھایا جاتا تھا اور حضورؐ نے بھی چڑھایا ہے اور بعد میں تمام خلفاء کے زمانوں میں چڑھایا جاتا رہا ہے۔ اس کے جواز میں غالباً ابھی تک تو کسی نے کلام نہیں کیا۔ پہلی مرتبہ آپ ہی سے اس پر اعتراض سُن رہا ہوں۔ اکابر علماء نے مکہ معظمہ اور حرمین کی تاریخ پر جو کتابیں لکھی ہیں ان کو پہلے پڑھ لیجیے۔ یہ تو ایسا مسئلہ ہے کہ نجد کے انتہائی متشدد "وہابی" علماء نے بھی اس پر کبھی اعتراض نہیں کیا۔

بنام مولانا سعد الدین صاحب، مردان — خاکسار

مورخہ ۵ فروری ۶۳ء — ابوالاعلیٰ

۱۹

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ مسجد کی تعمیر کے لیے جو شخص چندہ دے اُسے قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں مگر اس کے کاروبار میں برکت کی دعا کرتے ہوئے یہ دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کاروبار جائز نوعیت کا ہے یا نہیں۔

سرکس کی آمدنی کے حلال و حرام ہونے کا فیصلہ کرنے کے لیے یہ تفصیل

[1] غلافِ کعبہ کے متعلق آگے خط نمبر ۲۱ سے نمبر ۲۵ تک پانچ خطوط شاملِ اشاعت ہیں۔ (مرتب)

معلوم ہونی چاہیئے کہ جس خاص شخص کے سرکس کا ذکر ہے اس کے ہاں کیا کیا کام ہوتے ہیں۔ اگر صریح حرام کام ہوتے ہوں تو اس صورت میں مسجد کے لیے اس کا روپیہ قبول کرنا مکروہ تو ضرور ہی ہے۔

بنام محمد سلیم صاحب، لانڈھی کراچی
مورخہ ۵، فروری ۶۳ ؁ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۲۰

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ یہ بات علماء میں قریب قریب مُتّفق علیہ ہے کہ اخبارِ آحاد سے احکام ثابت ہوتے ہیں، عقائد ثابت نہیں ہوتے۔ عقائد کے لیے قرآن مجید اور احادیث متواترہ سے ثبوت درکار ہوتا ہے۔ یہی بات میں نے اُس مقام پر لکھی ہے جس کا حوالہ آپ نے دیا ہے۔ فتنہ پرداز لوگ اگر جان بوجھ کر اس میں اعتراض کے پہلو نکالتے ہیں تو ان کو نکالنے دیجیے۔ میں کوئی بات خواہ کسی محتاط سے محتاط طریقے سے بھی لکھوں، اعتراض کی گنجائش نکالنے کے لیے جو شخص تُلا بیٹھا ہو وہ بہر حال اپنا مطلب نکال لے گا۔ ایسے لوگوں کا علاج یہ نہیں ہے کہ ان کے اعتراض دیکھ دیکھ کر آدمی اپنی عبارتیں بدلے۔ بلکہ ان کا علاج یہ ہے کہ آدمی اپنا کام کرتا چلا جائے اور انھیں باتیں بنانے دے۔

بنام محمد یعقوب صاحب ٹھل نو (جیکب آباد)
مورخہ ۵، فروری ۶۳ ؁ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۲۱

محترمی و مکرمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ سعودی سفارت خانے والوں نے اس بنا پر آپ کی پیشکش (Offer) کو قبول کرنے سے معذرت کی ہے کہ مسجدِ الحرام اور مسجدِ نبوی دونوں میں جتنے پنکھوں کی ضرورت تھی وہ پہلے ہی لگے ہوئے ہیں۔ اب کوئی جگہ خالی نہیں ہے جہاں پنکھوں کے لگانے کی ضرورت ہو۔ اس حالت میں آپ آخر حرمین ہی میں پنکھے بھیجنے پر کیوں اصرار کرتے ہیں۔ پاکستان میں بہت سی مساجد پنکھوں کی محتاج ہیں، ان میں لگوا دیجیے۔

بنام مینجنگ ڈائرکٹر اوکیشیا لمیٹڈ، لاہور — خاکسار

مورخہ ۵، فروری ۶۲ء — ابوالاعلیٰ

۲۲

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ اگر آپ اپنے حالات کے پیش نظر انگلستان جانا مفید سمجھتے ہیں تو وہاں جانے میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اب کم از کم لندن میں تو ایک آدمی اس طرح رہ سکتا ہے کہ اسے کسی حرام چیز کے استعمال کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ نیز آدمی وہاں جاکر اپنے قیام کو دین کے لیے مفید بھی بنا سکتا ہے۔

فن خواہ قانون کا ہو یا حساب کتاب کا بہر حال مفید بھی ہے اور اسلامی معاشرے کے لیے بھی اس کی ضرورت پیش آسکتی ہے

اب یہ آپ کے اپنے عزم پر منحصر ہے کہ کسی فن کو حاصل کر کے اس سے صرف جائز کام لیں اور ناجائز کام کے مواقع سے بچیں۔

بنام شمیم احمد صدیقی صاحب، پی اے ایف سرگودہا
مورخہ ۷، فروری ۶۳ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۲۳

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ جو اعتراضات آپ نے نقل کیے ہیں اس طرح کے اعتراضات کا جواب دینا ہم فضول سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کا تو کام ہی یہی ہے کہ اپنے گروہ کے ماسوا ہر دُوسرے شخص کو بے دین ثابت کریں۔ ہم ان کے دس اعتراضات کا جواب دیں گے تو وہ بیس اعتراضات اور نکال لائیں گے۔ اس لیے ان کا علاج یہی ہے کہ ان کی باتوں کی طرف توجہ ہی نہ کی جائے اور جن لوگوں کے دلوں میں کوئی شک پیدا ہو ان سے کہا جائے کہ جن عبارتوں کے یہ حوالے دیتے ہیں ان کو ہماری اصل کتابوں میں نکال کر خود دیکھ لیں۔ یا اگر آپ کے پاس کتابیں موجود ہوں تو آپ انھیں نکال کر دکھا دیں۔

بنام زندہ خان، شکر درہ ضلع کوہاٹ
مورخہ ۷، فروری ۶۳ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۲۴

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ غلافِ کعبہ کے بارے میں آپ کا نقطۂ نظر درست نہیں ہے۔ جن امور کا تعلق حج اور بیت اللہ سے ہے، قرآن نے انھیں شعائر اللہ قرار دیا ہے، ان کی تعظیم کا حکم دیا ہے، ان کے احترام کو علامتِ تقویٰ قرار دیا ہے اور ان کی بے حرمتی سے منع فرمایا ہے۔ کعبہ کو جانے والے قربانی کے اونٹ بلکہ ان کے گلے میں جو قلائد (جوتوں کے ہار) ہوتے تھے ان کے بھی احترام کا حکم دیا ہے، حالانکہ یہ ابھی حرم تک نہیں پہنچے ہوتے تھے۔ اس لیے آپ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ جو غلاف ابھی تک نہیں چڑھایا گیا ہے وہ کسی احترام کا مستحق نہیں۔ آخر یہ غلاف خدا کے گھر پر ہی تو چڑھانے کے لیے بنایا گیا ہے۔ اسی طرح آپ کی یہ بات بھی درست نہیں ہے کہ غلافِ کعبہ کے احترام کو آپ "پرستش" قرار دیتے ہیں۔ درحقیقت اس پر پرستش کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ تعظیم شعائر اللہ کی تعریف میں آتا ہے جسے خود قرآن میں قابلِ تعریف فعل قرار دیا گیا ہے۔

انشاء اللہ میں اس امر کی پوری کوشش کروں گا کہ یہ کام تعظیمِ شعائر اللہ کی حدود سے بڑھ کر پرستش تک نہ پہنچنے پائے۔ میں نے سعودی حکومت سے اپیل کرتے ہوئے غلاف کے "چومنے اور پوجنے" کا ذکر نہیں کیا ہے۔ صرف یہ کہا ہے کہ اسے گاڑی سے بھیجا جائے

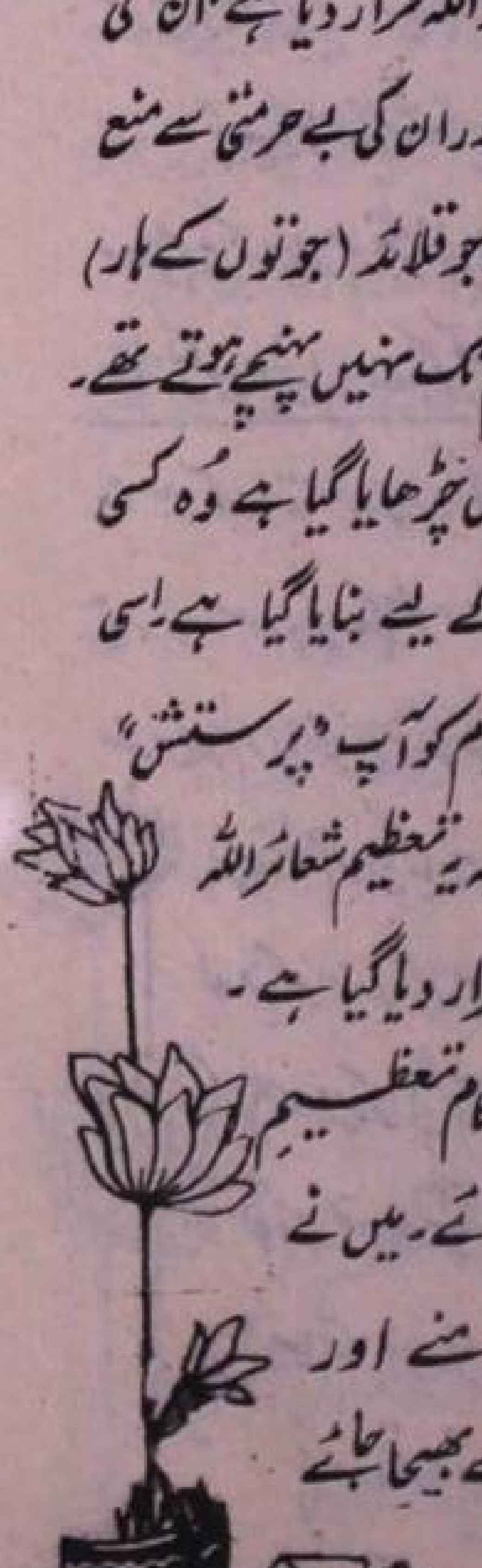

تاکہ ہر اسٹیشن پر آکر لوگ اس کی زیارت کرسکیں لہ

بنام کیپٹن محمد شریف خان شمس آباد کالونی ملتان — خاکسار

مورخہ ۶، فروری ۶۳ء — ابوالاعلیٰ

۲۵

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ ہماری کوئی کوشش سرے سے یہ تھی ہی نہیں کہ کسی کو یہ معلوم ہو کہ ہماری نگرانی میں یہ غلاف بن رہا ہے۔ بلکہ میں اس کی اشاعت کو سختی سے روک رہا تھا لیکن اخبارات کو کسی طرح اس کا علم ہوگیا اور انہوں نے یہ خبر شائع کردی۔ اس کے

لہ مصر کے ساتھ سعودی عرب کی کشیدگی کی وجہ سے یہ سعادت پاکستان کے حصے میں آئی کہ ۱۹۶۳ء میں غلاف کعبہ یہاں تیار ہوا۔ سعودی عرب کی حکومت نے اپنے خرچ پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی زیرِ نگرانی اور زیرِ انتظام یہ مقدس کام کرایا تھا۔ اس غلاف کی تیاری کے بعد لوگوں نے اصرار کیا کہ اس کی زیارت کا عوام کو موقع دیا جائے۔ چنانچہ اس کا انتظام کردیا گیا۔ اس پر ملک میں شور برپا کردیا گیا کہ یہ بدعت ہے، حالانکہ اس سے پہلے ۱۳۴۶ ہجری میں بھی غلافِ کعبہ ہندوستان میں تیار ہوا تھا اور امرتسر میں بابِ کعبہ کے پردے کی زیارت مولانا اسمٰعیل غزنوی کے مکان پر کرائی گئی تھی جس میں شریک ہونے کے لیے مولانا عبدالواحد غزنوی قصور سے تشریف لے گئے تھے۔

"۳ ذی القعدہ ۱۳۴۶ھ کے اخبار توحید امرتسر میں بیان کیا گیا تھا کہ دوپہر کے بعد سے عشاء تک زائرین کا تانتا بندھا ہوا تھا، ہزارہا مرد اور عورت اس عرصہ میں زیارت سے بہرہ اندوز ہوئے"۔ تعجب ہے کہ اُس وقت وہ زیارت کسی کو بدعت محسوس نہ ہوئی۔ (مرتب)

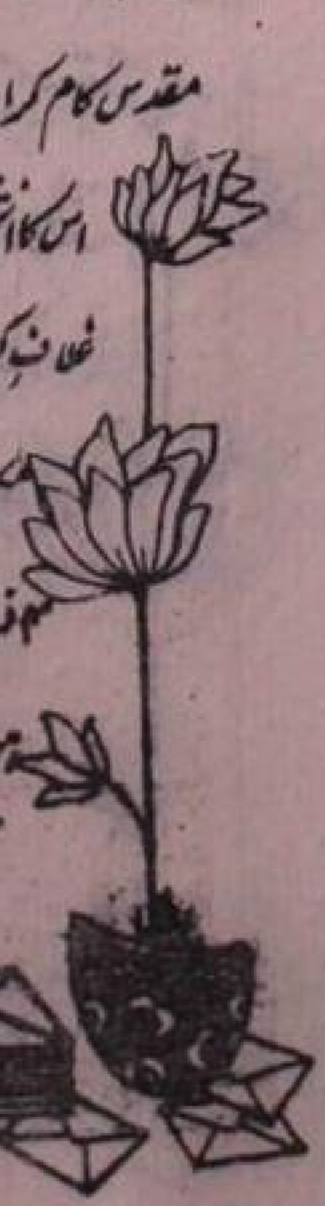

بعد اخبارات خود ہی اس کی ٹوہ لگاتے رہے اور طرح طرح کی اطلاعات شائع کرتے رہے۔ اس سے لوگوں کے اندر یک لخت خود ہی اسے دیکھنے کا بے پناہ شوق بھڑک اٹھا اور انھوں نے اس فیکٹری پر ہجوم کرنا شروع کر دیا جہاں غلاف کعبہ بن رہا تھا۔ مجبوراً اسے دکھانے کے لیے انتظامات کرنے پڑے ورنہ ہمارے لیے اور فیکٹری کے لیے کام کرنا محال ہو جاتا۔ یہ انتظام بھی اہلِ لاہور کے عام مطالبے پر کرنا پڑا کہ غلاف کو ایک جلوس کی شکل میں بھیجا جائے۔ اگر ہم خود انتظام ہاتھ میں لے کر اسے غلط راستے پر جانے سے نہ روک دیتے تو پھر غلاف جاتے وقت لوگوں کا مجمع خود بخود ایک غیر منظم جلوس کی شکل اختیار کر لیتا اور نہ معلوم کیسے کیسے منکرات کے ساتھ وہ نکلتا۔ فیکٹری پر ہر وقت ہزاروں آدمیوں کا ہجوم رہتا ہے جسے پولیس کنٹرول کر رہی ہے۔ عوام سے اب یہ بات چھپ ہی نہیں سکتی کہ غلاف کب روانہ ہو رہا ہے۔

بنام مولانا گوہر رحمان، مردان — خاکسار

مورخہ ۱۹ مارچ ۶۳ء — ابوالاعلیٰ

۲۶

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ غلاف کعبہ کے معاملہ میں مجھ پر اور جماعت اسلامی پر جو اعتراضات کیے جا رہے ہیں ان پر تفصیلی بحث[1] آئندہ ترجمان القرآن میں کر رہا ہوں۔ اچھا تو یہ ہوتا کہ آپ وہی بحث دیکھ لیتے، لیکن اگر آپ کو جلدی

[1] یہ بحث ترجمان القرآن اپریل ۶۳ء میں شائع ہو چکی ہے۔ (مرتب)

ہے تو میں مختصراً چند اشارات کیے دیتا ہوں ۔

سب سے پہلی بنیادی غلطی، جس پر اعتراضات کی عمارت قائم ہوئی ہے، یہ ہے کہ میرے متعلق یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ میں نے خود ابتداءً کر کے اس غلاف کی نمائش کا انتظام کیا اور جلوس کا پروگرام بنایا اور ٹرینوں پر اس کی نمائش کی اسکیم بنائی حالانکہ اصل واقعہ یہ نہیں ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ ہم غلاف کی تیاری کے انتظامات بالکل مخفی طور پر کر رہے تھے۔ اتفاقاً اخبارات کو اس کا پتہ لگ گیا اور ہمارے علم و اطلاع کے بغیر انھوں نے اس معاملہ کو اچھال دیا۔ عوام کو جب اس کی خبر ملی تو ان کے اندر غلاف سے دلچسپی اور اس کے دیکھنے کا شوق ایک ایسے طوفان کی طرح خود بخود اٹھنا شروع ہو گیا جس کی ہمیں ہرگز توقع نہ تھی ۔ اس صورت حال کو دیکھ کر میں نے یہ محسوس کیا کہ اس طوفان کو روک دینا ہمارے بس میں نہیں ہے ۔ اُس فیکٹری کا پتہ عوام کو اخبارات کے ذریعے معلوم ہو چکا تھا جہاں غلاف بن رہا تھا ۔ لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ اس پر لگنے شروع ہو گئے ۔ لوگ ہمارے روکنے کے باوجود کسی نہ کسی طرح فیکٹری سے غلاف کے تھان حاصل کر کے لے جا رہے تھے اور نہ صرف لاہور میں جگہ جگہ زیارتیں ہونے لگیں، بلکہ آئے دن ہمارے پاس اطلاعات آ رہی تھیں کہ آج غلاف فلاں شہر میں پہنچ گیا ہے اور وہاں اس کا جلوس نکلا، یا ہزارہا آدمیوں نے ان کی زیارت کی۔ ہمارے لیے کسی طرح ممکن نہیں تھا کہ ہم غلاف کے تھانوں کو خفیہ طور پر فیکٹری سے نکال کر چپکے سے کراچی یا مکہ مکرمہ بھیج دیتے۔

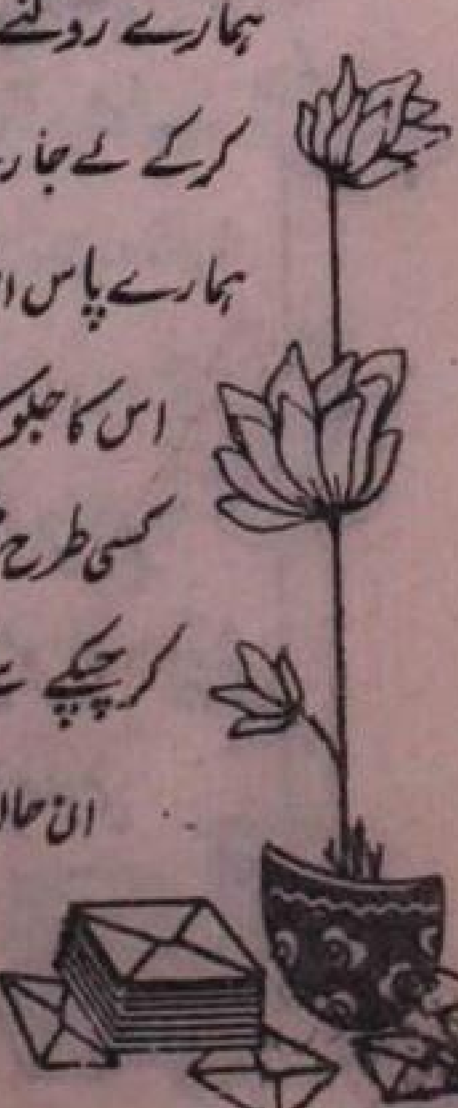

ان حالات میں ہم نے یہ رائے قائم کی کہ عوام کی اس فطری دلچسپی کو جو ہمارے یا کسی کے بھڑکائے سے نہیں بھڑکی ہے، بلکہ خود بخود بھڑک اٹھی ہے

غلط رخ پر جانے سے روکنے اور صحیح رُخ پر ڈال دینے کی کوشش ناگزیر ہے۔ اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو یہ دلچسپی ایسا راستہ اختیار کرلے گی جو شرعی اعتبار سے بہت زیادہ قابل اعتراض ہوگا۔ اس بنا پر ہم نے لاہور میں معززین شہر کی ایک کمیٹی بنائی تاکہ وہ منظم طریقے سے لوگوں کو غلاف دکھانے اور پھر باقاعدہ جلوس کی شکل میں اسے روانہ کرنے کا انتظام کرے۔ اس کے ساتھ ہم نے بیرونی شہروں کے لیے بھی اسپیشل ٹرینوں کا انتظام کیا، تاکہ بے قاعدہ طریقے سے غلاف کے تھانوں کے باہر جانے کا سلسلہ بند ہو۔ لاہور کی کمیٹی نے چار دن عورتوں کے لیے اور تین دن مردوں کے لیے نمائش کی خاطر مقرر کیے اور اس بات کا اہتمام کیا کہ عورتوں کی نمائش میں صرف تعلیم یافتہ خواتین اور مردوں کی نمائش میں منتخب مرد کارکن انتظامات کریں اور لوگوں کو مشرکانہ افعال سے روک کر ذکر اللہ اور درود شریف کی تلقین کریں۔ اسی طرح جو اسپیشل ٹرینیں باہر بھیجی گئیں ان کے ساتھ بھی چند کارکن بھیجے گئے اور انھیں یہ ہدایت کی گئی کہ ہر اسٹیشن پر پہنچتے ہی اللہ اکبر اور کلمہ طیبہ کا وِرد لاوڈ اسپیکر پر شروع کردیں تاکہ لوگ آپ سے آپ ذکرِ الٰہی کی طرف راغب ہوجائیں۔ نیز عورتوں اور مردوں کو غلاف دکھانے کے انتظامات بالکل الگ کریں۔ مجمعوں کو خلط ملط نہ ہونے دیں اور لوگوں کو غلاف کی حقیقت بتاکر ایسے افعال سے روکتے رہیں جو مشرکانہ ہوں۔ پھر غلاف کی روانگی کے وقت لاہور میں جلوس کا جو پروگرام بنایا گیا اس میں بھی یہ انتظام کیا گیا کہ اللہ کے ذکر کی اس طرح بھرمار کی جائے کہ دوسرا نعرہ بلند ہونے کی نوبت نہ آنے پائے۔ نیز بار بار یہ اعلان کیا گیا کہ عورتیں جلوس میں شامل نہ ہوں۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ یہ کوئی ایسا

پروگرام نہ تھا جو لوگوں میں دینی جذبہ پیدا کرنے کی خاطر ہم نے خود شروع کیا ہو۔ بلکہ دراصل یہ پروگرام ہم نے اس وقت بنایا جب لوگوں میں ایک جذبہ خود بخود بھڑک اٹھا تھا، اور اس پروگرام کے بنانے کی اصل غرض یہ تھی کہ اس جذبہ کے سیلاب کو منکرات کی طرف جانے سے روکنے اور ذکر اللہ کی طرف موڑنے کے لیے جو کچھ کیا جا سکتا ہے، کیا جائے۔ اگر ہم ایسا نہ کرتے تو یہ بہت زیادہ مکروہ راستہ اختیار کر لیتا اور کسی کے روکے نہ رکتا۔

اب میں مختصراً آپ کو یہ بھی بتاتا ہوں کہ اصل واقعات کیا پیش آئے ہیں، اور بعض مذہبی طبقے انھیں پیش کس شکل میں کر رہے ہیں۔

"ہور کا جلوس میں نے خود دیکھا ہے اور آخر وقت تک اس میں شریک رہا ہوں۔ ہوائی اڈے تک پہنچتے پہنچتے اس میں ۶-۷ لاکھ آدمی شامل ہو چکے تھے، اور آٹھ میل لمبا راستہ تھا۔ اس پورے جلوس کے راستے میں تمام سینماؤں اور دکانوں پر سے عورتوں کی فحش تصاویر یا تو ہٹا دی گئی تھیں یا چھپا دی گئی تھیں۔ ریڈیو پر گانوں کی آوازیں بند کر دی گئی تھیں۔ پورا جلوس لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر کے ذکر میں مشغول تھا۔ بعض گروہوں نے دوسرے نعرے بلند کرنے کی انتہائی کوششیں کیں، مگر دو چار مرتبہ ان کی پکار پر یہ نعرے لگ جاتے اور پھر سارا مجمع کلمہ طیبہ کے ورد میں لگ جاتا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ لوگ اس وقت کلمہ طیبہ کے سوا کچھ اور قبول کرنے کیلیے تیار نہیں ہیں۔ اتنے بڑے ہجوم میں ایک جیب نہیں کٹی۔ غنڈہ گردی کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ حد یہ ہے کہ پورے شہر پر اس روز نیکی کا اتنا غلبہ تھا کہ بعض لوگوں کی جوتیاں مال روڈ پر جلوس میں چھوٹ گئیں تھیں اور انھوں نے کئی گھنٹے کے بعد

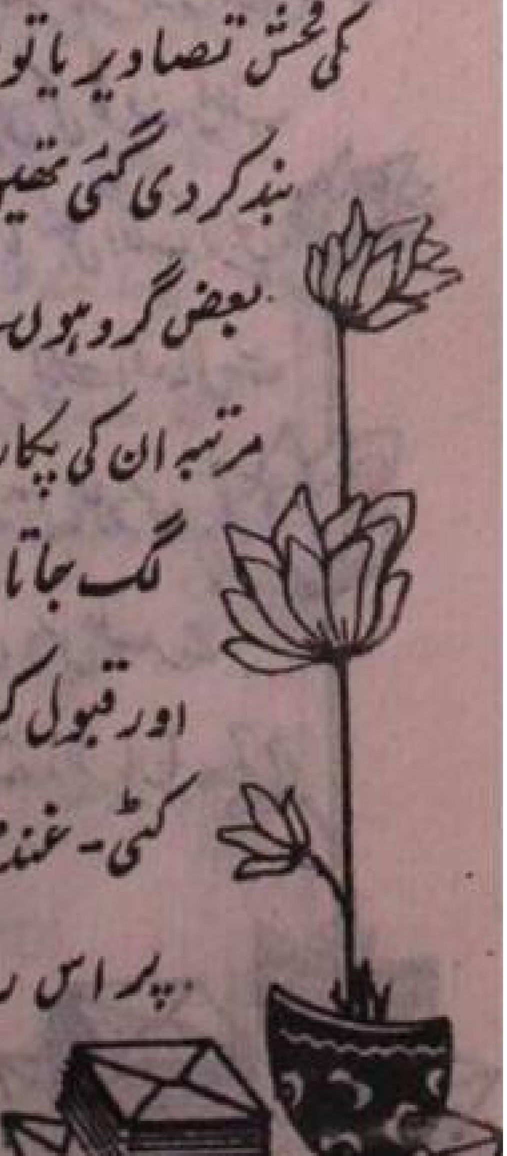

ہوائی اڈے سے واپس آ کر اپنی جوتیاں مال روڈ پر جوں کی توں پڑی پائیں۔ اتنی بڑی بھیڑ میں اگر کوئی مشرکانہ یا مُبتدِعانہ بات ہو گئی تو وہ ہمارے مولوی صاحبان کی گرفت میں آ گئی، حالانکہ جہاں لاکھوں آدمی شریک ہوں وہاں چند آدمیوں کو کوئی مشرکانہ بات کرنے سے کیسے روکا جا سکتا ہے۔ چلتے ہوئے مجمع میں سے اگر کچھ لوگ لپک کر غلاف کو چوم بیٹھے، یا چند لوگوں نے قابلِ اعتراض نعرے لگا دیے تو کیا صرف اس وجہ سے اس خیرِ عظیم پر پانی پھیر دیا جائیگا جو اُس روز اتنے بڑے پیمانے پر لاہور میں رونما ہوئی؟ یہ تو مکھی کا سا حال ہے کہ ساری پاک چیزوں کو چھوڑ کر وہ صرف گندگی ہی تلاش کرتی ہے اور کہیں ذرا سی چھینٹ بھی پا جائے تو اسی پر جا بیٹھتی ہے۔

جو اسپیشل ٹرینیں باہر بھیجی گئی تھیں ان کی مفصّل رپورٹ بھی میں نے لی ہے اور صرف جماعت ہی کے کارکنوں سے نہیں بلکہ سول ڈیفنس اور ریلوے سکاوٹس کے ان لوگوں سے بھی لی ہے جو ٹرینوں کے ساتھ گئے تھے۔ ان سب کا بیان ہے کہ جگہ جگہ ہزاروں بلکہ لاکھوں آدمی غلاف کو دیکھنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ ہر جگہ ذکرِ الٰہی ہی غالب رہا اور بہت کم دوسرے نعرے لگ سکے۔ ہر جگہ عورتوں اور مردوں کے مجمعے الگ رہے اور بہت کم مقامات پر ہجوم کی کثرت کے باعث ان کے خلط ملط ہونے کی نوبت آئی۔ ہر جگہ سکون سے زیارت ہوئی اور بہت کم مقامات پر حادثات پیش آئے جن کی وجہ کسی کی غفلت نہ تھی بلکہ اژدحام کی شدت تھی۔ عورتیں کثرت سے آئیں، مگر شاذ و نادر ہی کہیں یہ واقعہ پیش آیا کہ کسی نے ان کو چھیڑا ہو۔ اتنے بڑے بڑے مجمعوں میں

کسی کی جیب کٹنے کا کوئی واقعہ سُننے میں نہیں آیا۔ عوام کو بڑے پیمانے پر نیکی اور بھلائی کی تلقین کی گئی اور انھیں غلاف کی زیارت کے حدود سمجھائے گئے۔ عموماً لوگوں نے ان حدود کا لحاظ رکھا اور زیادہ تر لوگ یہی دعائیں مانگتے دیکھے گئے کہ خدایا جس گھر کا غلاف تو نے دکھایا ہے اس گھر کی زیارت کی بھی توفیق عطا فرما۔ اب اگر کہیں ان ہزاروں لاکھوں آدمیوں میں سے کوئی شخص غلاف کو یا ٹرین کو چوم بیٹھا، یا کسی نے ٹرین کے انجن کو انجن شریف کہہ دیا، یا کارکنوں کے منع کرنے کے باوجود لوگوں نے غلاف کی ٹرین میں پیسے پھینک دیے، یا ہجوم کی کثرت کے باعث کہیں عورتوں اور مردوں کو خلط ملط ہونے سے نہ روکا جا سکا، تو بس یہ چند واقعات ہمارے "دینداروں" نے اعتراض جڑنے کیلیے چن لیے اور اُس ساری خیر کو نظر انداز کر دیا جو اس کام میں غالب پائی جاتی تھی۔

پھر ان حضرات نے محض کیڑے چننے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ جہاں کیڑے نہ تھے وہاں اپنی طرف سے کیڑے ڈالنے میں بھی تأمّل نہ فرمایا۔ مثلاً لاہور میں ہمارے علم و اجازت کے بغیر "قصورہ پورے" کے لوگوں نے (جن کے محلّہ میں غلاف تیار کرنے والی فیکٹری تھی) بطور خود غلاف کا جلوس نکال ڈالا اور اسے لے کر بادشاہی مسجد پہنچے جہاں انتظامیہ کمیٹی کی طرف سے غلاف کی نمائش کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس جلوس کے متعلق بڑے بڑے دیندار حضرات نے یہ الزام لگایا ہے کہ اس میں آگے بینڈ بج رہا تھا اور مزید الزام یہ بھی لگا دیا کہ اس جلوس نے غلاف کو لے کر حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر چڑھایا۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں قطعی جھوٹ ہیں۔ غالباً واقعہ یہ ہے کہ

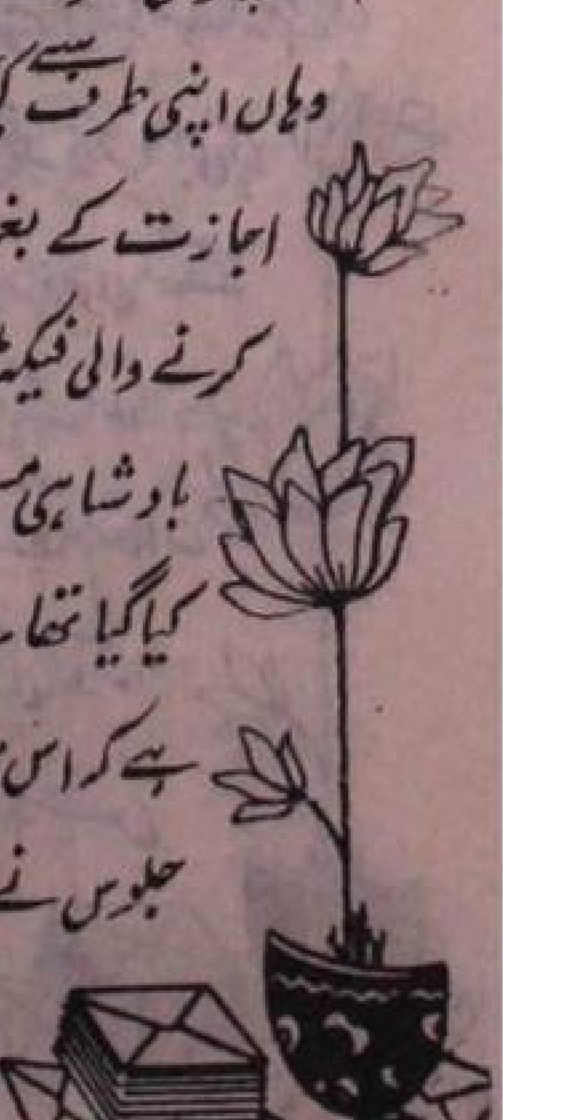

جب یہ جلوس راستے سے گزر رہا تھا تو اتفاق سے ایک برات بھی آگئی جس کے ساتھ بینڈ تھا، یہ بات مجھ سے خلیل حامدی صاحب نے بیان کی تھی مگر ابھی ابھی یعقوب انصاری صاحب (جنھوں نے غلاف تیار کیا ہے) میرے پاس آئے اور میں نے اُن سے یہ معاملہ دریافت کیا، کیونکہ وُہ خود اس جلوس میں موجود تھے، انھوں نے کہا کہ اس واقعہ کی سرے سے کوئی اصلیت ہی نہیں ہے۔ جلوس صرف اس بازار سے گزرا جس میں حضرت ہجویریؒ کا مزار واقع ہے۔ اور اس جلوس کی ذمہ داری سے ہمارا کوئی تعلق نہ تھا بلکہ یہ ہمارے منع کرنے کے باوجود نکلا تھا اور ہم اس لیے نہ روک سکتے تھے کہ جس محلہ میں فیکٹری واقع تھی اس کے باشندوں سے بچا کر غلاف کو نکالنا کسی طرح ممکن نہ تھا۔

ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ ان حضرات کو سارا غم صرف اُس غلاف کا ہے جو لاہور میں تیار ہوا ہے۔ کراچی کے غلاف کی کراچی میں بھی نمائش ہوئی اور ٹرینوں میں بھی گیا، مگر اس کا کوئی ماتم ان حلقوں میں نہ سُنا گیا۔ بلکہ جو باتیں اس غلاف کے ساتھ ہوئیں ان کی بھی ساری کا ذمہ داری مجھ پر اور جماعت اسلامی پر ڈال دی گئی۔

یہ باتیں تو خیر ان معاملات سے متعلق ہیں جو ظاہر میں نظر آتی ہیں۔ لیکن ہمارے ان دینداروں کی نگاہ تو ماشاءاللہ باطن تک جا پہنچی ہے۔ انھیں یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ میں نے غلافِ کعبہ کی نمائش کا سارا اہتمام صرف اس نیت سے کیا تھا کہ میری شہرت ہو اور اس کا سیاسی فائدہ اٹھاؤں اور اس کے ذریعہ سے آئندہ انتخابات میں کامیابی حاصل کر لوں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ میری یہ نیت ان پر کیسے منکشف ہوئی۔

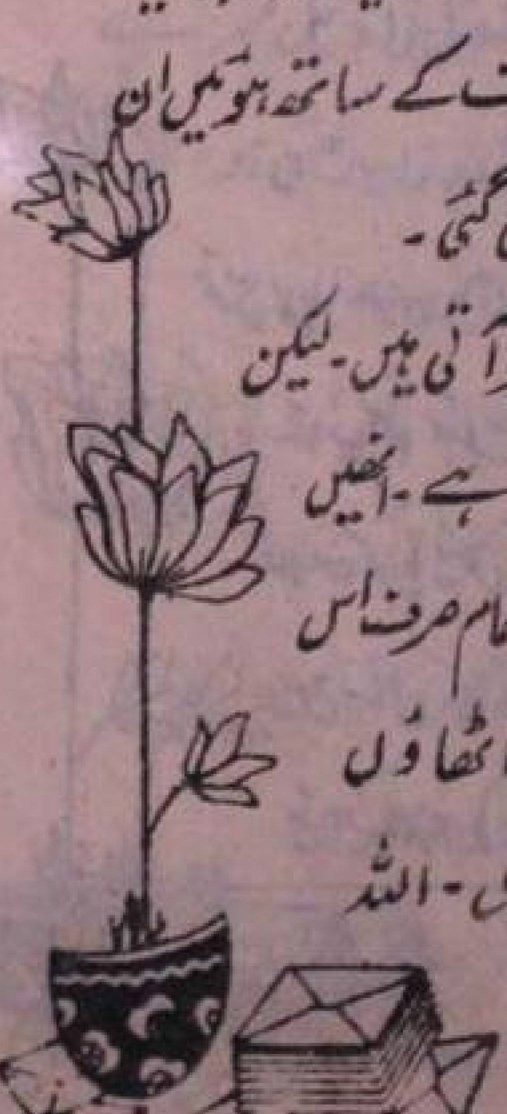

اگر انھیں علیمٌ بِذاتِ الصُّدُور ہونے کا دعویٰ ہے تو یہ اُس شرک و بدعت سے اشد چیز ہے جس پر وہ گرفت کر رہے ہیں۔ اور اگر انھوں نے میری طرف یہ نیت قیاس و گمان کی بنا پر منسوب کی ہے تو شاید انھیں قرآن و حدیث میں صرف شرک و بدعت ہی کی برائی ملی ہوگی بہتان و افترا کے متعلق احکام ان کی نگاہ سے نہ گزرے ہوں گے۔

آخری بات قابلِ ذکر یہ ہے کہ میرے پیشِ نظر غلافِ کعبہ کی زیارت اور اس کے جلوس کو کوئی مستقل رسم بنانا ہرگز نہیں ہے۔ جو کچھ کیا گیا وہ مجبوراً ان حالات کی بنا پر بضرورت کیا گیا جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ آئندہ اگر پاکستان میں میرے ذریعہ سے غلاف بننے کی نوبت آئی تو میں اسے حتی الامکان خاموشی کے ساتھ بنوانے کی کوشش کروں گا۔ لیکن آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جو کام تنہا مجھے نہیں کرنا بلکہ بہت سے کاریگروں سے کروانا ہو اس کا مخفی رہنا بہت مشکل ہے۔ل

بنام ماہر القادری صاحب، کراچی

۶ر اپریل ۱۹۶۳ء

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۲۷

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ یہ بات بالکل غلط ہے کہ سعودی حکومت نے اس غلاف کو بالکل قبول نہیں کیا جو یہاں میرے انتظام میں بنا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس سال کے حج میں جو غلاف چڑھایا گیا ہے اس میں زیادہ تر وہی کپڑا استعمال ہوا ہے جو لاہور میں بنا تھا اور کچھ تھان ہندوستان کے بنے ہوئے بھی اس

ل "غلافِ کعبہ کی نمائش اور اس کا جلوس" کے زیرِ عنوان رسائل و مسائل حصہ چہارم میں بھی ایک سوال و جواب موجود ہے۔ "غلافِ کعبہ کی تاریخ اور اس کی شرعی حیثیت" کے نام سے مولانا

کے ساتھ لگائے گئے ہیں۔ میں نے خود سعودی حکومت کے وزیر حج کے ساتھ غلاف کے کارخانے میں جا کے دیکھا ہے کہ یہی تھان اس میں جوڑے جا رہے تھے۔ اب آخر اس جھوٹ کا کوئی کیا علاج کر سکتا ہے کہ گھر بیٹھے یہ لوگ غلاف کے رد کر دیے جانے کا افسانہ تراش رہے ہیں اور اسے پھیلا رہے ہیں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

بنام پیر محمد ابا عمر، بمبئی بازار، کراچی

۲۷، جون ۱۹۶۳ء

۲۸

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ غلافِ کعبہ کے سلسلے میں جو کچھ میں نے کہا ہے اس کے متعلق پوری تفصیل کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر ترجمان القرآن (بابت ماہ مارچ ۶۳ء) میں بیان کر چکا ہوں۔ میرا نقطۂ نظر آج بھی وہی ہے اور اب تک کوئی دلیل میرے سامنے ایسی نہیں آئی جو اس نقطۂ نظر میں تبدیلی کے لیے کافی وزن رکھتی ہو۔ رہے لوگوں کے اعتراضات تو وہ سب میرے علم میں ہیں اور میں نے ان پر اچھی طرح غور کیا ہے۔ ان میں سے بیشتر کسی نیک جذبہ پر مبنی نہ تھے، اور جو کم تر ایسے تھے جن کا محرک نیک جذبہ تھا، انھوں نے اس پورے معاملہ کو اچھی طرح نہیں سمجھا۔ بہرحال آپ یقین رکھیں کہ میں اعتراض کرنے والوں کے نقطۂ نظر کو غلط سمجھتا ہوں اور محض وقار کی خاطر کسی مداہنت کے لیے تیار نہیں ہوں۔ البتہ اگر کوئی معقول دلیل

(بقیہ صفحہ ۵۶) کا پمفلٹ بھی شائع ہو چکا ہے۔ (مرتب)

مجھے اس بات پر مطمئن کر دے کہ وُہ فعل واقعی غلط تھا تو میں علیٰ الاعلان اسے غلط ماننے میں ہرگز تامّل نہ کروں گا۔

ڈاڑھی کے معاملہ میں ہمارے مذہبی طبقے جو تشدُّد برت رہے ہیں وہ اس ملک میں دینی تحریک کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ بن گیا ہے۔ اس تشدّد کو اگر میں قبول کر لوں تو مولوی طبقہ بالکل خاموش ہو جائے گا مگر جدید تعلیم یافتہ طبقے سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اگر یہ تشدّد فی الواقع شرعی احکام پر مبنی ہوتا تو مجھے اس کو قبول اور اختیار کرنے میں ہرگز تامل نہ ہوتا۔ خواہ یہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ سو فی صدی ہی کیوں نہ باغی ہو جاتا۔ لیکن کسی دلیل سے بھی یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ اور اس کے رسول نے یک مشت ڈاڑھی رکھنے کو واجب قرار دیا ہے۔ اس مقدار کے وجوب پر علماء کا اِجماع بھی نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ بس علماء کی اکثریت کا استنباط ہے۔ کیا واقعی دین میں اس کی یہی حیثیت ہے کہ ہم اس کو اولین حیثیت دیں اور ہر اس شخص کو رد کرتے چلے جائیں جو یک مشت ڈاڑھی نہ رکھے؟

خاکسار

ابوالاعلیٰ

بنام فیض اللہ فیض صاحب ڈاڈر (ہزارہ)

مورخہ ۸، اکتوبر ۶۳ء

۲۹

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ مرزائیوں نے مباہلہ کو ایک کھیل بنا دیا ہے اور بعض مسلمان بھی ان کی تقلید میں مباہلوں کے چیلنج دینا

شروع کر دیتے ہیں، حالانکہ مسائل کے حل کا یہ کوئی مقرر طریقہ نہیں ہے جو ہمیشہ برتنے کے لیے ہو، بلکہ صرف ایک خاص موقع پر نجرانی عیسائیوں کے وفد کو مباہلے کی دعوت دینے کا حکم اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ اس وفد کے لوگ دل میں حضورؐ کی صداقت کے قائل ہو گئے ہیں مگر اپنی ناک کی خاطر کفر پر اصرار کر رہے ہیں۔

بنام مولانا منظور احمد صاحب، چنیوٹ
مورخہ ۱۱، فروری ۶۳ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۳۰

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ اس معاملہ میں آپ تفہیم القرآن کی تینوں جلدوں کے انڈکسوں کی مدد سے وہ تمام مقامات نکال لیں جہاں قصہ آدم علیہ السلام بیان ہوا ہے اور ان پر میرے حواشی بھی بغور ملاحظہ فرمالیں۔ امید ہے کہ آپ کا پورا اطمینان ہو جائیگا۔

جنت سے حضرت آدمؑ کا نکلنا تو اُس اسکیم کے مطابق تھا جس کے تحت حضرت آدمؑ پیدا کیے گئے تھے، مگر جس امتحان کے بعد حضرت آدمؑ کا یہ اخراج ہوا اور اس میں شیطان نے جو رول ادا کیا اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ شیطان نہیں چاہتا کہ انسان جنت کا مستحق بنے۔ پہلے بھی جب انسان کو جنت میں رکھا گیا تو شیطان نے کوشش کی کہ وہ یہاں سے نکالا جائے، اور اب بھی وہ اس کوشش میں ہے کہ انسان اس میں نہ جانے

پلائے۔ یہی بات ہے جو سورۂ اعراف میں فرمائی گئی ہے۔

بنام محمد انوار الحق صاحب، نیو ٹاؤن کراچی

مورخہ ۱۴، فروری ۶۳ء

خاکسار

ابو الاعلیٰ

۳۱

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ آپ کی یہ بات درست ہے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے مگر اللہ تعالیٰ ہی کی یہ بھی مرضی ہے کہ انسان اپنی معاش اور اپنی ضروریات کے لیے تمام ممکن مگر جائز تدابیر اختیار کرے اور اپنی طرف سے کوشش کرنے میں دریغ نہ کرے۔ جو کوشش جائز نوعیت کی ہو اس کے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ البتہ ناجائز تدابیر سے کامل پرہیز کرنا چاہیے۔ اپنی روزی کے لیے کسی دوسرے انسان سے مدد لینا بجائے خود جائز ہے۔ البتہ اگر یہ مدد کسی ناجائز شرط کے ساتھ مشروط ہو یا اس مدد کے حاصل کرنے سے کسی وقت بُرا نتیجہ نکلنے کا اندیشہ ہو تو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

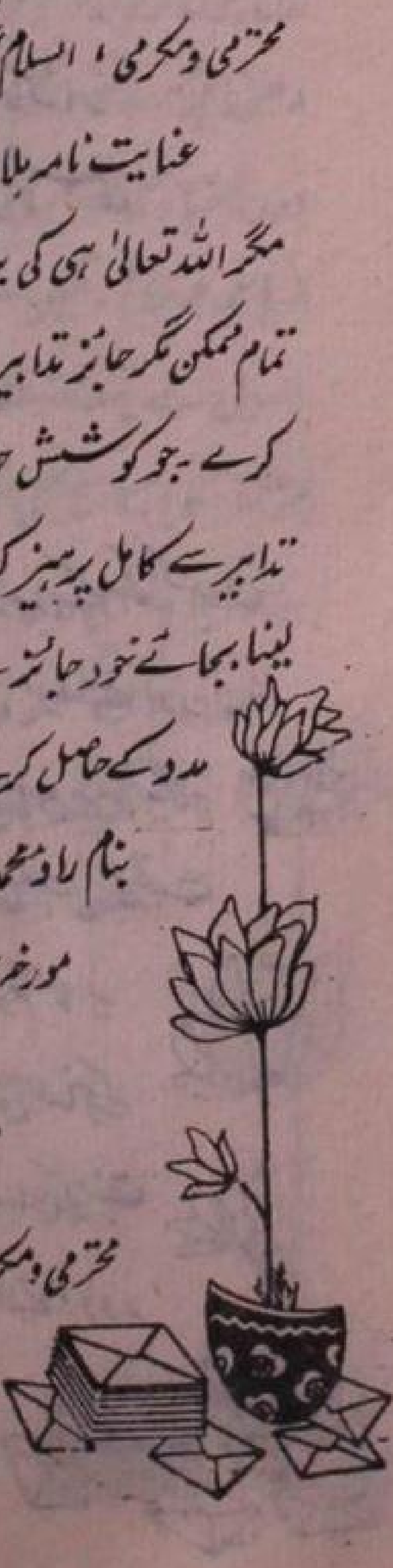

بنام راؤ محمد اشفاق، بیرسٹرایٹ لا، لاہور

مورخہ ۱۴، فروری ۶۳ء

خاکسار

ابو الاعلیٰ

۳۲

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ آپ نے اپنے پانچ سوالات میں جو تفصیلات

مجھ سے دریافت کی ہیں ان کو پڑھتے وقت مجھے ایسا محسوس ہوا کہ آپ کے نزدیک گویا انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے کا کام مجھے کرنا ہے اور اس سلسلے کے جملہ علمی مسائل بھی مجھ کو حل کرنے ہیں۔ حالانکہ میں صرف اس عقیدۂ آخرت کی تشریح کرنے والا ہوں جو قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ انسان اسی جسم کے ساتھ دوبارہ اٹھایا جائے گا جس میں رہ کر اس نے دنیا میں کام کیا ہے اور آخرت میں اس جسم کے اعضا اس کے اعمال پر گواہی دیں گے۔ اسی چیز کو میں نے بیان کیا ہے۔ یہ مضمون اگر مجمل رہے تو اس کو سمجھنے میں کوئی زحمت پیش نہیں آتی۔ لیکن اگر آدمی چاہے کہ اس کی تفصیلات بھی جان لے تو لامحالہ ایسے ایسے سوالات پیدا ہوں گے جنہیں انسانی علم حل نہیں کر سکتا۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

بنام رشید احمد صاحب جھمرہ کراچی

مورخہ ۱۶، فروری ۶۳ء

۳۳

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ مجھے اس سے پہلے آپ کی بیماری کا سرے سے علم ہی نہیں ہوا۔ اب آپ کا خط مورخہ ۲۱، فروری ملا تو معلوم ہوا کہ آپ چالیس دن ہسپتال میں رہ کر آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو تندرستی عطا فرمائے۔ مرکزی وزارت میں آپ کی شمولیت کا کوئی فائدہ مجھے نظر نہیں آیا۔ حقیقت میں وزارت وہ ہوتی ہے جس کی پشت پر

پارلیمنٹ میں ایک پارٹی کی طاقت ہو اور اس کی طاقت کی بنا پر ایک وزیر اپنی پالیسی اپنی مرضی کے مطابق، یا بالفاظِ صحیح اس پارٹی کی ہدایات (Mandate) کے مطابق بنا سکے۔ لیکن جہاں یہ صورت نہ ہو وہاں وزارت ایک طرح کی نوکری ہے جس میں آپ دُوسروں کی بنائی ہوئی پالیسی کو چلانے اور اس کی حمایت (Defend) کرنے کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔ ایسی ملازمت کوئی ایسا شخص قبول نہیں کر سکتا جو اپنے کچھ اصول رکھتا ہو اور جسے ملک میں اپنی کچھ آبرو بھی برقرار رکھنی ہو۔

بنام مسٹر اختر الدین احمد بیرسٹر ایٹ لا، ڈھاکہ — خاکسار

مورخہ ۲۸، فروری ۶۳ — ابوالاعلیٰ

۳۴

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ افسوس ہے کہ یہ حالت ایک ہی روزنامے کی نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی عام زندگی میں اسلام اور جاہلیت کی یہ آمیزش ہر طرف نظر آ رہی ہے۔ ان حالات میں کسی کے خلاف فتویٰ لے کر اس کی مذمت کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلامی ثقافت کی جو تھوڑی بہت حمایت اخبارات کر رہے ہیں وہ اس سے بھی باز آجائیں گے اور ہر طرف جاہلیت کا کھلا پرچار کرنے والے ہی باقی رہ جائیں گے۔ اس لیے فتویٰ لینے کے بجائے اسلام کے حقیقی دردمند لوگوں کو کوشش کرنی چاہیے کہ جاہلیت اور اس کی تہذیب کے خلاف مسلسل اور پیہم جدوجہد کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ مسلم معاشرے

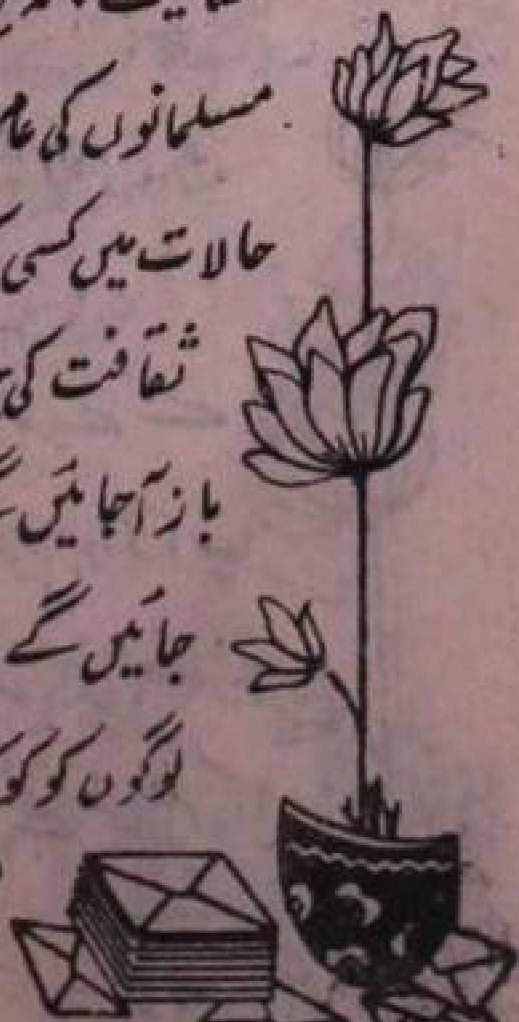

میں اس گندی تہذیب کے مظاہر پیش کرتے ہوئے ہر شخص کو شرم آنے لگے۔

بنام ملک حنیف وجدانی صاحب، مری — خاکسار

مورخہ ۲۸، فروری ۶۲ء — ابوالاعلیٰ

۳۵

محترمی ومکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ انسان جب تک انسان ہے بشری کمزوریاں اس کے ساتھ لگی ہوئی ہیں۔ بندے کا کام یہ ہے کہ حتی الامکان بندگی کی پوری کوشش کرے اور اس کے باوجود جو کوتاہیاں اس کے عمل میں رہ جائیں ان پر شرمسار ہو اور اللہ تعالیٰ سے درگزر کی درخواست کرتا رہے۔ جو شخص بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کر وہ مکمل معیاری انسان ہے وہی دراصل ناقص انسان ہے۔

بنام محمود حسین خان، ناظم آباد کراچی — خاکسار

مورخہ ۴، مارچ ۶۳ء — ابوالاعلیٰ

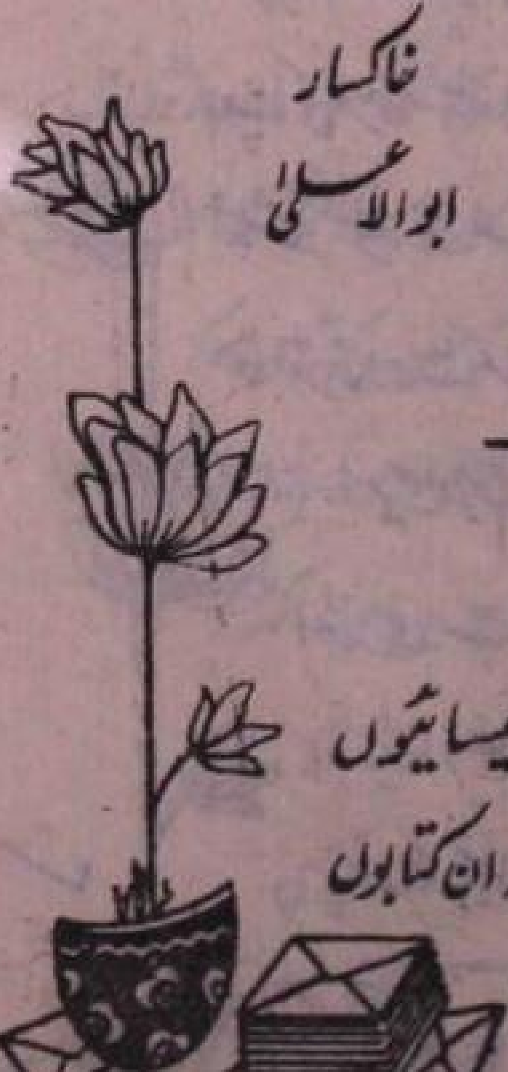

۳۶

محترمی ومکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ توریت و انجیل کی جو تاریخیں خود عیسائیوں نے لکھی ہیں، انھیں آپ پڑھیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کتابوں میں تحریف کے تو وہ خود معترف ہیں۔ اور کچھ نہیں تو صرف

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں "بائیبل" پر مضمون پڑھیے۔ رہی یہ بات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشنگوئیاں ان کے اندر کیسے باقی رہ گئیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان پیشنگوئیوں میں بھی وہ تحریف کی مسلسل کوشش کرتے رہے ہیں۔ بائیبل کے جو ترجمے خود اردو زبان میں شائع ہوئے ہیں ان کے مختلف ایڈیشن اگر آپ جمع کریں تو دیکھیں گے کہ پچھلے ساٹھ ستر سال کے دوران میں وہ ترجموں کے اندر مسلسل تغیرات کرتے رہے ہیں۔

بنام ڈاکٹر عباس علی شاہ نظامی، میرپور خاص — خاکسار

مورخہ ۵ مارچ ۶۲ء — ابوالاعلیٰ

۳۷

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا ارسال کردہ شہد ملا۔ آپ کی اس پیہم نوازش کے لیے بہت شکر گزار ہوں کہ آپ کی طرف سے یہ ہدیۂ شیریں ہمیشہ پہنچتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت میں چشمۂ عسل سے سرفراز فرمائے۔ آپ جب تشریف لائیں گے، ظروف بلا مظروف حاضرِ خدمت کر دیے جائیں گے۔

یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ ابھی تک آپ کی پریشانیوں کا خاتمہ نہیں ہو سکا۔ اللہ ہی سے امید ہے کہ وہ آخر کار ان حالات کو بدل دے گا۔ وما ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ۔

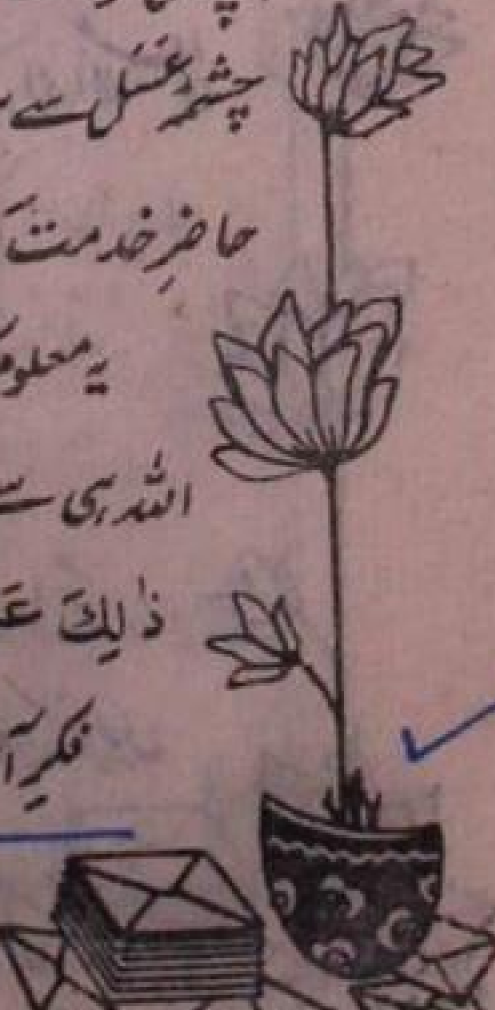

فکرِ آخرت پیدا کرنے کی ایک ہی سبیل میرے علم میں ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی ہمیشہ قرآن کی تلاوت کا التزام کرے۔ قرآن سے بڑھ کر آخرت کو

یاد دلانے والی اور دُنیا پر ترجیحِ آخرت کی اہمیت ذہن نشین کرانے والی کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔

بنام مظفر خان صاحب مظفر آباد آزاد کشمیر — خاکسار

مورخہ ۹ مارچ ٦۳ء — ابوالاعلیٰ

۳۸

محترمی و مکرمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ خالقِ کائنات کا اگر کوئی خالق ہو تو پھر وہی خالقِ کائنات ہوگا اور اس کا بھی کوئی خالق ہو تو پھر اسی کو خالقِ کائنات ماننا پڑے گا۔ اس سوال کو اگر آپ کے دوست لامتناہی حد تک چلانا چاہیں تو ساری عمر چلاتے رہیں۔ ورنہ جہاں بھی جاکر بیٹھیں گے وہیں لازماً ایک ہی ہستی خالقِ کائنات قرار پائے گی۔ رہا یہ کہنا کہ خالق کے بغیر کوئی فطرت (Nature) خود بن گئی ہے اور وہی اس باقاعدگی کے ساتھ اور ایسی ایسی حکمتوں کے ساتھ اس عظیم کائنات کا نظام چلا رہی ہے، تو جو شخص اتنی نامعقول بات کو مان سکتا ہے وہ جب کہتا ہے کہ کائنات کے ایک عظیم صانع اور مدبر کا تصور مجھے غیر معقول معلوم ہوتا ہے تو یقین نہیں آتا کہ ایسا شخص فی الواقع عقل و دانش کی بنا پر یہ بات کہہ رہا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ عقل کی تو اسے ہوا بھی نہیں لگی ہے۔ دراصل اس کی خواہش یہ ہے کہ خدا کو نہ مانا جائے تاکہ دُنیا میں اسے حیوانات کی سی آزادی حاصل رہے۔

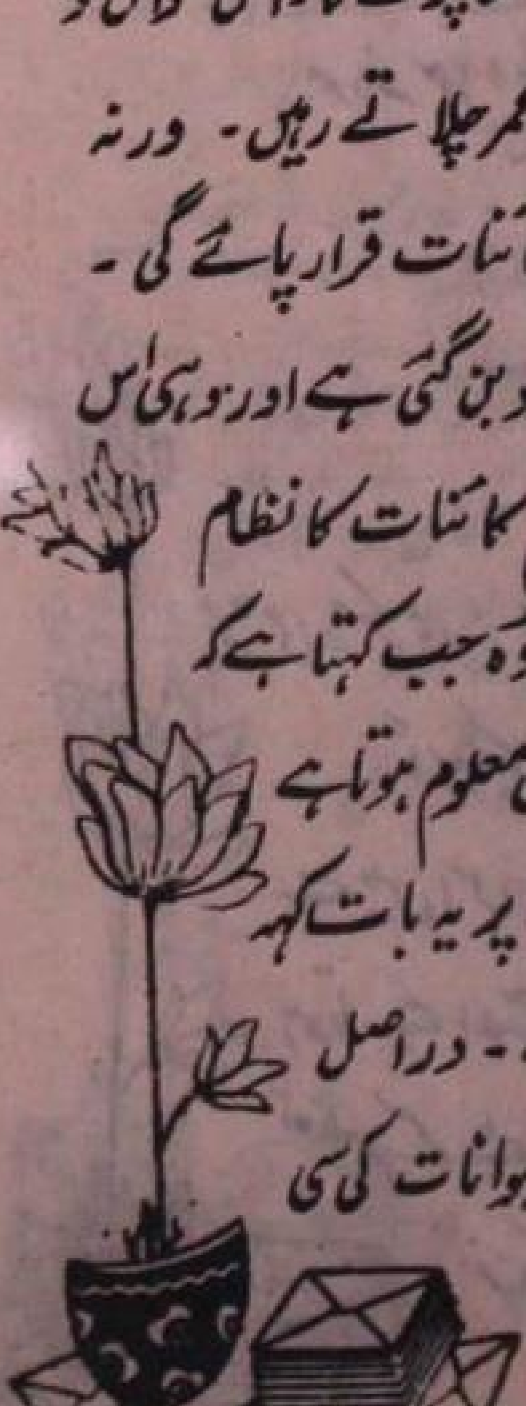

جو صاحب اسلام کے اصولوں کو محض اس دلیل سے غلط قرار دیتے ہیں کہ بکثرت لوگوں کو ان میں کشش محسوس نہیں ہوتی اور وہ ان کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ان سے پوچھیے کہ حفظانِ صحت کے قوانین صحیح ہیں یا نہیں؟ اگر صحیح ہیں تو اس کی وجہ کیا ہے کہ اکثر لوگ ان کی خلاف ورزی کرکے اپنی صحت خراب کر لیتے ہیں؟ ان میں اتنی کشش کیوں نہیں ہے کہ اکثر انسان ان کی پابندی کریں اور کم ہی ان کی خلاف ورزی کرکے اپنی صحت بگاڑیں؟ کیا انسانوں کا بالعموم حفظانِ صحت کے اصولوں کی پابندی ملحوظ نہ رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اصول صحیح نہیں ہیں؟ کیا واقعی عقل اور تجربے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انسان لازماً ہمیشہ صحیح فیصلے ہی کرتے ہیں اور ان کا طرزِ عمل ہی حق و باطل کا معیار ہے؟

خاکسار
ابوالاعلیٰ

بنام عبداللطیف شیخ، سول لائن گوجرانوالہ
مورخہ ۱۴، مارچ ۶۳ء

٣٩

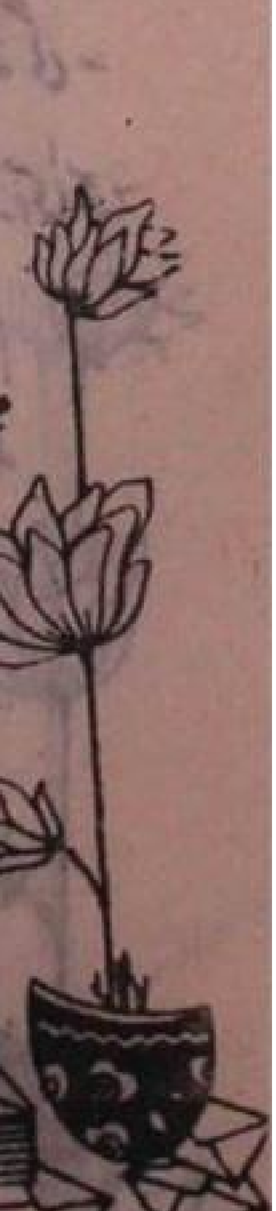

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آنحضورؐ کے لیے لفظ 'حضرت' کے استعمال سے میں اس لیے پرہیز کرتا ہوں کہ یہ سب بزرگوں کے لیے عام طور پر استعمال ہوتا ہے اور حضورؐ کی شان اس سے برتر ہے کہ اس عام لفظ کو آپؐ کی تعظیم کے لیے بھی استعمال کیا جائے۔ البتہ 'آنحضرتؐ' کا استعمال میرے نزدیک صحیح ہے، کیونکہ حضورؐ کے ذکر میں اس لفظ کا

استعمال معروف ہے۔

بنام محمد اکبر قریشی۔ لیاقت آباد (ضلع میانوالی) خاکسار

مورخہ ۱۹، مارچ ۶۳ء ابوالاعلیٰ

(۴۰)

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمتہ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ حضرت علیؓ کے جنگ قادسیہ میں شریک نہ ہونے کی وجہ جب نہ انھوں نے خود بتائی اور نہ اُس زمانے کے کسی اور شخص نے، تو آخر آج ہم محض قیاس سے کوئی وجہ کیوں تصنیف کریں؟ ہمیں بس یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس کی کوئی معقول وجہ ہو گی ورنہ نہ تو حضرت علیؓ جہاد سے منہ موڑنے والے تھے اور نہ خلفائے وقت کے ساتھ انھوں نے کبھی عدم تعاون کی روش اختیار کی۔

عیسائی عورت عیسائی رہتے ہوئے مسلمان کے نکاح میں آ سکتی ہے مگر اس معاملہ میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے۔ وہ نہ کمانے پینے میں حلال و حرام کا لحاظ رکھے گی اور نہ اس کی تربیت میں مسلمان کی اولاد مسلمان رہ سکے گی۔

بنام محمود ملک۔ ہلی فیکس، یارکس (Yorks) خاکسار

(انگلینڈ) مورخہ ۱۹، مارچ ۶۳ء ابوالاعلیٰ

(۴۱)

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمتہ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آپ کی نگاہ اگر پچھلے بارہ تیرہ

سو سال کے فقہی لٹریچر پر ہوتی تو آپ دیکھتے کہ جن لوگوں نے بھی فقہی مسائل پر کلام کیا ہے انھوں نے بالعموم مختلف مسالک کو بیان کر کے ایک مسلک کو ترجیح دی ہے اور ترجیح کے دلائل بیان کیے ہیں۔ یہ کوئی نیا کام نہیں ہے جو آج اوّل اوّل میں نے ہی کیا ہو۔ اگر اس کام کو آپ غلط سمجھتے ہیں تو اپنے خیال پر قائم رہیں اور خواہ مخواہ اس بحث میں اپنا اور میرا وقت صرف نہ فرمائیں۔

بنام محمد عبدالوحید رینالہ خورد ضلع منٹگمری — خاکسار

مورخہ ۲۲ مارچ ۶۳ء — ابوالاعلیٰ

۴۲

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں کے درمیان ہر مسئلہ لڑائی جھگڑے کا موجب بن جاتا ہے۔ حالانکہ اگر ٹھنڈے دل سے معاملات پر غور کیا جائے تو اختلافات اتنی شدید صورت اختیار نہ کریں۔

میرے نزدیک قرآن مجید بلا متن شائع کرنا قطعاً ناجائز ہے۔ لیکن اگر خاص طور پر غیر مسلموں کے لیے معانی قرآن بلا متن اس خیال سے شائع کیے جائیں کہ غیر مسلموں کے ہاتھوں قرآن مجید کی توہین نہ ہو اور وہ تعلیمات قرآن سے آگاہ بھی ہو سکیں، تو ایسا کرنا درست ہوگا۔ بشرطیکہ اس پر صاف الفاظ میں یہ لکھ دیا جائے کہ یہ صرف غیر مسلموں کے لیے ہے، اور یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ یہ اصل قرآن نہیں ہے بلکہ صرف

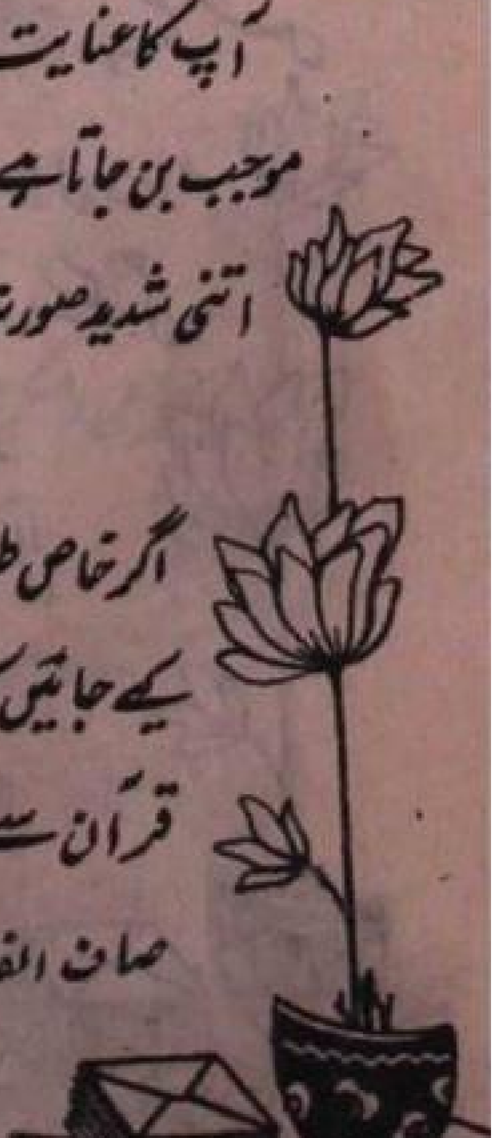

اس کے معانی ہیں۔ نیز یہ اہتمام کیا جائے کہ وہ صرف غیر مسلموں ہی کے ہاتھ فروخت ہو۔ مسلمانوں کو نہ دیا جائے۔

بنام مالک رحمانیہ اسٹورز، ویلور (مدراس) — خاکسار

مورخہ ۲۹، مارچ ۶۳ء — ابوالاعلیٰ

۴۳

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ کو مغربی زندگی اور معاشرے کے مطالعہ کا خوب موقع مل رہا ہے اور ان انگریزوں کو بھی آپ خوب دیکھ رہے ہیں جن کی ایک ایک ادا پر ہمارے فرنگیت پرست اہلِ وطن فریفتہ ہو رہے ہیں۔ اب آپ نے دیکھا کہ ہم خواہ زبان اور رہن سہن اور خیالات میں کتنے ہی انگریز بننے کی کوشش کریں مگر انگریز ہمیں اپنا سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہے، بلکہ الٹا ہمیں ذلیل سمجھتا ہے۔

میں چند روز کے اندر حج کے لیے جا رہا ہوں۔ غالباً مئی کے آخر تک واپسی ہو گی۔ امید ہے کہ جون تک آپ بھی واپس پہنچ جائیں گے۔

بنام ایس مجاہد، لندن (انگلستان) — خاکسار

مورخہ ۱۳، اپریل ۶۳ء — ابوالاعلیٰ

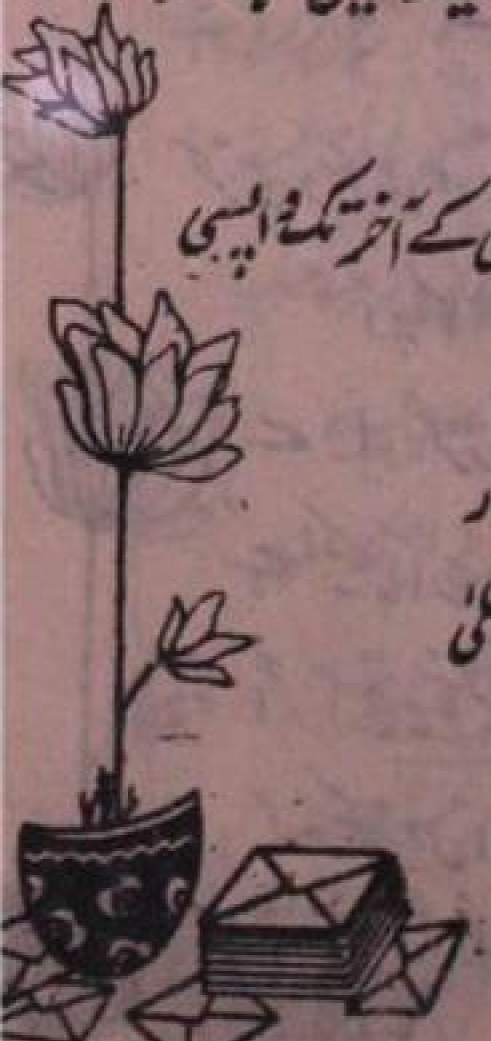

۴۴

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ کاہن یہودیوں کی ایک مذہبی اصطلاح ہے جس کا ہم معنی لفظ انگریزی میں (Priest) ہے۔ موجودہ زمانے کی عربی میں بھی کہنوت کا لفظ (Priest-hood) کے معنی میں بولا جاتا ہے۔

تورات میں حضرت عزیرؑ کے لیے عذرا کاہن کے الفاظ جگہ جگہ آئے ہیں اور یہودی لٹریچر میں وہ اسی نام سے معروف ہیں۔

بنام حافظ محمد ابراہیم، فتح جنگ (کیمبل پور)

مورخہ ۲۰ اپریل ۶۳ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۴۵

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ قضیۂ حسینؓ و یزید کو گزرے ہوئے آج تیرہ سو برس سے زیادہ گزر چکے ہیں۔ اس قضیہ پر محض تاریخی حیثیت سے تو گفتگو کی جا سکتی ہے، لیکن آج اس پر مسلمانوں کی سر پھٹول اور مناظرہ بازی بالکل لایعنی ہے۔

اگر آج یہ ثابت ہو جائے کہ یزید ایسا اور ایسا تھا، تو کیا ہم اس کو معزول کر سکتے ہیں اور اس کی جگہ نیا خلیفہ منتخب کر سکتے ہیں؟ آخر یہ فضول بحثیں کب تک چلتی رہیں گی؟ جن مسائل سے اب ہم دوچار ہیں

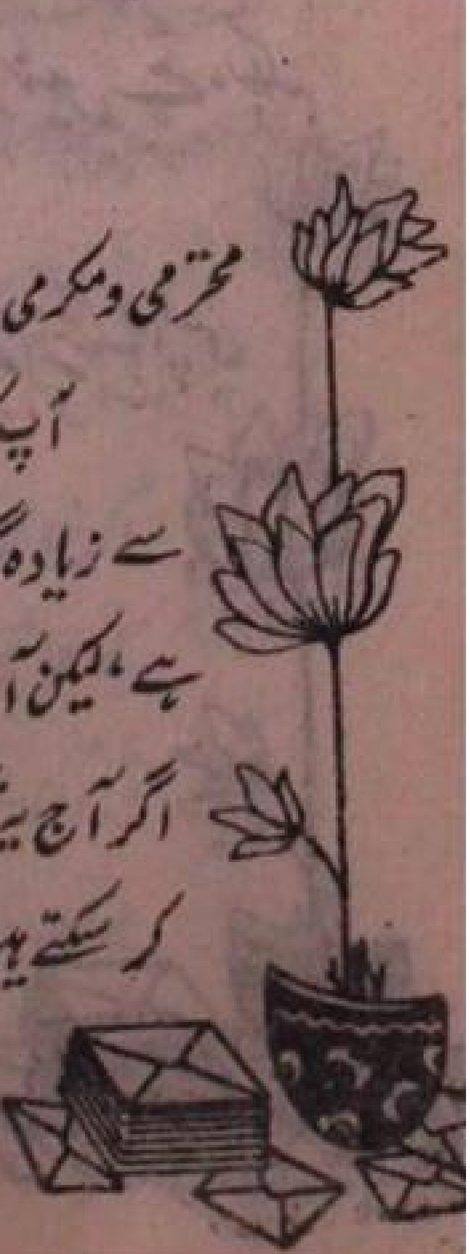

ان کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ صدیوں پہلے گزرے ہوئے قضیوں کو نمٹانے میں آخر ہم کب تک لگے رہیں گے۔

بنام جناب منظر صاحب، کچی کھوئی ملتان — خاکسار

مورخہ ۷، جون ۶۳ء — ابوالاعلیٰ

۴۶

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ عربی زبان کی مختصر تفسیروں میں میرے نزدیک کشاف[1] سب سے بہتر ہے۔ اعتزال کے نظریات کی جھلک جہاں جہاں ہے اسے نظر انداز کرتے ہوئے، قرآن سمجھنے میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔ سیرت پاک پر اب تک کوئی کتاب ایسی نظر سے نہیں گزری جس کی سفارش کر سکوں۔

پرویز صاحب کی گمراہی کو میں نے منصب رسالت نمبر[2] میں واضح کر دیا ہے۔

رہی تکفیر، تو میرے نزدیک عوام کے لیے فتویٰ تکفیر کتنا ہی مفید ہو، تعلیم یافتہ طبقہ پر اس کا بہت برا اثر پڑتا ہے۔ اور بدقسمتی سے تعلیم یافتہ طبقہ ہی پرویز صاحب کے زہر سے متاثر ہو رہا ہے۔ اس لیے میرے نزدیک تکفیر کے فتوے دینے کے بجائے دلائل سے ان کے مسلک کی غلطی واضح کرنا ہی زیادہ بہتر طریق کار ہے۔

تنقید کے لیے چار شرطیں ہیں۔ اوّل یہ کہ آدمی اس شخص کے نظریات

---

[1] کتاب کا پورا نام "الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل" ہے اور امام محمود بن عمر الزمخشری متوفی ۵۱۸ھ کی تصنیف ہے۔ [2] یہ نمبر اب "سنت کی آئینی حیثیت" کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔ (مرتب)

کو اچھی طرح سمجھتا ہو جس کے کلام پر وہ تنقید کر رہا ہے، اس لیے صرف وہی کتاب یا مضمون اس کے مدِ نظر نہ ہو جس پر وہ بحث کر رہا ہے، بلکہ مجموعی طور پر اس کے کلام پر بھی اس کی نگاہ ہو۔ دوسرے یہ کہ تنقید میں ذاتی محبت یا مخاصمت کا دخل نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ تنقید معقول اور مہذب طریقے سے کی جائے۔ چوتھے یہ کہ تنقید کرنے والا بھی اور اسے پڑھنے والا بھی کسی شخص کی کسی رائے کی تغلیط کو اس شخص کی کلی تغلیط نہ بنا دے۔ بڑے سے بڑے آدمی کی بھی کوئی رائے غلط ہو سکتی ہے، مگر اس سے اس شخص کی بڑائی میں فرق نہیں آتا۔

بنام حبیب الرحمٰن خاں گوڑ گاؤں، مشرقی پنجاب انڈیا — خاکسار

مورخہ ۱۰، جون ۶۳ء — ابوالاعلیٰ

۴۷

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آرامی، سریانی اور عبرانی زبانوں کے تقابلی مطالعہ پر جہاں تک مجھے معلوم ہے عربی گرامر کے قدیم مصنفین نے کچھ نہیں لکھا ہے۔ البتہ مغربی مستشرقین نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے۔

حتّی (Hittee) قوم کا قدیم قوم عاد سے کوئی تعلق ثابت نہیں ہو سکا ہے۔ یہ شام اور ایشیائے کوچک کی ایک پرانی نسل ہے۔ البتہ فنیقی (Phoenician) قوم کے متعلق یہ خیال ہے کہ یہ بقایائے قوم عاد میں سے تھی۔

عربی زبان کے متعلق اب بھی بہت سے محققینِ علم اللسان کا یہ

خیال ہے کہ یہی اصل ابتدائی سامی زبان سے قریب ترین زبان ہے۔

بنام سید الابرار صاحب، | خاکسار
انڈیانا یونیورسٹی، انڈیانا، یو ایس اے | ابوالاعلیٰ
۱۰ جون ۶۲ء

(۴۸)

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ مورخہ ۱۲ جون ملا۔ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ نے صدرِ مملکت کی اجازت سے مجھے زرِ مبادلہ فراہم کرنے کے لیے اسٹیٹ بنک کو سفارش بھیج دی ہے[1]۔ اس کے لیے میں صدرِ مملکت کا بھی اور آپ کا بھی شکرگزار ہوں۔ اس سے انشاء اللہ میرے کام میں بہت سہولت ہو جائے گی۔

آپ نے مسیحی پادری کی جس کتاب کا ذکر کیا ہے وہ اگر مجھے مل جائے تو میں اس سے فائدہ اٹھانے کی پوری کوشش کروں گا۔ مزید جو مواد بھی آپ فراہم کر سکیں وہ مجھے ضرور ارسال فرمائیں تاکہ میں اپنے پیشِ نظر کام کو زیادہ سے زیادہ بہتر طریقے سے کر سکوں۔

افریقہ میں اس وقت میرے پیشِ نظر جو کام ہے وہ مختصراً یہ ہے کہ کینیا سے لے کر جنوبی افریقہ تک اس براعظم کی پوری مشرقی پٹی میں ہند و پاکستان کے مسلمانوں کی بڑی آبادیاں موجود ہیں جن میں بڑے بڑے تجارت پیشہ لوگ پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح وہاں عربوں کی بھی اچھی خاصی تعداد ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ

[1] اس وقت افریقہ میں کام کرنے کے لیے ایک ہزار پونڈ کا زرِ مبادلہ منظور کیا گیا تھا۔ (مرتب)

ان عربی اور ہندی الاصل مسلمانوں کو افریقی الاصل مسلمانوں کے ساتھ ملا کر ایک ایسا تبلیغی اور تعلیمی نظام قائم کردں جسے وہیں کے لوگ اپنے روپے اور آدمیوں کے ذریعہ سے چلائیں اور ہم پاکستان سے چند ایسے لائق آدمی بھیج دیں جو تعلیم اور تبلیغ کے کاموں میں ان کی رہنمائی اور تربیت کر کے ان کو یہ نظام چلانے کے لیے اچھی طرح تیار کریں۔ اس مقصد کے لیے میں آئندہ اکتوبر یا نومبر میں ایک کانفرنس ممباسہ یا دار السلام میں کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی جگہ اور تاریخیں طے کرنے کے لیے چودھری غلام محمد صاحب کو نیروبی بھیج رکھا ہے۔ ان کے آنے کے بعد ٹھیک معلوم ہو جائے گا کہ کانفرنس کہاں اور کب ہو گی۔ اس میں ان تمام لوگوں کو مدعو کیا جائے گا جو افریقہ کے مشرقی اور جنوبی حصے میں پہلے سے تبلیغی اور تعلیمی کام کر رہے ہیں۔ عرب ممالک کے بھی چند سربرآوردہ لوگوں کو مدعو کیا جائے گا تاکہ وہ افریقی الاصل اور پاکستانی و ہندی مسلمانوں کے ساتھ عربی عناصر کا تعاون قائم کرنے میں ہماری مدد کریں۔ ان سب لوگوں کے مشورے سے انشاء اللہ ہم ایک ایسا نظام بنائیں گے جو ایک طرف افریقہ کے مسلمانوں کو تعلیم دینے کا انتظام کرے گا اور دوسری طرف غیر مسلم افریقیوں میں دین اسلام کی دعوت پہنچائے گا[1]۔ مکہ معظمہ کے رابطہ عالم اسلامی نے بھی وعدہ کیا ہے کہ اس طرح کا نظام بنانے اور چلانے میں وہ پوری طرح ہمارا ہاتھ بٹائے گا۔

جن افریقی زبانوں میں ابھی تک قرآن کریم کا ترجمہ نہیں ہوا ہے ان میں ترجمے کرانے کا انتظام بھی ہمارے پیش نظر ہے۔ بلکہ یوگنڈی زبان میں ایک ترجمہ

---

[1] افسوس ہے کہ مولانا محترم بوجوہ اس سفر پر نہ جا سکے اور وہ کانفرنس بھی منعقد نہ کی جا سکی۔ لیکن خدا کے فضل سے نیروبی میں ایک مرکز دعوت و تعلیم قائم کر دیا گیا ہے۔ (مرتب)

ہم مکمل کر بھی چکے ہیں اور اب ایک صاحب کو اس کی طباعت و اشاعت کا بندوبست کرنے کے لیے یوگنڈا بھیج رہے ہیں[۱]۔

یہ مختصر اسکیم ہے جسے لیکر میں افریقہ جا رہا ہوں۔ امید ہے کہ اس کام کی تکمیل میں آپ کی امداد و اعانت مفید ثابت ہو گی۔

بنام قدرت اللہ شہاب صاحب،
سیکرٹری منسٹری آف انفارمیشن اینڈ براڈ کاسٹنگ راولپنڈی

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۱۵ جون ۱۹۶۳ء

۴۹

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ میں یہ سمجھنے سے بالکل قاصر ہوں کہ کسی شخص کے متعلق خود جھوٹ گھڑنا یا دوسروں سے جھوٹی باتیں سن کر بلا تحقیق ان کو قبول کرنا اور آگے پھیلانا تصوف کی کونسی منزل ہے۔ تصوف سے مراد اگر اسلامی تصوف ہے تو اس کے ساتھ یہ گندے اخلاق کسی طرح بھی میل نہیں کھاتے۔ صدر ناصر کے خلاف کسی فتوے پر دستخط کرنا تو درکنار، میری نگاہ سے تو آج تک سرے سے ایسا کوئی فتویٰ گزرا ہی نہیں ہے جس میں ان کی تکفیر کی گئی ہو۔ آپ ان لوگوں سے پوچھیے کہ انھوں نے کہاں یہ فتویٰ دیکھا ہے۔ اور اگر خود نہیں دیکھا تو کس ذریعہ سے ان کو معلوم ہوا کہ ایسا کوئی فتویٰ دیا گیا ہے اور اس پر میرے دستخط

---

[۱] حال ہی میں سواحلی ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔ (مرتب)

ہیں۔ اس جھوٹ پر مزید جھوٹ یہ ہے کہ مجھے اس فتوے پر دستخط کرنے کے عوض کافی رقم بھی ملی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے دل خدا کے خوف اور عاقبت کی فکر سے بالکل خالی ہو چکے ہیں اور انھوں نے بہتان اور افترا کو اپنے لیے قطعی حلال کر لیا ہے۔

بنام پیر محمد ابا عمر، بمبئی بازار، کراچی

خاکسار

۲۷، جون ۶۳ء

ابوالاعلیٰ

۵۰

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آپ کے سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ کے کلام کی تشریح کرتے ہوئے اگر کوئی بات بصیغۂ متکلم کہی جائے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ یہ اللہ خود بول رہا ہے بلکہ عربی زبان میں دوسرے کے مفہوم و مدعا کو بیان کرنے کا یہ اسلوب عام طور پر مستعمل ہے۔ خصوصاً قرآن مجید کی عربی تفسیروں میں یہ اسلوب کثرت سے ملتا ہے۔

۲۔ تلاوت کے لغوی معنی تو پڑھ کر سنانے ہی کے ہیں لیکن فرشتوں کے ذریعے سے تذکیر و نصیحت بسا اوقات براہِ راست ہوتی ہے، اور بسا اوقات دوسرے انسانوں کے واسطے سے ہوتی ہے۔ براہ راست تذکیر وہ بصورتِ وحی و الہام سناتے ہیں، اور انسانوں کے ذریعہ سے تذکیر کی شکل یہ ہوتی ہے کہ ایک حادثہ سے بندگانِ خدا عبرت حاصل کرتے ہیں اور پھر وہ اس سے حاصل کردہ سبق دوسرے بندوں کے سامنے

بیان کرتے ہیں۔ یہ دوسری چیز چونکہ فرشتوں کی تدبیر ہی کا نتیجہ ہوتی ہے اس لیے اسے ان کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔

۳ - وحیِ نبوت تو بے شک انبیاء ہی پر ہوتی ہے۔ البتہ اِلقاء و اِلہام غیر انبیاء پر بھی ہو سکتا ہے۔ اِلقاء اور الہام کے متعلق میں نے یہ بات کبھی نہیں کہی کہ وہ بھی انبیاء کے لیے مخصوص ہے۔ البتہ یہ ضرور کہا ہے کہ غیر انبیاء پر القاء و الہام کوئی یقینی ذریعۂ علم نہیں ہے۔ اور ہر الہام اُسی وقت قابلِ قبول ہو سکتا ہے جب وہ نبی کے ذریعہ سے آئے ہوئے علم سے مطابقت رکھتا ہو۔

۴ - اِلاّ بِسُلطانٍ کا استثنائی فقرہ اَقطارِ السّمٰوات وَالارض سے نکلنے کے معاملہ میں بولا گیا ہے نہ کہ ایک کُرہ سے دوسرے کُرہ میں جانے کے معاملہ میں۔ اقطارُ السّمٰواتِ وَالارض کا اِطلاق تو پوری کائنات پر ہوتا ہے۔ اس لیے سُلطان سے مراد لازماً ایسا زور ہے جو خدا کی خدائی سے نکل جانے کے قابل آدمی کو بنا سکے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا زور انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس بنا پر میرا خیال یہ ہے کہ اِلاّ بِسُلطانٍ کا لفظ اِمکانِ خُروج پر نہیں بلکہ عدمِ امکانِ خروج پر دلالت کرتا ہے۔

بنام ارشد جمیل، جام شورو (حیدر آباد) — خاکسار

یکم جولائی ۶۳ء — ابوالاعلیٰ

۵۱

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ بدعت کی پانچ اقسام ، جن کا ذکر امام نووی نے شرحِ مسلم میں کیا ہے اور علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں جس کی توثیق کی ہے ، خود احادیث پر غور کرنے سے ہر شخص کی سمجھ میں آسکتی ہیں۔ بدعت سے مُراد اگر ہر وہ نیا کام ہو جو حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں نہیں ہوا ، تو ایسا ہر نیا کام بدعتِ ضلالہ نہیں ہے ، بلکہ اس کی پانچ قسمیں بنتی ہیں۔ مثال کے طور پر ملاحظہ کیجیے :

۱ : نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے عہد میں قرآن مجید کو ایک مُصحف کی شکل میں مرتب نہیں کیا تھا ، صحابہ کرامؓ نے بعد میں اسے مُصحف کی شکل میں مرتب کر کے لکھوایا اور پھر اسی مُستند نسخے کی نقلیں شائع کرائیں۔ یہ نیا کام ضرور تھا ، لیکن دین کی حفاظت کرنے کے لیے اس کی ضرورت تھی ، اس لیے یہ بدعتِ واجبہ تھی۔

۲ : نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں جمعہ کی ایک اذان ہوتی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے ایک اور اذان رائج کی۔ یہ بھی ایک نیا کام تھا ، لیکن مدینہ کی آبادی بڑھ جانے کے بعد جمعہ کے لیے لوگوں کو جمع کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی تھی اس لیے صحابہؓ نے اسے قبول کیا۔ یہ بدعتِ مستحبہ تھی۔

۳ : نبی صلّی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ حج کے لیے یا اونٹوں پہ جاتے تھے یا پیدل۔ آج لوگ موٹر اور ہوائی جہاز اور

بحری جہاز پر جا رہے ہیں۔ یہ بھی نیا کام ہے، مگر ایک عبادت کو ادا کرنے کے لیے وہ طریقہ اختیار کیا جا رہا ہے جو شریعت میں ممنوع نہیں ہے اور کسی قاعدۂ شرعی سے متصادم نہیں ہوتا۔ اس لیے یہ بدعتِ مباح ہے۔

۴: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے عہد میں اسلامی حکومت اور اسلامی فوج کی علامت کے طور پر جھنڈے استعمال ضرور کیے گئے ہیں مگر ان کو سلامی نہیں دی گئی۔ جھنڈوں کی سلامی کو حرام قرار دینے کے لیے کوئی نص نہیں ہے، لیکن یہ فعل اسلام کے مجموعی مزاج سے مناسبت نہیں رکھتا، اس لیے یہ بدعت مکروہہ ہے۔

۵: حضورؐ کے زمانہ میں عورتیں مسجد میں خوشبو لگا کر اور بجنے والے زیور پہن کر نہیں آتی تھیں، اور اس فعل سے آپؐ نے بالفاظِ صریح منع کیا ہے۔ لہٰذا اب اگر عورتیں اس حالت میں آئیں تو یہ بدعتِ محرّمہ ہے۔

بدعت کی یہ پانچ اقسام خود احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتی ہیں۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

بنام محمد اشرف آفریدی، یاسین آباد (پشاور)
مورخہ ۵ جولائی ۶۳ء

۵۴

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ مجلسِ شوریٰ کے زمانہ میں آیا تھا مگر شدید مصروفیت کے باعث اس زمانے میں مجھے ڈاک کھولنے کا موقع تک نہ ملا۔ اب بہت دن کی جمع شدہ ڈاک دیکھی تو آپ کا عنایت نامہ بھی ملا۔ جواب

میں اتنی تاخیر ہو جانے کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

میرے کام کے متعلق آپ کا یہ اندازہ کہ میں نے اپنے آپ کو روزمرّہ کی سیاست میں گم کر دیا ہے، دراصل اُن معلومات پر مبنی ہے جو اخبارات کے ذریعہ سے آپ کو حاصل ہوتی ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک کے اخبارات گہرے تعمیری کاموں سے دلچسپی نہیں رکھتے اور صرف انھی اُمور کو اچھالتے ہیں جو روزمرّہ کی سیاست سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے میرے اور جماعت اسلامی کے کام کا یہی ضمنی سا حصّہ اخبارات پڑھنے والوں کے علم میں آتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بس یہی کام کر رہے ہیں۔ حالانکہ ہم خاموشی کے ساتھ شہروں اور دیہات میں ایک منصوبے کے مطابق مسلسل تعمیری کام کر رہے ہیں اور اپنی قوّت اور اوقات کا بہت تھوڑا سا حصہ اُن سیاسی کاموں پر لگا رہے ہیں جن کا اصل مقصد یہ ہے کہ ملکی سیاست کے تخریبی عمل کی جس حد تک بھی ممکن ہو روک تھام کی جائے۔

پاکستان اور دوسرے مسلمان ملکوں کے متعلق حالات کے مطالعہ کے بعد میں جن نتائج پر پہنچا ہوں انھیں میں نے اپنی ایک تقریر میں بیان کیا ہے جو اسی سال حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں کی گئی تھی۔ یہ تقریر جون ۱۹۶۳ء کے ترجمان القرآن میں شائع ہو چکی ہے۔ آپ اسے ملاحظہ فرما لیں۔

رحمۃٌ للعالمین نمبر کے لیے آپ کی فرمائش قابلِ اعتنا کیا معنی، قابلِ احترام ہے۔ مگر قویٰ کے انحطاط اور مصروفیتوں میں روزافزوں اضافہ نے مجھے اب اس قابل نہیں چھوڑا ہے کہ دوستوں

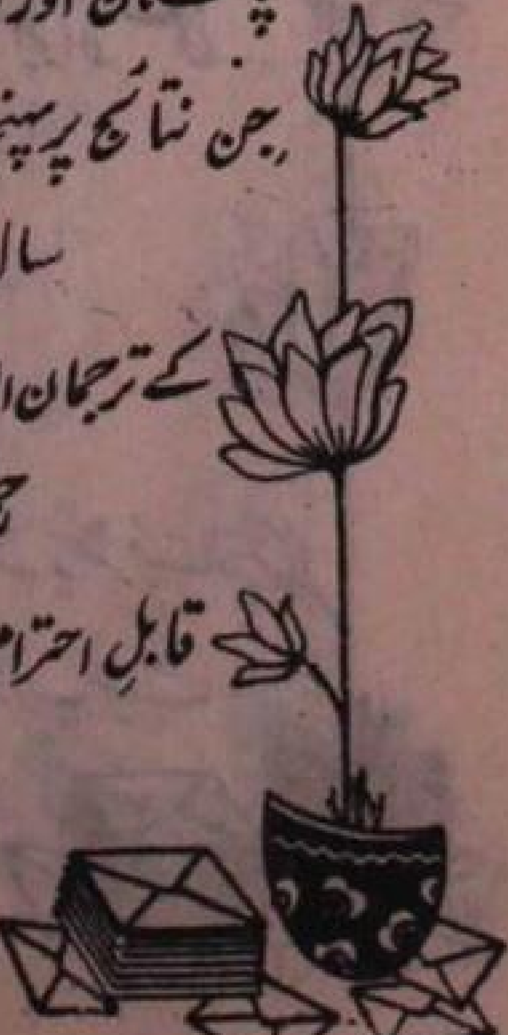

کی واجب الاحترام فرمائشیں پوری کر سکوں۔ میرے لیے آپ کی کوئی خدمت بجا لانا
کچھ بھی ممکن ہوتا تو معذرت نہ کرتا۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

بنام شورش کاشمیری ایڈیٹر چٹان لاہور
مورخہ ۱۸ر جولائی ۶۳ء

۵۳

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آپ نے جن الجھنوں کا ذکر کیا ہے وہ سب اس بنا پر پیدا ہوتی ہیں کہ ایک مسلمان قوم اسلام پر ایمان بھی رکھتی ہے، اور حکومت بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے، مگر عبادات کو چھوڑ کر باقی سارا نظامِ زندگی اسلام کے خلاف چل رہا ہے۔ اس حالت میں وہ تمام الجھنیں پیدا ہونا ایک قدرتی امر ہے جن کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ اس کا حل یہ نہیں ہے کہ ہم اپنی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں اور جدھر جدھر یہ نظام جا رہا ہے اُدھر ہم بھی سرپٹ دوڑتے چلے جائیں۔ بلکہ اس کا حل یہ ہے کہ اپنی انفرادی زندگی میں جس حد تک تکلیف اٹھا کر اور نقصان برداشت کر کے اسلامی احکام پر عمل کر سکتے ہوں اس حد تک تو کریں، اور جہاں اپنے آپ کو بالکل مجبور پائیں وہاں غیر اسلامی طریقوں پر چلیں بھی تو نفرت کے ساتھ چلیں۔ ان کو حلال کرنے اور اپنے ضمیر پر سے ان کا بوجھ اتار دینے کی فکر نہ کریں۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر فرد اُس اجتماعی کوشش میں حصہ لے جو اس غیر اسلامی نظام کو

اسلام کے مطابق بدلنے کے لیے کی جا رہی ہے ۔

بنام محمد اکرام صاحب ، لائل پور
مورخہ ۱۰ اگست ۶۳ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۵۴

محترمی و مکرمی ! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ مِلا ۔ میں نے مولانا آزاد مرحوم ، مولانا مدنی مرحوم اور ان کے ہم خیال حضرات کے بعض نظریات سے ان کی زندگی میں اختلاف ضرور کیا ہے مگر شخصی طور پر نہ میں ان کی زندگی میں ان کا مخالف تھا نہ اب ان کے وفات پا جانے کے بعد یہ صحیح سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص ان کا ذکر بُرے الفاظ میں کرے ۔ ان کی زندگی میں بھی اختلاف کیا تو بس ایک آدھ دفعہ حسبِ ضرورت کر دیا ۔ ان کی مخالفت کو وظیفہء زندگی نہیں بنا لیا ۔

بنام محمد عارف صاحب ، سرگودھا
مورخہ ۱۵ ، اگست ۶۳ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۵۵

محترمی و مکرمی ! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ مِلا ۔ ادب کے متعلق میں اپنے خیالات کئی مرتبہ ظاہر کر چکا ہوں جو جماعتِ اسلامی سے تعلق رکھنے والے

پرچوں میں شائع ہوئے ہیں۔ غالباً وہ آپ کی نظر سے نہیں گزرے۔ میرے نزدیک جو ادب دعوتِ خیر اور اصلاح کے لیے محرّک ہو وہ پاکیزہ ترین ادب ہے۔ جو محض تفریح کا ذریعہ ہو، مگر برائیوں کے لیے محرّک نہ ہو، وہ مُباح ہے۔ اور جو برائیوں کے لیے محرّک ہو وہ ناپاک ادب ہے۔

تبلیغی جماعت اور جمعیتِ علماء نے مفید خدمات بھی انجام دی ہیں جن کی میں قدر کرتا ہوں۔ مگر بعض پہلو اُن میں نقص کے بھی ہیں جن کی اصلاح کے لیے وقتاً فوقتاً میں نے ان کو توجہ دلائی ہے۔

جماعتِ اسلامی کے کام کو دُور سے دیکھ کر طعن و تشنیع کرنے والوں کے اعتراضات کا جواب دینا لاحاصل ہے۔ اس جواب میں وقت صرف کرنے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس وقت کو کسی مفید خدمت میں صرف کیا جائے۔ جن لوگوں نے جماعت کے کام سے کچھ واقفیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے وہ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ جتنا کام اس جماعت کو کرنا چاہیے تھا اتنا اس نے نہیں کیا ہے۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے سرے سے کچھ کیا ہی نہیں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

بنام شمس تبریز خان، دارالعلوم دیوبند

مورخہ ۲۰ اگست ۶۳ء

(۵۶)

محترمی و مکرمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ جن صاحب نے آپ سے

یہ کہنا ہے کہ میں رمضان کے روزے نہیں رکھتا انھوں نے اِفترا پردازی کی ہے کبھی بیماری کے باعث روزے قضا تو ہوئے ہیں جیسے ہر بیمار کے ہو جاتے ہیں مگر معمولاً روزے نہ رکھنا سراسر جھوٹ ہے۔

میں نے ترمذی اور موطا۔ سبقاً سبقاً محدثانہ طریق پر پڑھی ہے۔ باقی کتابیں خود مطالعہ کی ہیں۔

بنام غلام رسول صاحب میرے شاہ (صادق آباد) — خاکسار

مورخہ ۲۸ اگست ۶۳ء — ابوالاعلیٰ

۵۷

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ موجودہ زمانے کے نفسیات دان دو امراض میں مبتلا ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کسی عالمِ بالا کے قائل نہیں ہیں جو انسان پر اور اس کے گرد و پیش کی کائنات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ بنیادی طور پر انسان کو صرف ایک ذی شعور حیوان سمجھتے ہیں اور اس کے اندر حیاتیاتی زندگی (Biological Life) سے بالاتر کسی رُوح اور روحانیت کے وجود کو نہیں مانتے۔ اسی لیے انھوں نے خواب کی وہ توجیہات کی ہیں جو آپ کو فرائڈ وغیرہ کے ہاں نظر آتی ہیں۔

اسلام چونکہ عالمِ بالا کا بھی قائل ہے اور انسان کے اندر روح کے وجود کو بھی مانتا ہے اس لیے اسے خواب کی ان توجیہات سے قطعی انکار

ہے۔ وہ خواب کو دو بڑی اقسام پر تقسیم کرتا ہے۔ ایک رویائے صادقہ۔ دوسرے اَضغَاث اَحْلام۔

رویائے صادقہ جیسا کہ خود اس کے نام ہی سے ظاہر ہے، سچے خواب کو کہتے ہیں۔ یعنی ایسا خواب جو شعور کی مداخلت سے آزاد ہو کر مَلاء اعلیٰ کے ساتھ انسانی روح کا رابطہ قائم ہو جانے کے نتیجے میں نظر آتا ہے۔ اس حالت میں بسا اوقات آدمی کسی حقیقت کو یا کسی ہونے والے واقعہ کو بالکل اصلی شکل میں دیکھتا ہے۔ کبھی آدمی کو کسی مسئلے میں بالکل صریح اور صاف علم یا مشورہ دیا جاتا ہے اور وہ یوں محسوس کرتا ہے کہ گویا اس نے دن کی روشنی میں بحالتِ بیداری کوئی بات سنی یا کوئی چیز دیکھی ہے۔ اور کبھی آدمی کو یہ اُمور کسی علامتی تمثیلی کی شکل (Symbolic Form) میں نظر آتے ہیں، جس کے معنی متعیّن کرنے میں مشکل پیش آتی ہے۔ تعبیرِ خواب میں بصیرت رکھنے والے ان تمثیلات کے معنی بسا اوقات بالکل ٹھیک ٹھیک متعیّن کر لیتے ہیں اور اگر اس طرح وہ متعیّن نہ ہوں تو بعد میں کسی وقت جب ان کی تعبیر عملاً سامنے آ جاتی ہے تب یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں خواب جو ہم نے دیکھا تھا اور اس کے معنی ہم نہ سمجھ سکتے تھے، اس کی صحیح تعبیر یہ تھی۔ ان تمثیلی اشکال کی تعبیر کے صحیح طریقے کی طرف ہماری رہنمائی وہ دو خواب کرتے ہیں جو حضرت یوسفؑ کو نظر آئے تھے اور ان کی تعبیر خود قرآن مجید میں بھی بتائی گئی ہے۔ اس کے بعض اصول ان تعبیروں سے بھی معلوم ہوتے ہیں جو نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم یا صحابۂ کرامؓ اور تابعینؒ نے بعض خوابوں کی بیان کی ہیں۔ لیکن تعبیرِ خواب کا بہت بڑا انحصار خداداد بصیرت پر ہے۔ اس کے کچھ گنے بندھے اصول نہیں ہیں کہ فنِ تعبیر کو ایک سائنس کی طرح

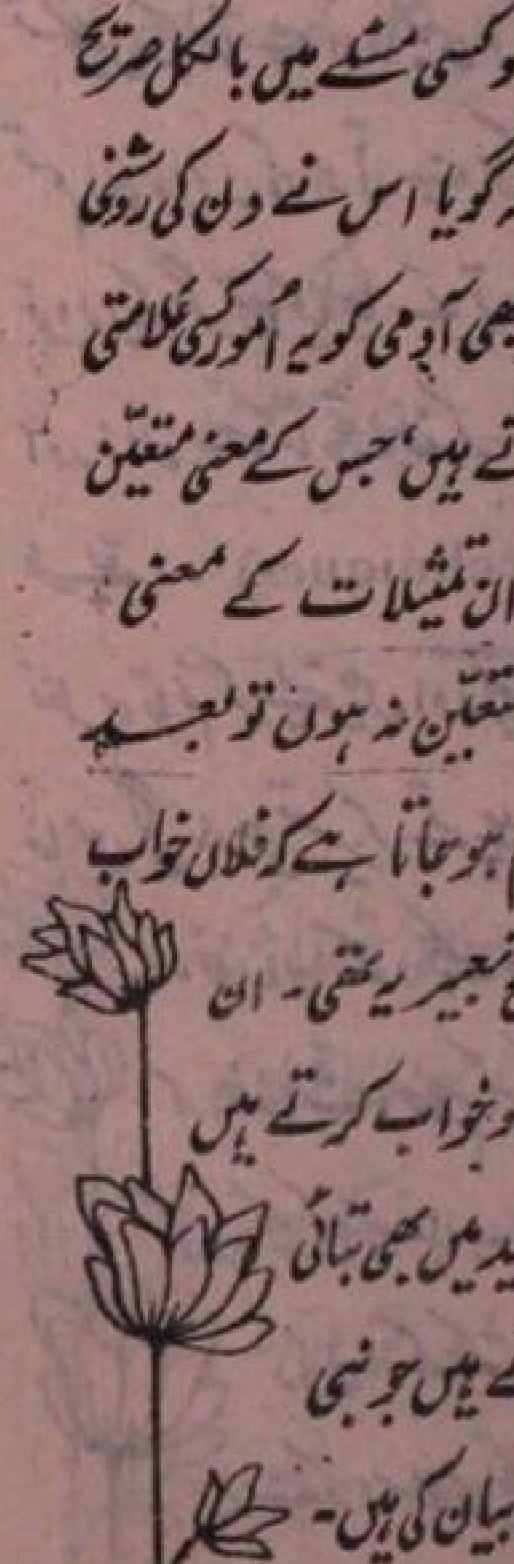

منضبط کیا جا سکے اور ہر تمثیلی شکل یا لفظ کے لیے ایک خاص معنی کا تعین کیا جا سکے۔

رہے اضغاثِ احلام، تو وہ مختلف اسباب سے مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک قسم ان خوابوں کی ہے جن میں ایک گمراہ آدمی یا کمزور عقائد کے آدمی کو شیطان اگر کسی باطل کے حق ہونے یا کسی حق کے باطل ہونے کا یقین دلاتا ہے۔ اور اسے کچھ ایسی شکلیں دکھاتا ہے اور ایسی باتیں سناتا ہے جو اس کو گمراہ کرنے کی موجب ہوتی ہیں۔ ایک اور قسم ان خوابوں کی ہوتی ہے جو کسی بیماری کے اثر سے آدمی دیکھتا ہے۔ ان مختلف قسم کے خوابوں کو اگر جمع کیا جائے تو ان سب کی توجیہ فرائڈ کے نظریات کے تحت نہیں کی جا سکتی اور نہ ان سے نتائج اخذ کرنے، یا ان کے معنی متعین کرنے کے لیے موجودہ نفسیات کے طریقے (Techniques) کافی ہیں۔ ان لوگوں کا عیب یہ ہے کہ پہلے ایک نظریہ قائم کر لیتے ہیں اور پھر اپنے قائم کردہ نظریے کے تحت سارے خوابوں کی ایک خاص لگی بندھی تعبیر کرتے چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ بکثرت خوابوں کو جمع کر کے، اور ان کے دیکھنے والوں کی زندگی کا اچھی طرح مطالعہ کر کے یہ رائے قائم کی جائے کہ اضغاثِ احلام کس کس قسم کے ہوتے ہیں اور مختلف حالات میں مختلف لوگوں کو وہ کن کن اسباب سے نظر آتے ہیں۔

آپ کے اکثر سوالات کا جواب اوپر دے دیا گیا ہے۔ باقی سوالات کا جواب یہ ہے کہ اسلامی نظریۂ خواب تو صرف قرآن اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ بعد میں مسلم مفکرین نے جو نظریات بیان کیے ہیں ان کو آپ انہی مفکرین کے نظریہ کی حیثیت سے بیان کریں۔

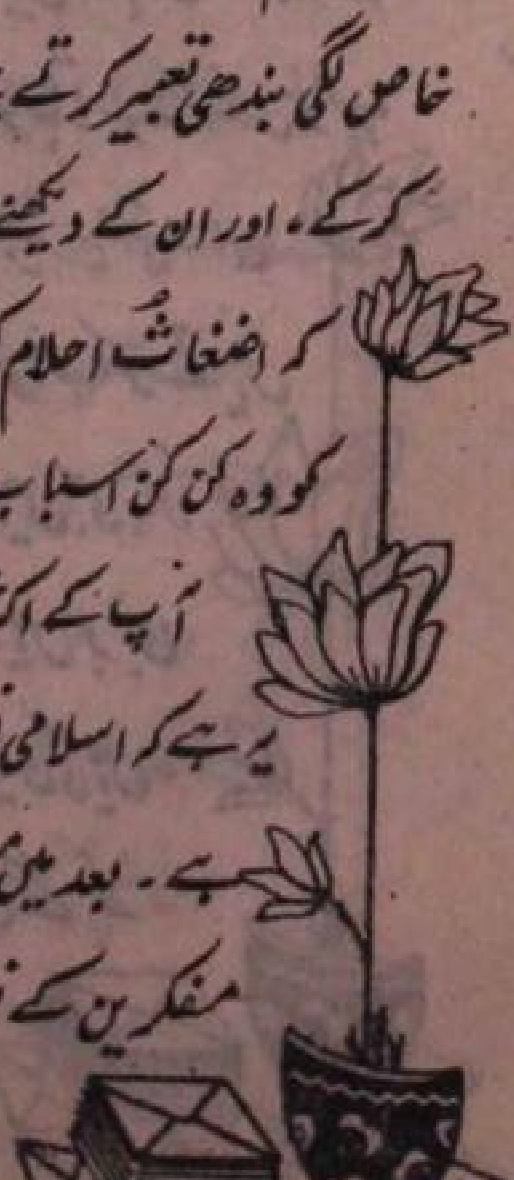

سچے خواب کو نبوت کے اجزاء میں سے ایک جز قرار دینے کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی کی نوعیت لیے ہوئے ہوتے ہیں، اضغاث احلام کی قسم کے نہیں ہوتے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ سچا خواب چونکہ انسانی روح اور ملاءِ اعلیٰ کے درمیان ایک ایسے رابطہ کا نتیجہ ہوتا ہے جس میں انسانی خواہش، ارادہ یا شعور حائل نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ بہت خفیف سی مماثلت اُس رابطہ کے ساتھ رکھتا ہے جو نہایت اعلیٰ اور مکمل صورت میں نبی کے قلب اور ملاء اعلیٰ کے درمیان وحی و الہام سے قائم ہوتا ہے۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

بنام آفتاب احمد گمٹی بازار، لاہور
۳۱، اگست ۱۹۶۲ء

۵۸

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

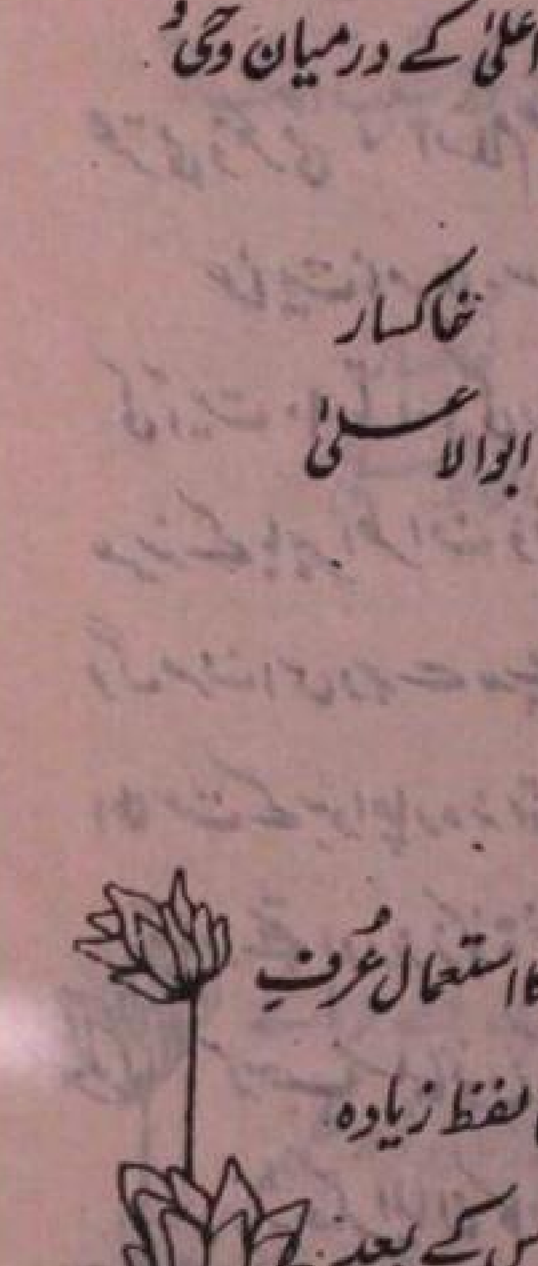

عنایت نامہ ملا۔ صنفِ اناث کے لیے لڑکی یا عورت کا استعمال عُرفِ عام کی بات ہے۔ کوئی قانونی یا شرعی بات نہیں ہے۔ لڑکی کا لفظ زیادہ سے زیادہ ۲۰-۲۲ سال کی عمر تک کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس کے بعد عورت کہلاتی ہے۔ اسی طرح لڑکے کا لفظ بھی اسی عمر تک بولتے ہیں، پھر مرد یا آدمی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ آپ کسی ۲۵-۳۰ برس کی عمر کے آدمی کو لڑکا کہیں گے تو وہ خود ہی برا مانے گا۔

اور لوگ بھی آپ پر ہنسیں گے۔

بنام محمد اسحاق صاحب کراچی صدر، خاکسار

مورخہ ۲، ستمبر ۶۳ء ابوالاعلیٰ

۵۹

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ سورہ حجرات کی آیت "قالتِ الاعراب آمنّا....." کو سورہ توبہ کی آیت ۹۰ تا ۱۰۱ کی روشنی میں پڑھیے تو بات پوری طرح سمجھ میں آجائے گی۔ مدینہ کے باہر اطراف و نواح میں جو بدّو رہتے تھے ان کو اعراب کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ صرف اس وجہ سے مدینے کی اسلامی حکومت کے تابع فرمان ہو گئے تھے کہ ان کے لیے اطاعت کے سوا چارہ نہ تھا۔ مگر نہ وہ جہاد میں جانیں لڑانے اور خطرہ مول لینے کے لیے تیار تھے اور نہ زکوٰۃ خوشی کے ساتھ دینے پر راضی تھے۔ اس پر ان کا رویّہ یہ تھا کہ جب مسلمانوں کی فتوحات میں حصہ بٹانے کا معاملہ آتا تو ایک سے ایک بڑھ کر ایمان کا دعویٰ کرتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ لوگ اپنے دعاوی اس طرح پیش کرتے تھے، گویا انھوں نے دائرہ اسلام میں داخل ہو کر حضورؐ پر کوئی احسان کیا ہے۔ ان کے اسی رویے کے متعلق سورہ حجرات میں فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن دراصل انھوں نے صرف ظاہری اطاعت قبول کی ہے۔ ایمان دل میں ہوتا تو نہ یہ جہاد سے جی چراتے اور نہ اپنے قبولِ اسلام کا احسان بھی

پر جاتے۔

اس جگہ اسلام کا لفظ ایمان کے بغیر صرف مطیع ہونے کے معنی میں استعمال فرمایا گیا ہے۔

اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ قرآن مجید میں اسلام اور ایمان دو الگ الگ اصطلاحیں ہیں اور مسلم اور مومن کے دو الگ معنی ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے تو اس سے پوچھیے کہ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ کے کیا معنی ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کی اس دُعا کا مطلب کیا ہے کہ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ۔

بنام صاحب خان، صوبیدار میجر، تلہ گنگ — خاکسار

مورخہ ۵، ستمبر ۶۳ء — ابوالاعلیٰ

۶۰

محترمی و مکرمی، السلام علیکم

آپ کا مفصل خط مورخہ ۲، ستمبر ملا۔ افسوس یہ ہے کہ آپ ایسے زمانے میں مجھ سے مراسلت کر رہے ہیں جب کہ میری مصروفیتیں حد سے زیادہ بڑھ چکی ہیں، اور ایسے مسائل پر گفتگو کر رہے ہیں جن پر تفصیلی بحث کے لیے وقت نکالنا میرے امکان میں نہیں ہے۔ اسی لیے مختصر جواب پر اکتفا کر رہا ہوں۔

آپ کے پچھلے خطوط سے تو میرا اندازہ یہ تھا کہ آپ کا اسلام سے کچھ نہ کچھ تعلق ابھی باقی ہے۔ اسی لیے میں نے آپ کو لکھا

تھا کہ ابھی آپ دائرہ اسلام سے باہر نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن آپ کے اس تازہ خط کو اور اُس لیکچر کو، جس کی ایک نقل آپ نے مجھے بھیجی ہے، دیکھنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آپ اب مُسلمان نہیں رہے ہیں۔ اس لیے میں مجبوراً آپ کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ کا اب اپنے آپ کو مسلمان کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے پیش کرنا دیانت کے خلاف ہے۔ آپ کو صاف صاف کہہ دینا چاہیئے کہ آپ مسلمان نہیں ہیں، اور اپنا نام بھی تبدیل کر دینا چاہیئے تاکہ اس سے کوئی شخص دھوکا نہ کھائے۔ یہ تجویز کرنا میرا کام نہیں ہے کہ آپ اب اپنا کیا نام رکھیں۔

اب رہے وہ مسائل جن پر آپ گفتگو کر رہے ہیں تو ان کے متعلق آپ کی بحثوں کو پڑھنے کے بعد میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ آپ بہت بڑے اُمور پر بہت کم معلومات کے ساتھ، بہت ناکافی غور و فکر سے کچھ نتائج پر پہنچ گئے ہیں، اور آپ کی بحث سے ہی مجھے یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ آپ اپنے اخذ کردہ ان نتائج پر کچھ مطمئن سے ہیں۔ اس حالت میں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ کو سمجھانے کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔ یہ بات خود آپ ہی کے فیصلہ کرنے کی ہے کہ آیا آپ اپنے ان خیالات پر مطمئن ہو چکے ہیں، اور مطمئن ہی رہنا چاہتے ہیں، یا کھلے دل سے کچھ مزید تحقیق کی گنجائش پاتے ہیں۔ اگر پہلی صورت ہے تو خدا حافظ۔ اور اگر دوسری صورت ہے تو آپ میری کتابوں کو از سر نو غور کے ساتھ اور صبر و سکون کے ساتھ پڑھتے رہیں اور ہر کتاب پڑھ کر مجھ سے مراسلت شروع نہ کر دیں۔ بلکہ ساری چیزوں کو پڑھنے کے بعد آخر میں ٹھنڈے دل سے خود ہی یہ رائے قائم کریں کہ اس مطالعہ نے آپ کے لیے

اپنے خیالات پر نظرثانی کرنے کی کوئی بنیاد فراہم کی ہے یا نہیں۔

بنام یقظان صاحب، کینیڈا
مورخہ ۱۱، ستمبر ۶۳ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۹۱

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ بنی اسرائیل اور نصاریٰ کی کتابوں کے متعلق ہمارے پاس یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ان کے انبیاء کے اصل ارشادات کیا تھے اور ان کے ہاں وہ کس حد تک محفوظ ہیں اور کہاں ان میں تحریف ہو گئی ہے۔ اس لیے بائبل کے بیانات کی توجیہ کرنا ہمارے لیے سخت مشکل ہے۔

میں نے جس غرض کے لیے حضرت الیاسؑ کے بارے میں اُن کے بیانات کو نقل کیا ہے وہ صرف یہ بتانا ہے کہ بنی اسرائیل کے ہاں اُن کی شخصیت کے متعلق کیا خیالات پائے جاتے تھے۔ ممکن ہے کہ اس معاملہ میں اصل پیشینگوئی یہ ہو کہ ایسی ایک شخصیت پھر بنی اسرائیل میں ظاہر ہو گی اور بنی اسرائیل نے اُس سے سمجھا ہو کہ خود حضرت الیاسؑ دوبارہ آئیں گے۔

قرآن مجید لفظ بلفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جبریلؑ صرف اس کے پہنچانے والے ہیں اسی لیے ان کو روح الامین کہا گیا ہے کہ جو پیغام جن الفاظ میں ان کو دیا گیا ہے اسے وہ جوں کا توں اللہ کے نبی تک

پہنچاتے تھے۔

بنام محمد حنیف لائل پور
مورخہ ۱۶ ستمبر ۶۳ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۹۲

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ مولانا احمد علی صاحب مرحوم کئی سال تک میرے خلاف مسلسل پروپیگنڈا کرتے رہے۔ مگر میں نے نہ ان کی زندگی میں کبھی ان کے خلاف کچھ لکھا اور نہ کہا۔ اگر آپ کے دوست میں کچھ سلامت روی موجود ہے تو ان سے پوچھیے کہ جس شخص کے خلاف یہ کچھ پروپیگنڈا ہوا ہے کیا اس کی کوئی تحریر یا تقریر مولانا احمد علی صاحب کے خلاف آپ نے دیکھی یا سنی ہے جس کا آپ حوالہ دے سکیں اور اگر وہ ایسی کوئی چیز پیش کریں تو مجھے بھی اس سے مطلع کیجیے، اور نہ پیش کر سکیں تو یہ رائے وہ خود قائم کریں کہ اس کے بعد بھی کیا اُن کی نگاہ میں میں ہی قابلِ ملامت ہوں؟ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ جس شخص میں کچھ بھی شرافت کی حس موجود ہو اس کا نقطۂ نظر اس معاملہ میں وہ نہ ہوگا جو آپ کے دوست نے اختیار کیا ہے۔

بنام محمد عبداللطیف، لاہور۔
۱۶ ستمبر ۶۳ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۶۳

محترمہ بہن! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط ملا۔ مجھے یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ آپ اس قدر ناسازگار ماحول میں تعلیم و تربیت پاکر بھی صحیح اسلامی جذبات وخیالات رکھتی ہیں۔ میرے لیے آپ کو یہ مشورہ دینا تو مشکل ہے کہ آپ آگے تعلیم پانے کی کوشش چھوڑ دیں، البتہ یہ مشورہ میں آپ کو دوں گا کہ آپ ساتھ کے ساتھ اسلامی لٹریچر کا مطالعہ بھی جاری رکھیں اور اپنے اندر اتنی قوتِ ارادی پیدا کرنے کی کوشش کریں کہ جس چیز کو آپ خود ایمانداری سے حق سمجھتی ہیں اسی کے مطابق آپ کی عملی زندگی بھی بسر ہو۔

لڑکیوں اور لڑکوں دونوں کے لیے ہم اچھی قسم کے تعلیمی ادارے قائم کرنے کی ضرورت خود بڑی شدت کے ساتھ محسوس کرتے ہیں، لیکن اس راہ میں سخت عملی مشکلات حائل ہیں۔ ذرائع و وسائل جس طبقے کے پاس ہیں وہ اس ضرورت کے احساس سے خالی ہے، اور جس طبقے کو اس کا احساس ہے اس کے پاس ذرائع کی بڑی کمی ہے۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

بنام راشدہ ممتاز صاحبہ، کراچی
مورخہ ۱۶ ستمبر ۶۲ء

۶۴

محترمی و مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ جن لوگوں کو اعتراض کی بیماری لگی؛ انھیں بہرحال کوئی نہ کوئی بات اعتراض کرنے کے لیے درکار

——— ہے اور وہ اسے کہیں نہ کہیں ڈھونڈ کر لے آتے ہیں۔ شاہ سعود کے اعمال اچھے ہوں یا بُرے، میرے اوپر آخر اس کی کیا ذمہ داری ہے۔ ایک مرتبہ انھوں نے مجھے مدینہ یونیورسٹی کا نصاب بنانے کے لیے طلب کیا تھا۔ میں اس کام کے لیے گیا اور چونکہ ان کا بلایا ہوا تھا اس لیے ان کا مہمان رہا۔ تین مرتبہ رابطۂ عالم اسلامی کی میٹنگ میں گیا اور تینوں مرتبہ رابطہ ہی کا مہمان رہا۔ یہ کام اگر کسی کے نزدیک گناہ ہے تو اسے اختیار ہے کہ مجھے گناہگار سمجھتا رہے۔ باقی رہی یہ بات کہ ان کو نصیحت کیوں نہ کی تو یہ سوال صرف مجھ ہی سے کیوں کیا جاتا ہے؟ یہ تو ہر اُس عالم سے کیا جانا چاہیے جو حج کے لیے گیا ہے۔ ان سب سے پوچھیے کہ کون کون اصحاب شاہ سعود کو نصیحت کر کے آئے ہیں؟

بنام ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب، ریاض آباد، ملتان

مورخہ ۱۷ ستمبر ۶۳ ء

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۶۵

عزیزم، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کے خط سے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ آجکل جرمنی میں تعلیم پا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو علم بھی دے اور صحیح راہ پر قائم بھی رکھے۔ آپ جب ایک ایسی سرزمین میں رہتے ہیں جہاں ہر طرف غیر مسلموں، اور وُہ بھی پڑھے لکھے، جنوں سے آپ کو سابقہ ہے، تو آپ کو چاہیے کہ کچھ نہ کچھ اسلامی لٹریچر اپنے ساتھ رکھیں اور بڑے بڑے مسائل پر کم از کم اتنی معلومات حاصل کر لیں جن کے ساتھ آپ غیر مسلموں سے بھی

اور ناواقفِ دین مسلمانوں سے بھی نمٹ سکیں۔ ورنہ آئے دن آپ کو کوفت اٹھانی پڑے گی اور ایک ایک بات کا جواب خطوط کے ذریعہ سے حاصل کرنا مشکل ہوگا۔ مختصراً آپ کے سوالات کا جواب لکھے دیتا ہوں۔

۱: تصویر خواہ ہاتھ سے بنائی گئی ہو یا فوٹو کیمرے سے لی گئی ہو، اگر جاندار کی ہے تو وہ اسلام میں ممنوع ہے۔ اسلام میں قابلِ اعتراض چیز وہ طریقہ نہیں ہے جس سے تصویر بنائی گئی ہو، بلکہ بجائے خود جاندار کی تصویر ہے۔ عرب ممالک کے لوگوں نے فوٹو کو جائز کر کے بڑی غلطی کی ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اب وہاں مجسمے تک بننے لگے ہیں اور شاہراہوں پر نصب ہونے لگے ہیں۔ حالانکہ کسی مسلمان ملک میں کبھی اس کا تصور تک نہ کیا جا سکتا تھا۔

۲: فیملی پلاننگ پر میری ایک مفصل کتاب موجود ہے جس کا نام ہے "اسلام اور ضبطِ ولادت"۔ اسے اگر آپ نے پڑھ لیا ہوتا تو آپ اس مسئلے پر بحث کرنے والوں کو منہ توڑ جواب دے سکتے تھے۔

۳: چار شادیوں کے متعلق جو لوگ اعتراض کرتے ہیں ان سے پوچھیے کہ کیا تم لوگ واقعی یک زوجی (Monogamy) پر عامل ہو؟ یا کبھی کوئی قوم عملاً یک زوج (Monogamous) رہی ہے؟ تمہاری یک زوجی صرف قانونی یک زوجی ہے۔ ورنہ تمہارے ہاں بڑی اکثریت عملاً کثیر الازدواج (Polygamous) ہے۔

اب صرف یہ سوال رہ جاتا ہے کہ قانونی کثرتِ ازدواج بہتر ہے یا غیر قانونی؟ غیر قانونی کثرتِ ازدواج کا لازمی نتیجہ کنواری مائیں اور حرامی بچے ہیں اور بے شمار عورتوں کا بے سہارا رہنا

اور محض مردوں کی خواہشات کا آلۂ کار بنتا ہے۔ قانونی کثرتِ ازدواج ہو تو بہرحال وہ ایک حد کے اندر رہے گی اور اس حد کے اندر ایک مرد جتنی بیویاں بھی کرے گا ان کی اور ان کے بچوں کی ذمہ داری سر پر اٹھائے بغیر محض خواہشاتِ نفس پوری نہ کر سکے گا۔ اعتراض کرنے والے جرمنوں سے پوچھیے کہ تمہارے پاس عورتوں کی زائد آبادی کے مسئلے کا آخر کیا حل ہے؟ جنگ میں تمہارے ہاں لاکھوں مرد مر چکے ہیں اور لاکھوں عورتیں مردوں سے زائد پائی جاتی ہیں۔ اس مسئلے کو تم قانونی یک زوجی کے ساتھ کیسے حل کر سکتے ہو۔

جن پادری صاحب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں پر اعتراض کیا ہے ان کو آپ بڑی اچھی طرح جواب دے سکتے تھے اگر آپ نے میری تفسیر سورۂ احزاب پڑھی ہوتی۔ اس میں اس مسئلے پر مفصل بحث موجود ہے۔ آپ دشمنوں کے درمیان ہتھیاروں کے بغیر رہتے ہیں۔ اس لیے آپ کو اور آپ کے ساتھی مسلمان نوجوانوں کو خواہ مخواہ زک اٹھانی پڑتی ہے۔

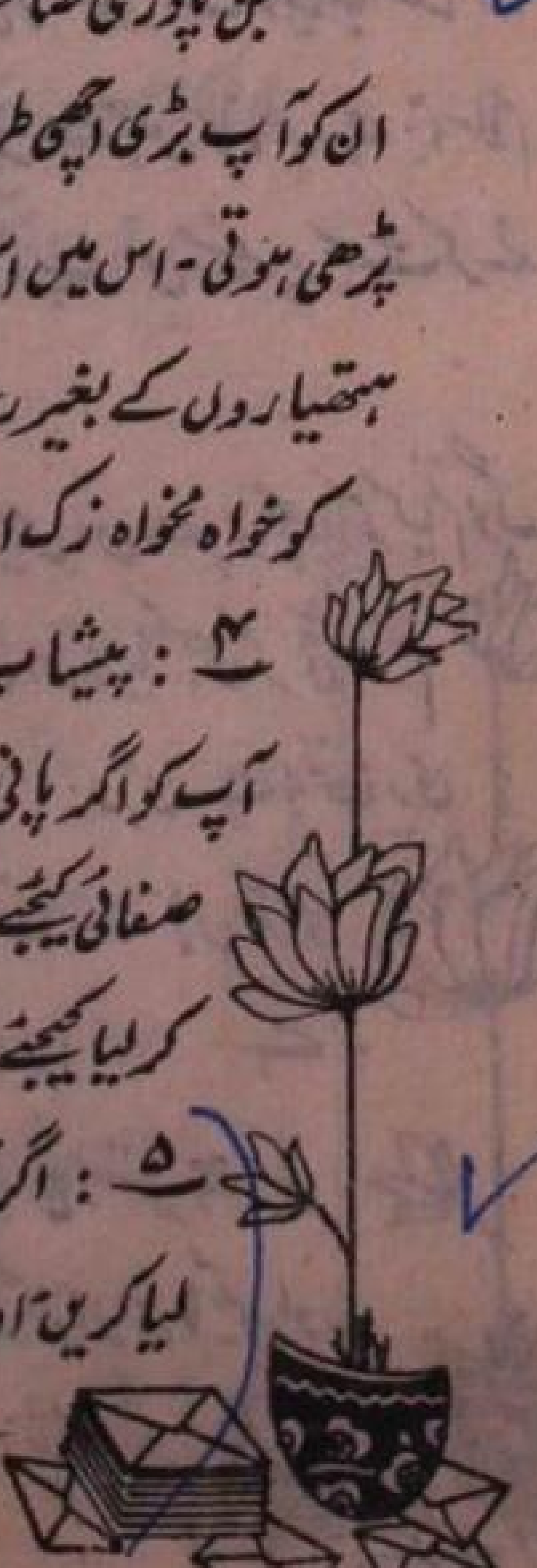

۴ : پیشاب کے بعد تو استنجا کے لیے کاغذ کافی ہے۔ البتہ پاخانہ کے بعد آپ کو اگر پانی سے دھونے کا موقع نہ مل سکے تو کاغذ ہی سے پہلے خشک صفائی کیجیے اور پھر کاغذ کے دو چار ٹکڑوں کو پانی میں بھگو کر چند مرتبہ صفائی کر لیا کیجیے۔

۵ : اگر نماز وقت پر پڑھنے کا موقع کبھی نہ ملے تو ظہر اور عصر ملا کر پڑھ لیا کریں اور اسی طرح مغرب اور عشا ملا کر۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب ظہر کا وقت آخر ہو اور عصر کا وقت شروع ہو رہا ہو تو

صرف دونوں وقتوں کے فرض اکٹھے پڑھ لیں اور ایسا ہی مغرب کے آخر وقت میں کیا کریں۔ اسے معمول نہ بنا لیجیے۔ بس ضرورت کے وقت اس پر عمل کر لیا کیجیے۔

ج٦ : آپ غذا میں صرف انڈا، مچھلی اور ترکاریاں استعمال کریں۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ مکھن اور پنیر میں سُور کس طرح شامل ہوتا ہے۔ بہر حال آپ کسی اسٹور سے معلوم کرلیں کہ خالص گائے کا مکھن بھی مل سکتا ہے یا نہیں۔

ج٧ : سردی خواہ کتنی ہی ہو، الکوہل کا استعمال نہ ضروری ہے نہ جائز۔ آپ لوگ اس کے بجائے کافی استعمال کر لیا کریں۔

بنام سیدہ ممتازہ اختر (جرمنی) — خاکسار

مورخہ ١٨ ستمبر ٦٣ء — ابوالاعلیٰ

٦٦

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمتہ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ جماعت اسلامی کے حلقہ خواتین میں بھی اور خود میرے گھر میں بھی عورتوں کا لباس نہ غیر شرعی ہے نہ مغربیت زدہ۔ البتہ ہمارے دیہاتی علاقوں اور پرانے طرز کے لوگوں کی خواتین خود اپنے ہی لباس کو شرعی لباس سمجھتی ہیں اور شہروں میں عورتوں کے جو لباس بھی ہیں، یا پنجاب سے باہر کے آئے ہوئے لوگوں کے ہاں جو لباس رائج ہیں ان سب کو وہ مغربی فیشن اور غیر شرعی سمجھتی ہیں۔ اس طرح کے تعصبات کو بہر حال دور ہونا چاہیے اور کسی لباس کے شرعی ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ

احکامِ شریعت کے لحاظ سے ہونا چاہیے نہ کہ کسی خاص علاقے کے رسم و رواج سے۔
جن لوگوں کو ہمارے ہاں کی عورتوں کے لباس پر اعتراض ہے وہ بتائیں کہ کیا چیز ان کے نزدیک غیر شرعی ہے۔

بنام حکیم محمد حسن ڈاکٹر ہومیو، شجاع آباد — خاکسار

مؤرخہ ۱۸، ستمبر ۶۳ء — ابوالاعلیٰ

۶۷

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ آپ نے جن عالم صاحب کے خط کا اقتباس بھیجا ہے خود اُسی اقتباس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان لوگوں کے اندر انصاف کی کس قدر کمی، بلکہ فقدان ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک جماعت (یعنی جماعت اسلامی) شخصی وقار کے تحفظ کے لیے اپنے مقام سے ہٹنے کو خلافِ شان سمجھتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ان کا مطلب یہ ہے کہ ہم گالیاں، بہتان و افترا اور شب و روز کے مخالفانہ پروپیگنڈا پر اگر صبر کرتے ہیں اور جواب میں کوئی گالی نہیں دیتے، کوئی الزام نہیں لگاتے اور کوئی پروپیگنڈا کی مہم نہیں چلاتے تو یہ شخصی وقار کا تحفظ ہے۔ اس کے بجائے ہمیں یہ کرنا چاہیئے کہ ان جھوٹے اور بدزبان مخالفین کے آگے جا کر ہاتھ جوڑیں۔ پھر وہ فرماتے ہیں کہ دوسری جماعت (یعنی مولوی غلام غوث صاحب کی جمیعت العلماءؒ) متنازعہ مسائل پر سکوت کو خلافِ وقارِ شریعت جانتی ہے۔

یہ بات ایک خدا ترس عالم دین کے قلم سے تو نہیں نکل سکتی البتہ ایک ایسے شخص کے قلم سے ضرور نکل سکتی ہے جو خود گروہی تعصّب میں اندھا ہو چکا ہو۔ ان عالم صاحب سے پوچھیے کہ میرے اوپر شاہ سعود کے ذریعہ سے ۲۲ لاکھ روپیہ امریکہ سے لینے کا سراسر جھوٹا الزام کیا وقارِ شریعت کے تحفظ کے لیے لگایا گیا تھا؟ واقعہ یہ ہے کہ علماء کے گروہ میں سے جو لوگ صریح جھوٹ بولتے اور اخلاق کے سارے حدود پھاند کر علی الاعلان گالیاں بکتے پھرتے ہیں ان کو میں شریف انسان نہیں سمجھتا کجا کہ دین کے کسی معاملہ میں ان کے ساتھ اتحاد کو جائز سمجھوں۔ یہ لوگ اپنی اور دین کی عزت کے دشمن بن چکے ہیں۔ لہٰذا جب تک ان کا جی چاہے یہ میری اور جماعت اسلامی کی مخالفت کرتے رہیں۔ آخر کار ان کو خود معلوم ہو جائے گا کہ انھوں نے دین کے وقار کی خدمت کی ہے یا خود اپنا وقار کھویا ہے۔ میں آپ سے صاف عرض کیے دیتا ہوں کہ میں اس گروہ سے کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ باقی رہے مخلص علماءؒ تو وہ برابر جماعت کی طرف کھچے چلے آرہے ہیں اور انشاء اللہ روز بروز جماعت میں ان کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی۔

بنام مولانا راحت گل صاحب، اکوڑہ خٹک — خاکسار

مورخہ ۱۸، ستمبر ۶۳ء — ابوالاعلیٰ

۶۸

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ تفسیر سورہ نور میں جو کچھ میں نے

لکھا ہے اس پر اگر آپ کا اطمینان نہیں ہے تو جو کچھ آپ صحیح سمجھتے ہیں وہی سمجھتے رہیں۔ کچھ ضروری نہیں ہے کہ میری ہر بات کو ہر شخص قبول کرلے۔ باقی رہی وہ بات جو میں نے لکھی ہے تو اس کی صحت پر میں خود پوری طرح مطمئن ہوں۔ مگر میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ ایک ایک مسئلے پر لوگوں سے بحث کرتا رہوں۔[1]

بنام ابن بشیر دہلوی، ملتان — خاکسار

مورخہ ۲۱ ستمبر ۶۳ء — ابوالاعلیٰ

۶۹

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ جن حضرات کو اعتراض کرنے کی بیماری لگی ہوئی ہے وہ ہر ممکن طریقہ سے اعتراض کی گنجائش نکالتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی جواب دہی آخر کہاں تک کی جاسکتی ہے۔

مشرقی پاکستان کے سیلاب زدگان کی اعانت کے لیے مغربی پاکستان کے ہر حصے میں لوگوں سے امداد لی گئی تھی۔ ڈیڑھ لاکھ روپیہ اور ہزار ہا روپے کا سامان

---

[1] سورہ نور آیت ۱۱، حاشیہ ۸ میں واقعہ افک کی تشریح کرتے ہوئے آخر میں مولانا محترم نے استدلال کیا ہے کہ حضورؐ عالم الغیب نہیں تھے جو کچھ اللہ تباتا تھا، آپؐ وہی کچھ جانتے تھے۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ کے معاملہ میں ایک مہینہ تک آپؐ کو جو پریشانی لاحق رہی اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے۔ مکتوب الیہ نے اس پر اعتراض کیا تھا۔ ان کے خیال میں حضرت عائشہؓ صدیقہ کے بارے میں علم تو پہلے سے تھا مگر حضورؐ مصلحتاً خاموش رہے۔ (مرتب)

بھیجا گیا تھا۔ اب اگر ہم عوام کو اس کا حساب دیتے ہیں کہ جو کچھ لوگوں نے دیا تھا اس کو اِس طرح صرف کیا گیا، تو یہ لوگ اسے ڈھنڈورا پیٹنے سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہم خاموش رہتے اور کوئی حساب نہ دیتے تو یہی لوگ کہتے کہ سارا روپیہ اور سامان جماعت اسلامی ہضم کر گئی اور حساب تک نہ دیا۔

ایسا ہی معاملہ اُن ہفتہ وار رپورٹوں کا ہے جو جماعت کے ایک ایک فرد سے ہفتہ وار اجتماعِ ارکان میں لی جاتی ہیں۔ اس کی غرض یہ ہے کہ ایک ایک رکن کی کارکردگی کا محاسبہ کیا جائے اور جو رکن بھی سُستی دکھا رہا ہے اس کی سُستی دُور کی جائے۔ نیز جماعت کو برابر معلوم ہوتا رہے کہ اس کے ارکان کوئی کام کر رہے ہیں یا نہیں، اور کر رہے ہیں تو کیا کر رہے ہیں۔ ایسی چیز کو ایک بدگمان آدمی ریاکاری بھی قرار دے سکتا ہے۔ لیکن وہ یہ بھول جاتا ہے کہ جس خدا نے ریاکاری کو برا کہا ہے اسی نے بدگمانی سے بھی روکا ہے۔

تربیتی اجتماعات میں تہجُّد و نوافل کا اہتمام اس غرض کے لیے کیا جاتا ہے کہ ارکانِ جماعت کو ان چیزوں کی عادت پڑے۔ اس مقصد کے لیے کوشش کی جائے تو یہ عیب چین حضرات اسے ریاکاری قرار دیتے ہیں۔ کوشش نہ کیجیے تو یہی لوگ پرچار کرتے ہیں کہ جماعت اسلامی تو بس ایک سیاسی جماعت ہے، روحانیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ دینداری کے مدّعی طبقے جب دوسروں کے عیب ڈھونڈنے اور ان کی نیکی کو بھی بدی بنانے پر اس طرح تل گئے ہوں تو آدمی کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ صبر کرے

اور اپنے اور ان کے معاملے کو اللہ پر چھوڑ کر بس اپنے کام میں لگا رہے۔ ساری ہار جیت اسی دنیا میں نہیں ہو جاتی ہے۔ آخرت چاہے کسی کو یاد ہو یا نہ ہو، بہر حال وہ آ کر رہے گی۔ اس وقت ہر ایک اپنا حساب خود دے لے گا۔ اگر ہم ریاکاری کر رہے ہیں تو ہمارے اعمال حَبط ہو جائیں گے۔ اور اگر یہ لوگ بغض و حسد کی بنا پر یا گروہی تعصّبات کی بنا پر ہمیں بدنام کر رہے ہیں تو اپنا انجام خود دیکھ لیں گے۔

بنام مولانا سعدالدین صاحب، مردان — خاکسار

مورخہ ۲۵، ستمبر ۶۲ء — ابوالاعلیٰ

(۷۰)

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آپ اپنے تجربے کی بنا پر یہ محسوس کر چکے ہیں کہ وکالت ایمانداری کے ساتھ نہیں چل سکتی، اور آپ کے پاس بسر اوقات کے لیے ایک دوسرا ذریعہ بھی موجود ہے تو پھر آپ جان بوجھ کر ایک ناجائز ذریعہ معاش اختیار نہ کریں[۱]۔

ایک شیعہ اگر حنفی حصہ داروں کے ساتھ قربانی میں شرکت کرنا چاہے تو اس میں کوئی شرعی حکم مانع نہیں ہے۔

بنام چودھری محمد یار صاحب، چک سیدے ہلکوال، ضلع گجرات — خاکسار

مورخہ ۹، اکتوبر ۶۲ء — ابوالاعلیٰ

---

[۱] کوئی شخص اگر حصولِ انصاف میں مدد بہم پہنچانے کے لیے ایمانداری کے ساتھ پیشۂ وکالت

۷۱

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ جو بات میں نے کہی ہے وہ یہ ہے کہ اگر اسلام کے کسی قاعدے یا حکم پر عمل درآمد کرنے میں ایسی مشکلات ہوں جنھیں دُور نہ کیا جا سکتا ہو تو اُس پر عمل درآمد کو اس وقت تک ملتوی رکھا جا سکتا ہے جب تک وہ مشکلات دُور نہ ہوں۔ اسی طرح کسی قاعدے یا حکم پر کسی خاص حالت میں عمل کرنے سے اگر بڑی قباحت پیدا ہوتی ہو جو خود شریعت کی نگاہ میں بڑی قباحت ہو، تب بھی اس پر عمل درآمد کرنے سے احتراز کیا جائے گا۔ اس کی متعدد مثالیں بھی میں نے اپنے مضمون میں دی ہیں[1] اور یہ بات تنہا میں نے ہی نہیں لکھی ہے بلکہ اس سے پہلے متعدد فقہاء بھی یہی بات کہہ چکے ہیں۔

بنام جناب ولی حسن صاحب ٹونکی، لیاقت آباد کراچی

مورخہ ۵، اکتوبر ۶۳ء

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۷۲

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ مقام ابراہیم کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قبلہ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ آپ اسی مقام پر نماز ادا فرمایا کرتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۲) اختیار کرے تو مولانا محترم کے نزدیک پاکستانی عدالتوں میں پیشہ جائز ہے۔
(مرتب)

[1] ترجمان القرآن جولائی ۱۹۵۹ء، عنوان حکمت عملی اور اختیار اہون البلیتین کی تشریح
(مرتب)

تھے اور یہیں سے جماعت کی امامت بھی کراتے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ امام کسی اور جگہ کھڑا ہو تو نماز نہیں ہوگی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ جگہ اس کے لیے سب سے زیادہ موزوں ہے، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے اور اللہ کا حکم ہے کہ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى۔

یہ بات ملحوظ رکھیے کہ آج جس مقام کو مقامِ ابراہیم کہا جاتا ہے اصل مقام ابراہیم وہ نہیں ہے بلکہ خانہ کعبہ کی دیوار سے متصل ہے۔ جو پتھر آج مقام ابراہیم پر رکھا ہوا ہے یہ پہلے دیوار کعبہ سے متصل رکھا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اسے وہاں سے ہٹا کر اس کے اصل مقام کی سیدھ میں موجودہ جگہ پر رکھوا دیا گیا تھا۔

بنام عبدالاحد صاحب، پشاور — خاکسار

مورخہ ۱۲ اکتوبر ۶۳ء — ابوالاعلیٰ

۷۳

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ (غیر مسلموں کو اسلامی ریاست میں حقِ تبلیغ دیے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ایک غیر مسلم اپنے مذہب کے متعلق اسلامی حکومت میں رہتے ہوئے کتاب لکھ سکتا ہے، اور رسالہ شائع کر سکتا ہے، کیونکہ اسے حق پہنچتا ہے کہ اپنے ہم مذہبوں کو اپنے مذہب کی تعلیم دے۔ نیز وہ یہ بھی بیان کر سکتا ہے کہ وہ اسلام کو کیوں قبول نہیں کرتا۔ قبول نہ کرنے کے اسباب اور اپنے شبہات کو

وہ حدودِ قانون کے اندر رہتے ہوئے بیان کرنے کا حق رکھتا ہے۔

بنام ڈاکٹر عبدالخالق صاحب، ملتان — خاکسار

مورخہ ۱۴ اکتوبر ۶۲ء — ابوالاعلیٰ

۴۷

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا مفصل عنایت نامہ ملا۔ دراصل میں نے متبعین کی کثرت و قلّت کو نبی کی کامیابی و ناکامی کا معیار قرار نہیں دیا ہے۔ بلکہ یہ بات کہی ہے کہ مکہ معظمہ کی ۱۳ سال کی زندگی میں آخر اسلام قبول کرنے والوں کو کیا چیز منافقانہ ایمان لانے پر مجبور کر سکتی تھی۔ اور ہجرت کے بعد سے لے کر جنگِ حُنین تک جن سخت حالات سے دعوت اسلامی گزری ان میں صحابہ کرامؓ کے اخلاصِ ایمانی کے بغیر جہاد کی کامیابیاں کیسے ممکن تھیں۔ اس لیے یہ سخت ناروا بات ہے کہ اہلِ بیت اور گنتی کے چند صحابہ کو مستثنیٰ کرکے باقی سب صحابہ کو منافق قرار دیا جائے۔

ایمانداری کے ساتھ اگر آپ کچھ کہہ سکتے ہیں تو وُہ صرف یہ ہے کہ خلافت کے معاملہ میں صحابہ کی اکثریت نے اپنے اجتہاد سے جو فیصلہ کیا اسے آپ غلط سمجھتے ہوں تو غلط قرار دے دیں اور آپ کے نزدیک جو بات صحیح ہو اسے صحیح کہیں۔ لیکن سابقین بالایمان کی نیتوں پر حملہ کرنا اور ان کے ایمان تک کا انکار کر دینا سخت زیادتی بھی ہے اور ایسی باتیں کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی بازپرس سے

ڈرنا چاہیے۔

بنام سید محمد محی الدین حسنی صاحب، پیر الٰہی بخش کالونی کراچی
مورخہ ۲۰، نومبر ۶۳ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۷۵

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ اسلام میں ارکانِ شوریٰ کے انتخاب کا کوئی طریقہ مقرر نہیں کر دیا گیا ہے۔ بس یہ اصول مقرر کیا گیا ہے کہ معتمد علیہ لوگوں سے مشورہ کیا جائے۔ عملاً ہر زمانے کے حالات اور ضروریات کے مطابق انتخاب کا کوئی طریقہ قوم کے اہلُ الرائے اختیار کر سکتے ہیں جس سے یہ اطمینان ہو سکے کہ معتمد علیہ لوگ منتخب ہوں گے۔

یہی جواب آپ کے سوال نمبر ۱-۲ کا ہے۔ سوال نمبر ۳ کا جواب یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں خلفاء تا زندگی خلیفہ رہے ہیں، مگر یہ کوئی شرعی حکم نہیں ہے کہ لازماً ایسا ہی ہونا چاہیے، اور نہ امیر کے دورِ امارت کے لیے مدت کا تعین کسی شرعی حکم کے خلاف ہے۔

بنام محمد ابراہیم کمیرپوری پتوکی، ضلع لاہور
مورخہ ۲۲، نومبر ۶۳ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۷۶

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ میرے متعلق آپ نے جس

حسنِ ظن کا اظہار فرمایا ہے اس کے لیے میں تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے فی الواقع اس حسن ظن کے قابل بنائے اور دینِ حق کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق بخشے۔

بنام احمد فقیر صاحب میمن گیسٹ ہاؤس، کراچی — خاکسار

مورخہ ۷، نومبر ۶۳ء — ابوالاعلیٰ

۷۷

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ ایک قادیانی عورت سے ایک مسلمان مرد کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ آپ کا نکاح اگر کر دیا گیا ہے تو اس پیچیدگی کا صرف ایک ہی حل ہے اور وہ یہ کہ آپ کی بیوی قادیانیت سے توبہ کریں۔ بصورت دیگر علیحدگی کے سوا چارہ نہیں۔

محمد اسلم بھٹی صاحب، سرگودھا — خاکسار

مورخہ ۷، نومبر ۶۳ء — ابوالاعلیٰ

۷۸

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آنجناب نے خود ملاحظہ فرمایا ہے کہ ایک طرف علمائے سُو اور دوسری طرف مشائخ دنیا سے کیا کام لیا جا

رہا ہے۔ میں نے تو فیصلہ کر دیا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کے بھروسے پر اپنا کام کیے جاؤں گا۔ اب یہ علمائے حق اور سچے سالکانِ راہِ معرفت کا کام ہے کہ وہ حق کی سربلندی کے لیے مجتمع ہوں۔ اللہ کے فضل سے اہلِ حق اب بھی کم نہیں ہیں۔ ضرورت صرف ان کے متفق و متحد ہونے کی ہے۔

بنام پیر ولایت محمد صاحب۔ بجوعیہ شریف (ہزارہ)
مورخہ ١٦ ستمبر ٦٣ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۷۹

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ دینی احکام کے ہر ہر جُز کے متعلق یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم کو اس کی حکمت بھی معلوم ہو۔ اس طرح تو یہ سوال بھی کیا جا سکتا ہے کہ نماز میں اگر پیشانی زمین پر نہ ٹکائی جائے تو کیا کمی رہ جائے گی اور روزہ مغرب سے دو منٹ پہلے کھول لیا جائے تو کیا بگڑ جائے گا۔

٢۔ اگر آپ اس بات پر مطمئن ہیں کہ ایک نبی پر ایمان لانے والوں اور اس کا ساتھ دینے والوں کا پورا گروہ (اس کے اپنے اہلِ بیت اور چار پانچ دوسرے افراد کے سوا) منافقوں پر مشتمل ہو تو اس سے نبی پر کوئی حرف نہیں آتا تو آپ کو اپنا خیال مبارک رہے۔ مگر اس بات کا آپ کے پاس کیا جواب ہے کہ مکہ معظمہ کے ١٣ سالوں میں اور مدینہ طیبہ کے ابتدائی آٹھ سالوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آخر وہ کیا

ذرائع تھے جن کی وجہ سے یہ پورا گروہ صحابہ منافقانہ آپ کا ساتھ دینے پر مجبور ہو گیا تھا؟ اور ان منافقوں کو ساتھ لے کر آپ کو کفار کے مقابلے میں پے در پے کامیابیاں آخر کیسے حاصل ہو گئیں؟ ان امور پر مجھ سے بحث کرنے کے بجائے آپ خود ہی غور فرماتے رہیں اور آپ کی عقل جس بات پر مطمئن ہو اسے مانتے رہیں۔

بنام شیر محمد شاہ صاحب،
پاک پتن، ضلع منٹگمری
۳۰ نومبر ۶۲ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۸۰

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آپ کے پیغام ہمدردی کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کے بھروسے پر کام کر رہے ہیں اور اپنے آپ کو ہم نے اسی کے حوالے کر دیا ہے۔ ہمیں بہر حال حق کے لیے کام کرنا ہے اور اس راہ میں جو کچھ بھی آئے اس کے لیے ہم تیار ہیں۔ جس مرحوم کی قربانی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی ہے وہ ہمارے لیے باعثِ رشک ہے۔ ہماری دلی تمنا ہے کہ اللہ ہم سب کو راہ حق میں جان قربان کرنے کی توفیق دے۔[1]

بنام نور محمد صاحب، ڈھاکہ
مورخہ ۲۰ نومبر ۶۲ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

---

[1] بر ... میں جماعت اسلامی کے سالانہ اجتماع منعقدہ بیرون بھاٹی دروازہ

٨١

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ میری وضاحت سے آپ کی غلط فہمیاں رفع ہو گئی ہیں۔ انشاء اللہ اس سے ہر اس شخص کی غلط فہمی رفع ہو جائے گی جو نیک نیتی کے ساتھ محض بر بنائے ناواقفیت مجھ سے بدگمان تھا۔

کشمیر کے ساتھ میرا تعلق درحقیقت وہی ہے جو میرے اپنے جسم کے کسی حصّے کا تعلق میرے ساتھ ہے۔ جس طرح میں اپنے جسم کے کسی حصّے کا قطع کیا جانا گوارا نہیں کر سکتا، اسی طرح کشمیر کی جدائی بھی گوارا نہیں کر سکتا۔ لیکن اپنے جسم کی حفاظت بھی میں شریعت و اخلاق کے حدود میں رہ کر ہی کرنا ضروری سمجھتا ہوں، اور اسی طرح میں اس کی حفاظت کے لیے حکمت و دانائی سے ہی تدبیر کروں گا، نادانی کے ساتھ کوئی کام نہ کروں گا۔

جہاں تک سابق ریاست جموں و کشمیر کے باشندوں کا تعلق ہے (خواہ وہ اب آزاد کشمیر میں ہوں یا مقبوضہ کشمیر میں) ان کا یہ حق شریعت اور اخلاق کے لحاظ سے بالکل ناقابلِ انکار ہے کہ وہ اپنے وطن کو ہندوستان کے غاصبانہ قبضے سے نکالنے کے لیے جہاد کریں۔ کوئی ان

(بقیہ حاشیہ خط ۸۰) لاہور میں جو غنڈہ گردی کرائی گئی تھی، اس میں پستول کی گولی لگنے سے ایک رکن اللہ بخش شہید ہو گئے تھے۔ اس پر مکتوب الیہ نے اظہارِ ہمدردی اور مرحوم کی تعزیت کا خط مولانا محترم کو لکھا تھا۔ (مرتب)

کا یہ حق ان سے سلب نہیں کر سکتا۔ اور وہ شرعاً و اخلاقاً ان معاہدات کے پابند نہیں ہیں جو پاکستان نے کسی سے کیے ہوں۔ نیز باشندگانِ پاکستان کے لیے بھی شریعت و اخلاق کے لحاظ سے یہ بالکل جائز ہے کہ وہ اپنے کشمیری بھائیوں کو اس کام میں ہر طرح سے مدد دیں۔ البتہ عملاً جنگ کرنے یا نہ کرنے کے معاملہ میں پاکستان کے باشندے اپنی حکومت کے پابند ہیں۔ وہ جنگ کرے تو ہم جنگ کریں گے، اور اگر وہ جنگ سے باز رہے تو ہمیں بھی باز رہنا ہوگا۔ بین الاقوامی تعلقات میں اسلام ہمیں اُن تمام معاہدات کا پابند کر دیتا ہے جو ہماری قوم نے اپنی حکومت کے توسّط سے دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ کیے ہوں۔

بنام اے آر قیصر صاحب،

چیف آرگنائزر ہائی کمان کشمیر جہاد کونسل،

قصر المجاہدین پشاور،

مورخہ ۳، نومبر ۶۳ء

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۸۲

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ مخلوط اور جداگانہ انتخاب اور بنیادی حقوق کے معاملہ میں آپ نے جو اعتراضات کیے ہیں ان کا مختصر جواب یہ ہے کہ جہاں تک اُصولِ اسلام کا تعلق ہے، میں نے ان دونوں معاملات میں ان کو ہمیشہ صاف صاف بیان کیا ہے۔ جیسا کہ میری

کتاب "اسلامی ریاست" کے مطالعہ سے آپ پر واضح ہو سکتا ہے۔ لیکن جہاں تک عملاً ملک کے دستوری معاملات میں ان اصولوں کو تسلیم کرانے کا تعلق ہے، میں اس میں تدریج سے کام لینا زیادہ مناسب سمجھتا ہوں۔ کیونکہ حالات پوری بات کو بیک وقت تسلیم کرانے کے لیے سازگار نہیں ہیں، اور سو فی صدی حاصل کرنے پر ایسا اصرار جس سے ایک فیصدی بھی حاصل نہ ہو سکے عقلمندی نہیں ہے۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اس روش کے اختیار کرنے سے الٹا اندیشہ یہ ہے کہ بعض نہایت قبیح نتائج سے ہمیں دوچار ہونا پڑے گا۔ مثلاً غیر مسلموں کو سرے سے ووٹ کا حق نہ دینے پر اگر ہم اصرار کریں تو اس میں کامیابی کا امکان نہیں ہے۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ مخلوط انتخاب ہم پر مسلط ہو جائے گا جس کے بعد یہاں اسلامی حکومت قائم کرنے کے امکانات ہی ختم ہو جائیں گے کجا کہ ہم کسی وقت غیر مسلموں کے حق رائے دہی کو ختم کرا سکیں۔ اسی طرح بنیادی حقوق میں سے اگر ہم تبلیغِ کفر کے حق کو خارج کرانے کی کوشش کریں تو اس وقت اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔ لیکن اس پر اصرار کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہاں سرے سے کسی جدوجہد اور تحریک چلانے کے مواقع ہی ختم ہو جائیں گے۔ انہی وجوہ سے ہم اپنے مقصود کی طرف درجہ بدرجہ آگے بڑھنا زیادہ مناسب سمجھتے ہیں۔ اس کو اگر آپ یہ معنی پہناتے ہیں کہ ہم سرے سے اسلامی دستور ہی کے خواہاں نہیں ہیں تو آپ کو سوچنے اور بولنے سے کون روک سکتا ہے۔

تصوّف کے بارے میں میری عبارتوں پر آپ نے جو اعتراض

کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک آدمی کے لیے دو انتہاؤں میں سے کسی ایک پر جانا ہی ضروری ہے۔ یا تو وہ حضرت مجددِ صاحبؒ اور شاہ صاحب کے سارے کارنامے پر پانی پھیر کر ان کی قطعی مذمت کر دے، یا پھر ان کے کام کو معصوموں کا کام قرار دے جس میں کسی پہلو سے نقص کا امکان نہ ہو۔ رہی یہ بات کہ آدمی خوبیوں کا بھرپور اعتراف بھی کرے اور ساتھ ساتھ نقص کے پہلوؤں کی طرف اشارہ بھی کر دے، تو یہ طریقہ آپ کے ذہن کو اپیل نہیں کرتا۔ اس حالت میں آپ ہی مجھے بتائیں کہ میں آپ کو کیسے مطمئن کر سکتا ہوں۔

بنام ایس ایم الیاس، کالے منڈی ملتان — خاکسار

مورخہ ۲۸، دسمبر ۶۳ء — ابوالاعلیٰ

۸۳

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ مختصر جواب حاضر ہے۔

آپ کو غالباً یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ حضرت خالدؓ نے اُحد کے پیچھے سے چکر کاٹ کر اس وقت حملہ کیا تھا جب اُنھوں نے دیکھا کہ غنیمت لُوٹنے کے لیے تیر انداز جَبَلِ رُماۃ پر سے ہٹ گئے ہیں۔ اسی لیے آپ نے حساب لگا کر دیکھا کہ آیا اتنی سی دیر میں حضرت خالدؓ کے رسالہ کا دستہ چکر کاٹ کر آ بھی سکتا ہے یا نہیں۔ حالانکہ در اصل وہاں سے Strategy[1] ہی ہو سکتی تھی کہ

۱؎ فوجی حکمتِ عملی (مرتب)

قریش سامنے سے لڑتے رہیں اور ان کا ایک دستہ اُحد کے پیچھے سے آکر مسلمانوں کے عقب میں حملہ آور ہو۔ اسی لیے انھوں نے اس دستے کو پہلے ہی اُحد کے دوسری جانب بھیج رکھا تھا تاکہ جب موقع ملے وہ عقب سے حملہ کر دیں۔ اور اسی کی پیش بینی فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ سے پہلے جبلِ رُماۃ پر تیر انداز بٹھا دیے تھے۔ اور ان سے فرمایا تھا کہ خواہ ہماری بوٹیاں ہی نہ کر دی جائیں، تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔

بنام نثار احمد قریشی صاحب ریٹائرڈ بریگیڈیر (سیالکوٹ) — خاکسار

مورخہ ۱۹ار فروری ۱۹۶۸ء — ابوالاعلیٰ

۸۴

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آپ مولانا عبدالماجد دریابادی اور عبداللہ یوسف علی اور پکتھال کے ترجموں کو ایک ساتھ پڑھیں تو انشاء اللہ قرآن کے مطالب سمجھنے میں سہولت ہو گی۔ محمد علی لاہوری احمدیوں کے گروہ سے تھے۔ ان کا ترجمہ و تفسیر گمراہیوں سے پاک نہیں ہے۔ اس لیے قرآن کے طالب علم کے لیے وہ قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

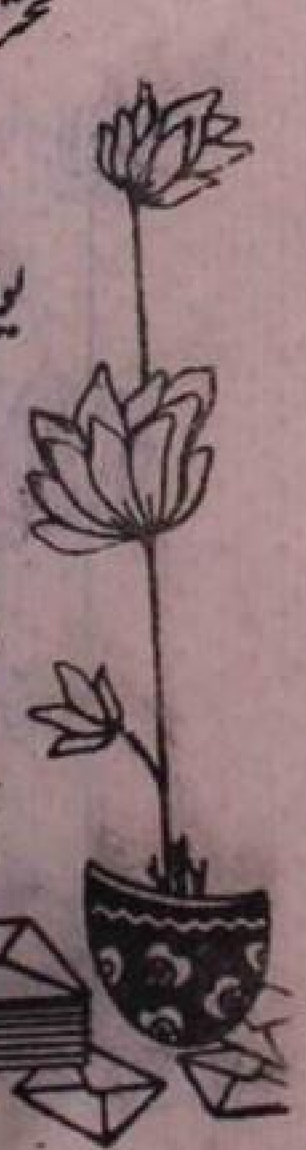

بنام باب الدین صاحب، میرپور خاص — خاکسار

مورخہ ۳۰ دسمبر ۶۳ء — ابوالاعلیٰ

۸۵

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا - آپ نے بد دعا یا مباہلہ کی جو صورت لکھی ہے حق اور صداقت کا فیصلہ اس طرح کی دعاؤں یا بد دُعاؤں کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا بلکہ فہم و شعور سے کرنا چاہیئے - ابوجہل کی مثال ہر شخص کے معاملہ پر چسپاں نہیں ہو سکتی - اس لیے کہ اُس پر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اِتمام حجت کر چکے تھے اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ہر طرح کی شرارتیں کر کے اپنے آپ کو اللہ کے غضب کا مستحق بنا لیا تھا - اگر وہ یہ مشروط بددعا اپنے حق میں نہ بھی کرتا تو اللہ تعالیٰ کا غضب اس پر نازل ہوتا - اب یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنے حق میں اگر اس طرح کی بدُ دعا کرے جو آپ نے لکھی ہے تو وُہ ضرور اپنی دعا کے مطابق مر ہی جائے - نہ اس کا مر جانا اسلام کے برحق ہونے کی دلیل ہوگا اور نہ اس کا مرنا اسلام کے باطل ہونے کی دلیل -

بنام شیخ محمد حنیف ٹیکسٹائل ملز لائل پور

۴ جنوری ۱۹۶۴ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

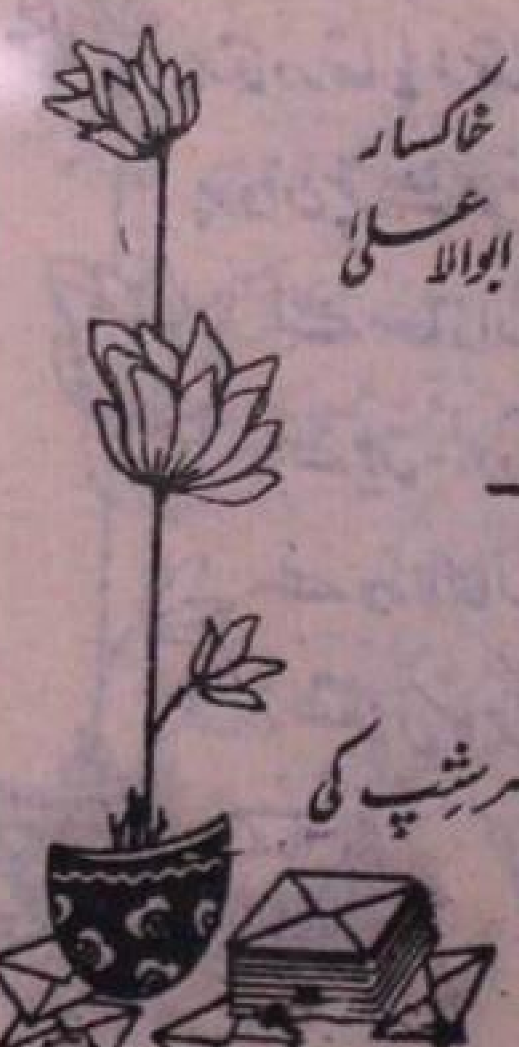

۸۶

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا خط کئی مہینے پہلے مجھے جیل میں ملا تھا - مگر وہاں سنسر شپ کی جو قیود تھیں ان کی وجہ سے میں نے سرے سے خط و کتابت

ہی چھوڑ دی تھی۔ اس لیے دوسرے سینکڑوں خطوط کی طرح آپ کے خط کا بھی جواب نہیں دیا۔ اب یہ مختصر جواب آپ ہی کے خط پر دے رہا ہوں تاکہ آپ کے سامنے اپنی بات بھی رہے اور میرا جواب بھی۔

آپ نے جس الجھن کا ذکر فرمایا ہے اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے علم اور اس کی حکمت کے تقاضوں میں تطبیق کے بجائے تناقض تلاش کرنے کی فکر میں پڑ گئے ہیں، اور اس فکر نے آپ کو ایسے مقام پر لا کھڑا کیا ہے جہاں ان میں سے کسی ایک کا انکار کیے بغیر آپ کے لیے چارہ نہیں ہے۔ آپ اس امرِ واقعی کا انکار تو بہرحال نہیں کر سکتے کہ اس دنیا میں شرور پائے جاتے ہیں۔ شیطان موجود ہے۔ کفر، شرک، دہریت، اور دوسری اعتقادی ضلالتیں موجود ہیں۔ قتل و خونریزی، چوری، ڈاکہ زنا، عملِ قومِ لوط اور اسی طرح کی بے شمار دوسری اخلاقی خرابیاں موجود ہیں۔ نیکی کے مقابلے میں بدی کی قوتیں ہر طرف علانیہ کام کر رہی ہیں اور ان کی بدولت طرح طرح کے ظلم رونما ہو رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ خدا ایسی دنیا پیدا کرنے پر قادر تھا یا نہ تھا جس میں یہ برائیاں وجود میں نہ آئیں اور ان کے بغیر خیر کو پروان چڑھنے کا موقع ملتا۔ اگر وہ قادر تھا اور اس نے ایسا نہ کیا تو آپ اسے معاذ اللہ حکمت اور عدل اور خیر سے عاری ثابت کیے بغیر کیسے رہ سکتے ہیں۔ اور اگر وہ اس پر قادر نہ تھا تو پھر آپ کے طرزِ استدلال کی رو سے وہ لامحالہ عاجز ہی قرار پاتا ہے۔ یہ لازمی نتیجہ ہے منطق کے ایسے استعمال کا جو صفاتِ الٰہی میں تطبیق کے بجائے تناقض تلاش کرنے کی طرف انسان کو لے جائے۔ میں نے اس کے برعکس تطبیق کی

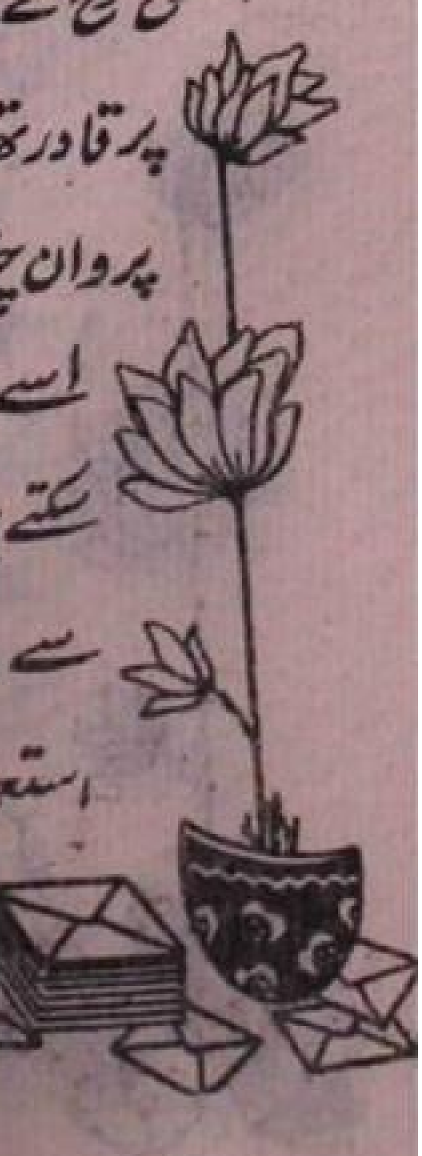

کوشش کی ہے اور یہ سمجھانا چاہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ دنیا میں شرور کے پائے جانے سے گھبرانا نہ چاہیئے بلکہ اس کی حکمت پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ جب اس نے دنیا کا یہ نظام اس طرح بنایا ہے تو ضرور حکمت کا تقاضا ایسے ہی نظام کی تخلیق ہوگا۔ اور اس کے سوا کوئی دوسرا خالی از شرور نظام بنانا خلافِ حکمت ہوگا۔ میری اس توجیہ سے اگر آپ کا اطمینان نہیں ہے تو آپ دو صورتوں میں سے ایک صورت اختیار فرمائیں۔ یا تو تطبیق کی کوئی دوسری بہتر شکل تجویز کر کے میری رہنمائی کریں، یا پھر خدا کے متعلق یہ فیصلہ کر دیں کہ آیا وہ قدرت سے خالی ہے یا حکمت سے؟

بنام فضل الرحمٰن ادیب، موسیٰ لائن کراچی — خاکسار

مورخہ ۵، نومبر ۶۴ء — ابوالاعلیٰ

۸۷

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

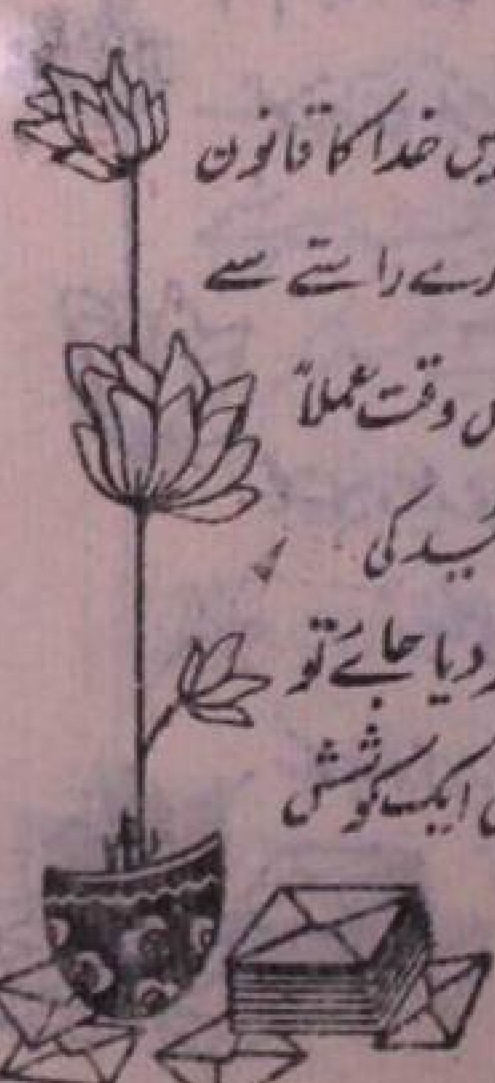

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ ہمارا یہ مقصد کہ خدا کے ملک میں خدا کا قانون جاری ہو، اس کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا کہ موجودہ آمریت ہمارے راستے سے ہٹ جائے اور اس آمریت کو راستے سے ہٹانے کے لیے اس وقت عملاً کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ صدارتی انتخاب میں فاطمہ جناح کی تائید کی جائے۔ اگر اس وقت کوئی تیسرا امیدوار صدارت بیچ میں کھڑا کر دیا جائے تو یہ دراصل ایوب صاحب کی آمریت کو برقرار رکھنے ہی کی ایک کوشش

ہو گی۔

بنام قاضی نذیر احمد صاحب، نارووال
مورخہ ۲۱ نومبر ۶۴ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

(۸۸)

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آپ کی پیش کردہ تجویز شرعاً صحیح نہیں ہے۔ ہم ناجائز تدابیر سے جیتنے کو شکست اور جائز تدابیر سے ہارنے کو فتح سمجھتے ہیں۔ جعلی ووٹ حاصل کرنا یا روپے سے ووٹ خریدنا اس ملک کے لیے اتنا ہی تباہ کن ہے جتنا یہ آمریت کا نظام تباہ کن ہے۔ یہ کام کرکے جو لوگ جیتیں گے ان کے ہاتھوں سے کوئی اصلاح نہیں ہو سکتی۔

بنام ابو نعمان، سیالکوٹ
مورخہ ۲۱ نومبر ۶۴ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

(۸۹)

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ ہمارے نزدیک جبر و استبداد کے نظام کا جاری رہنا ایک بہت بڑا گناہ ہے اور اسے بدلنے کے لیے اگر کوئی صورت اس کے سوا عملاً ممکن نہ ہو کہ ایک عورت کی سربراہی قبول

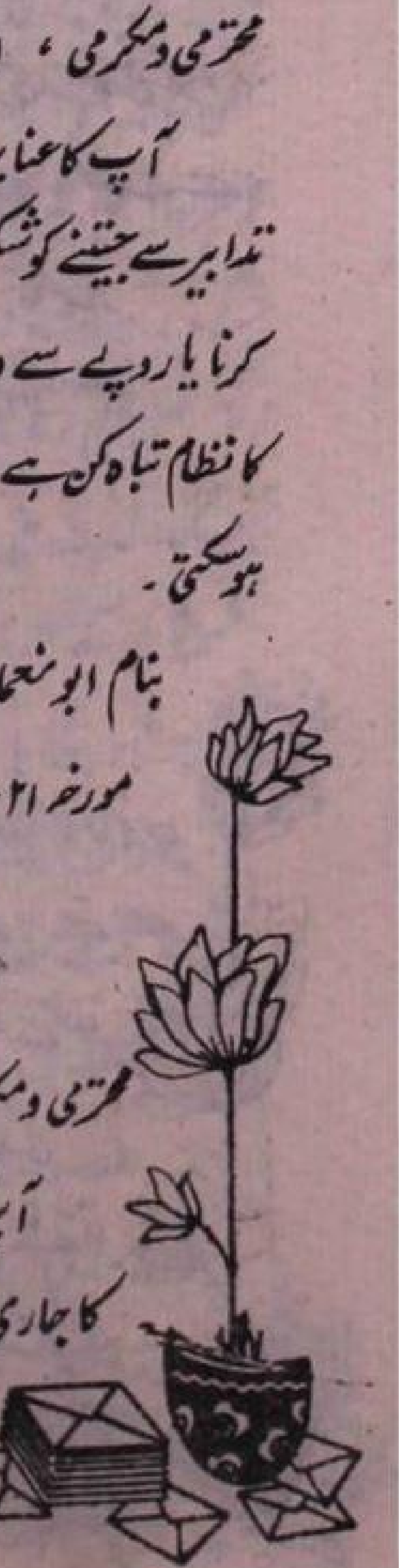

کی جائے تو یہ ایک بڑی برائی کو دور کرنے میں چھوٹی برائی سے مدد لینا ہے جس کی شریعت اجازت دیتی ہے۔

بنام عبدالحی صاحب سلطان پور (اعظم گڑھ) انڈیا — خاکسار

مورخہ ۳۱، اکتوبر ۶۴ء — ابوالاعلیٰ

۹۰

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط آئے بہت دن ہو گئے، مگر مجھے آجکل اتنی سخت مصروفیت ہے کہ خطوط پڑھنا بھی مشکل ہوتا ہے، کجا کہ مسائل پر مفصل مراسلت کر سکوں۔ آپ کو ڈاک کے ذریعہ سے میں نے اپنی ایک تقریر بھیج دی ہے جو اُمید ہے کہ میرے اس خط سے پہلے ہی آپ کو مل چکی ہو گی۔ اسے پڑھ کر آپ کو میرا نقطۂ نظر اچھی طرح معلوم ہو جائے گا۔

میں ان نقصانات سے واقف ہوں جو صدر ایوب صاحب کی آمریت سے اب تک پاکستان کے لوگوں کو دینی، اخلاقی اور مادی حیثیت سے پہنچے ہیں، اور مجھے یہ بھی اندازہ ہے کہ اگر یہ آمریت آئندہ کے لیے مستحکم ہو گئی تو مزید کیا نقصانات پہنچیں گے۔ ایسی حالت میں میرے لیے خدا کے حضور یہ ذمہ داری اپنے سر لینا ممکن نہیں ہے کہ میرے کسی فعل کی وجہ سے یہ آمریت ملک پر از سر نو مسلط ہو۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اس انتخاب میں فاطمہ جناح کی تائید نہ کی گئی تو یہ آمریت پھر مسلط ہو جائے گی۔

اس کا مسلط ہونا میرے نزدیک ایک عورت کو سربراہ بنانے کی بہ نسبت کم از کم دس گنا زیادہ بڑا گناہ ہے۔

مختصر یہ کہ میں خدا کے ہاں اس امر کی ذمہ داری اٹھانے کی اپنے اندر ہمت نہیں پاتا کہ میری کسی غلطی کی وجہ سے ایوب خاں صاحب کی آمریت پھر سے اس ملک پر مسلط ہو جائے۔

بنام امین الحسن رضوی صاحب، لندن،
وسعید عاصم صاحب، ملتان
مورخہ ۱۶، دسمبر ۱۹۶۴ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۹۱

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط ملا۔ آپ نے معاملات کو پوری طرح سمجھے بغیر ان پر اظہار رائے کیا ہے۔ اصل معاملہ یہ نہیں ہے کہ ہم نے اس انتخاب میں یہ سمجھتے ہوئے حصہ لیا تھا کہ اس سے اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ بلکہ اس سے ہمارا مقصود صرف یہ تھا کہ اسلام کے راستے کی ایک بڑی رکاوٹ، یعنی آمریت کو ہٹانے کی ایک کوشش، جس کے کچھ مواقع پیدا ہو گئے ہیں، کر دیکھی جائے۔ اگر یہ آمریت ہٹ جاتی اور ایک جمہوری نظام بحال ہو جاتا تو اسلام کے لیے کام کرنا نسبتہً کم دشوار رہ جاتا۔ لیکن دراصل یہ قوم کی پسند نہ تھی جس کی بنا پر آمریت کو صدارتی انتخاب میں کامیابی ہوئی ہے بلکہ سراسر

زبردستی اور دھاندلی سے اس نے کامیابی حاصل کی ہے۔ اس سے قوم کی نااہلی پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

بنام قاضی علی محمد صاحب طبیب دارالسلام

سمبڑیال (سیالکوٹ)

مورخہ ۷، فروری ۶۵ء

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۹۲

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ اس وقت مجھے مفصل تحقیقی جواب دینے کی تو فرصت نہیں ہے۔ بس مختصر جواب پر اکتفا کرتا ہوں۔ دراصل اَشہرِ حُرُم کی حرمت کا حکم جزیرۃ العرب کے لیے اور اس زمانے کے لیے تھا جب عرب میں قبائلی لڑائیاں ہوا کرتی تھیں، طوائف الملوکی برپا تھی اور کوئی مرکزی حکومت قانون کو نافذ کرنے والی نہ تھی۔ ابتدائے اسلام میں بھی یہ حکم رہا جبکہ مسلمانوں سے اہلِ عرب برسرِ پیکار تھے۔ لیکن جب تمام عرب مسلمان ہو گئے تو یہ حکم آپ سے آپ منسوخ ہو گیا۔ کیونکہ اسلام کے دائرے میں داخل ہو جانے کے بعد تو ان پر دوسرا اور عظیم تر حکم، یعنی قتلِ مسلم بغیرِ حق کی حُرمت کا حکم عائد ہو گیا۔ ورنہ اب اَشہرِ حُرُم کی حرمت کا حکم باقی رہنے کے معنی یہ ہوں گے کہ قبائلِ عرب صرف چار مہینے تو جنگ سے پرہیز کریں، باقی ایام میں وہ لڑ سکتے ہیں۔

اس حکم کے جزیرۃ العرب کے لیے، اور اس کے بھی آغازِ اسلام کے دور تک کے لیے مخصوص ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ جزیرۃ العرب

کے مسلمان ہو جانے کے بعد مسلمانوں کی لڑائی (جائز طور پر) صرف جزیرے کے باہر کے کفّار کے ساتھ ہی ہو سکتی تھی، اور ان لڑائیوں میں صحابہ کرامؓ کے دور سے لے کر آج تک کبھی اشہرِ حُرم کی حرمت کا سوال کسی عالم نے نہیں اٹھایا۔ ظاہر ہے کہ کفار تو جنگ کی ابتدا کرنے میں اشہرِ حُرم کا لحاظ کر ہی نہ سکتے تھے۔ لیکن خود مسلمانوں نے بھی کسی کافر پر حملہ کرتے ہوئے اس بات کا لحاظ نہیں کیا ہے کہ کسی حرام مہینے میں جنگ نہ چھیڑے، اور میرے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ کسی فقیہ نے کبھی اس پر اعتراض کیا ہو۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

بنام عبیداللہ کوٹی بگل کدہ دیو بند (انڈیا)
مؤرخہ ۷، جنوری ۶۵ء

۹۳

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ کسی کے طاغوت ہونے کے لیے اس کا خود طاغی (سرکش) ہونا تو شرطِ اوّل ہے۔ رہی دوسری شرط تو وہ محض پوجا جانا نہیں ہے، بلکہ اس پوجے جانے میں اس کی اپنی خواہش اور کوشش کا دخل بھی ہونا چاہیے۔ بالفاظِ دیگر طاغوت وہ ہے جس نے نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں سرکشی کی ہو، بلکہ اِس سرکشی میں یہاں تک بڑھ گیا ہو کہ خدا کے بجائے اس نے اپنے آپ کو لوگوں کا ربّ اور اِلٰہ بنانے کی کوشش کی ہو۔ اس معنی کے لحاظ سے بتوں پر، یا ان بزرگوں پر جن کو مرنے کے بعد بُت بنا یا گیا، طاغوت کا اطلاق نہ ہو گا۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

بنام نور الٰہی صاحب گجرات
مؤرخہ ۷، جنوری ۶۵ء

۹۴

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ مجھے آپ اچھی طرح یاد ہیں۔ اگر آپ تعارف نہ کراتے تب بھی محض آپ کے نام ہی سے آپ کو پہچان لیتا۔ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ بخیر ہیں اور دلی میں مقیم ہیں۔ آپ کے سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں۔

(۱) مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اور مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ، دونوں قرأتیں مستند قاریوں سے منقول ہیں۔ اور دونوں صحیح ہیں۔ معنی کے اعتبار سے بھی کوئی قباحت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی مالک اور بادشاہ ہے، مگر اس حقیقت پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ آخرت میں یہ پردہ ہٹ جائے گا اور اس کا مالک اور ملک ہونا بالکل عیاں ہو جائے گا۔

(۲) مُتَشَابِہات کا لفظ مُحْکَمَات کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے۔ اور متشابہ کی تعریف فقہاء نے یہ بیان کی ہے کہ مَالَا يَنْبِئُ ظَاهِرُهٗ عَنْ مُرَادِهٖ "جس کے ظاہر الفاظ اس کی مراد کا ٹھیک پتہ نہ دیتے ہوں"۔ میں نے اسی تعریف کا مطلب ان الفاظ سے ادا کیا ہے کہ "وہ آیات جن کے مفہوم میں اشتباہ کی گنجائش ہے"۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں نے متشابہات کو مشتبہات سمجھا ہے۔ آپ تفہیم القرآن میں اس آیت پر میرا پورا نوٹ پڑھیں تو مدعا صاف معلوم ہو جائے گا۔[1]

(۳)، (۴) قصہ سلیمان علیہ السلام کے دونوں مقامات کا جو ترجمہ میں نے کیا ہے وہ آپ ترجمان القرآن جلد ۶۱، عدد اول میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ میں نے ان دونوں کے ترجمہ و تفسیر میں عام مفسرین سے اختلاف

---

[1] ملاحظہ ہو تفہیم القرآن ج ۱، سورہ آل عمران، آیت ۷، حاشیہ ۵۔
(مرتب)

کیا ہے۔[1]

بنام رحم علی ہاشمی صاحب دہلی (انڈیا) — خاکسار

مورخہ ۷، جنوری ۶۵ء — ابوالاعلیٰ

۹۵

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ امریکہ میں رہ کر، اور کفر کے لیے کافروں کی کوششیں دیکھ کر آپ کی غیرتِ دینی بیدار ہوگئی اور آپ نے وہاں ایک مسلمان کا اصلی فرض پہچان کر اسے ادا کرنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خود راہِ راست پر ثابت قدم رہنے اور دوسروں کو سیدھا راستہ دکھانے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔

جو خاتون آپ کی کوششوں سے مسلمان ہوئی ہیں ان کا معاملہ خاصا پیچیدہ ہے۔ ویسے تو اسلام میں یہ صاف حکم ہے کہ ایک مسلمان عورت کسی غیر مسلم کی بیوی بن کر نہیں رہ سکتی۔ لیکن کفار کے ملک میں، جہاں کفار کی اپنی حکومت ہے، اور مسلمان آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں، اگر کوئی شادی شدہ عورت مسلمان ہو جائے اور اس کا شوہر کافر رہے، تو قانون اس کی مدد نہیں کر سکتا، نہ قانون کی مدد کے بغیر وہ عورت اس مرد سے پیچھا چھڑا سکتی ہے۔ ایسی حالت میں اس عورت کا معاملہ اُن مسلمان عورتوں کے معاملہ سے مشابہ ہوگا جو ہجرت سے پہلے

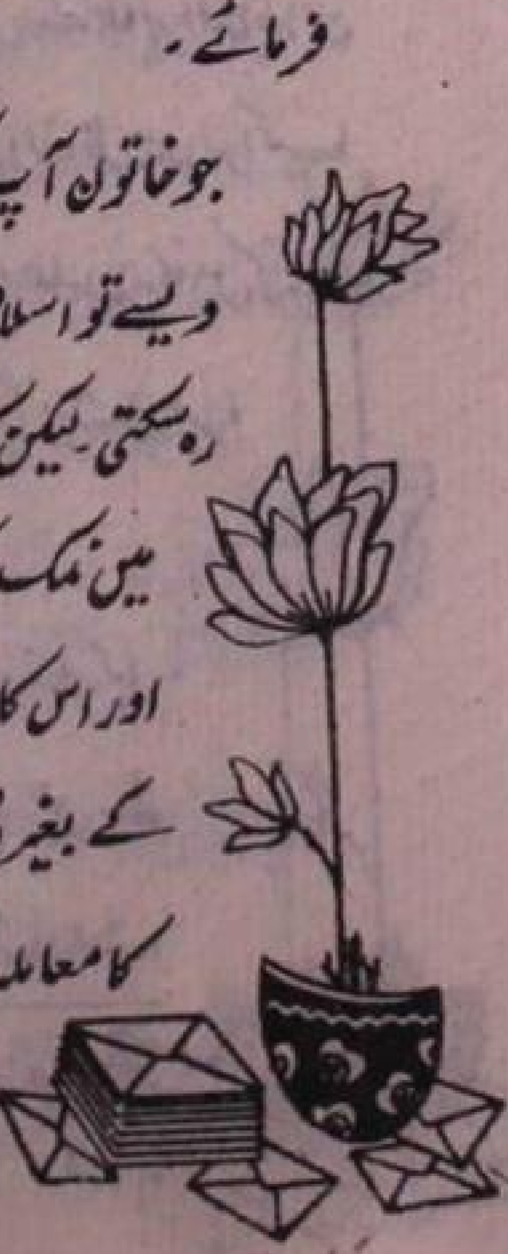

---

[1] ملاحظہ ہو تفہیم القرآن ج ۴، سورۂ ص آیت ۴۱، ۴۴- حاشیہ ۴۵ (مرتب)

مکۂ معظمہ میں مسلمان ہو گئی تھیں اور ان کے شوہر مسلمان نہ ہوئے تھے۔ ان بیچاریوں کو اس وقت تک اپنے کافر شوہروں ہی کے پاس رہنا پڑا جب تک اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے خلاصی کی راہ پیدا نہ فرمادی۔ اس کیفیت کو اگرچہ جائز نہیں کہا جا سکتا، لیکن جب تک مجبوری کی حالت باقی رہے اسے گوارا کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ البتہ عورت کو حتی الامکان اپنے شوہر کی ہر اس معاملے میں مزاحمت کرنی چاہیے جہاں اس کے مطالبات شریعت کے احکام سے ٹکراتے ہوں۔ مثلاً:

۱۔ اسے اپنا لباس تبدیل کر کے گردن سے ٹخنوں تک اور ہاتھ کی کلائیوں تک پورا جسم ڈھانکنا چاہیئے۔

۲۔ ڈانس میں جانے اور غیر مردوں کے ساتھ ناچنے سے انکار کر دینا چاہیئے، البتہ اگر اپنے گھر میں تنہائی کی حالت میں شوہر اس کے ساتھ ناچنا چاہے تو اسے قبول کر لینا چاہیے۔

۳۔ سور کا گوشت اگر شوہر کھائے تو اسے برداشت کرنا چاہیے، لیکن اپنا کھانا پینا اور کھانے کے برتن اس سے الگ کر لینے چاہئیں۔

۴۔ بچوں کو اگر شوہر گرجا لے جائے تو اسے روکنا نہیں چاہیے لیکن جب بھی موقع ملے بچوں کے ذہن میں اسلامی عقائد اور خیالات بٹھانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

۵۔ اپنے طرزِ عمل سے شوہر کو محسوس کرانا چاہیے کہ دونوں کے درمیان کفر و اسلام کا فرق واضح ہو جانے کے بعد پہلی سی محبت باقی نہیں رہی ہے اور یہ محبت صرف اسی صورت میں عود کر سکتی ہے جب کہ شوہر بھی اسلام قبول کرے۔

ان باتوں کا نتیجہ یا تو یہ ہو گا کہ شوہر بھی سنجیدگی کے ساتھ اسلام کے بارے میں سوچنا شروع کر دے گا اور آپ کو اس کی اصلاح و ہدایت کا موقع مل جائے گا۔ یا پھر وہ اس سے بیزار ہو کر خود علیحدگی کے لیے تیار ہو گا اور یہ علیحدگی کسی بہتر سمجھوتے کے ساتھ ہو سکے گی۔ دوسری

صورت پیش آنے پر عورت کو صبر کے ساتھ اسے قبول کرلینا چاہیے اور اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے کہ وہ اسے کوئی اچھا مسلمان شوہر دلوا دے گا۔

آپ کے دوسرے سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱۔ رمضان میں اگر شوہر سے جھگڑے کے بغیر سحری نہ کی جا سکتی ہو تو سحری کے بغیر ہی روزہ رکھ لے۔ اس صورت میں جب وہ صبح کی نماز کے لیے اٹھے اسی وقت نیت کر لیا کرے۔

۲۔ حیض کی حالت میں روزہ و نماز، دونوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ نماز کی کوئی قضا نہیں البتہ روزے بعد میں ادا کر دینے چاہییں۔ قرآن مجید کو حیض کی حالت میں ہاتھ نہ لگانا چاہیے البتہ اگر کچھ زبانی یاد ہو تو اسے پڑھ سکتی ہیں۔

۳۔ پردے کے معاملے میں آپ سردست صرف اس امر کی احتیاط برتیں کہ اس خاتون کو تعلیم دیتے وقت اس کے چہرے پر حتی الامکان نگاہ نہ ڈالیں، اور نگاہ پڑ جائے تو دیر تک اسے نہ دیکھیں۔ نیز تنہائی میں اس کے ساتھ بیٹھنے سے حتی الامکان پرہیز کریں، اور صرف تعلیم دینے کی حد تک ہی ملیں۔

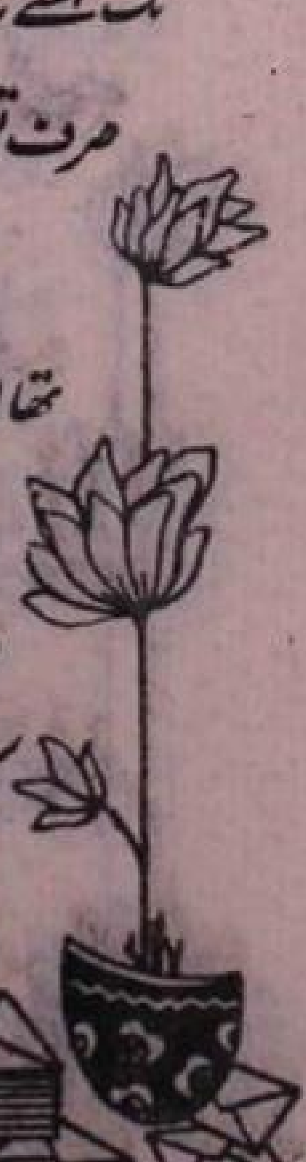

عبادات اور فقہی مسائل کے متعلق مناسب یہ ہوگا کہ آپ مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب "بہشتی زیور" اور مولانا عبد الشکور لکھنوی صاحب کی "علم الفقہ"، دونوں کے مکمل سیٹ منگوالیں۔ حدیث کی کتابوں میں سے "ریاض الصالحین" مترجم اردو، امام بخاری کی الادب المفرد مترجم اردو اور مولانا بدر عالم صاحب کی ترجمان السنۃ منگوالیں۔ ہمارا لٹریچر معلوم نہیں آپ کی نظر سے گزرا ہے یا نہیں۔ ہمارا رسالہ دینیات اور اس کا انگریزی ترجمہ، تفہیم القرآن، خطبات اور دوسرا اردو انگریزی لٹریچر آپ کو اپنے کام

میں بہت مدد دے سکتا ہے ۔

بنام سید اظہر علی صاحب ، امریکہ — خاکسار

مورخہ ۲۶ جنوری ۶۵ء — ابوالاعلیٰ

۹۶

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ میری غیر موجودگی میں یہاں آیا اور جواب کے انتظار میں پڑا رہا۔ اب میں واپس آکر یہ جواب دے رہا ہوں ۔

۱۔ سورۂ نازعات میں جو قسمیں کھائی گئی ہیں ان کی مختلف تاویلات میں سے جو تاویل میرے دل کو لگتی ہے وہ یہ ہے کہ ان میں مقسم بہ فرشتے ہیں اور مقسم علیہ قیامت کا ظہور اور بعث بعد موت ہے ۔ النازعات غرقاً سے مراد وہ فرشتے ہیں جو رگ رگ میں اتر کر جان کھینچ نکالتے ہیں اور الناشطات نشطاً کا اشارہ اس طرف ہے کہ وہ جان کو نکال کر ایک عالم سے دوسرے عالم میں لے جاتے ہیں ۔ السابحات سبحاً سے مراد احکام الٰہی کی تعمیل میں دوڑنے کے ہیں ۔ آگے کا مطلب آپ خود سمجھ سکتے ہیں ۔

۲۔ نفّاثات جمع ہے نفّاثہ کی ، اور یہ علامہ و فہامہ کی طرح مبالغہ کے معنی میں ہے ۔ اس کا اطلاق مرد اور عورت دونوں پر ہو سکتا ہے ۔ عُقَد جمع عُقدہ کی اور اس سے مراد وہ گرہیں ہیں جو جادوگر باندھتے ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے اثر سے مکہ معظمہ میں جو لوگ مسلمان ہوئے تھے ، ان کے خاندان والے حضورؐ کے جانی دشمن

ہو گئے تھے اور ہر طرح آپ کو نقصان پہنچانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ کوئی رات کو آپ پر شب خون مارنے کی اسکیمیں بناتا۔ کوئی اپنے جاہلانہ طریقوں کے مطابق جادو کر کے بزعم خود آپ کو بھسم کرنے کی کوششیں کرتا اور کوئی اپنے دل کی جلن کسی اور طریقے سے نکالنے کی فکر کرتا تھا۔ حکم ہوا کہ ان سب کے مقابلے میں اللہ کی پناہ لے کر بے فکر ہو جاؤ۔

۳۔ سورۂ مُزّمّل کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ آیت ۱۹ تک ہے، اور دوسرا آیت ۲۰ سے آخر تک۔ پہلے حصے کا مضمون صاف بتا رہا ہے کہ یہ اُس زمانے کا ہے جب مکہ معظمہ میں دعوت اسلام کا نہ صرف آغاز ہو چکا تھا بلکہ مخالفت بھی زور پکڑ چکی تھی۔ نیز قرآن مجید کا بھی ایک معتدبہ حصہ نازل ہو چکا تھا۔ دُوسرے حصے کا مضمون ہی یہ شہادت دے رہا ہے کہ یہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوا ہے۔ کیونکہ قتال فی سبیل اللہ کا کوئی سوال مکہ معظمہ میں سرے سے تھا ہی نہیں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

بنام محمد فاروقی صاحب، رام پور (انڈیا)

مورخہ ۲۶ جنوری ۶۵ء

۹۷

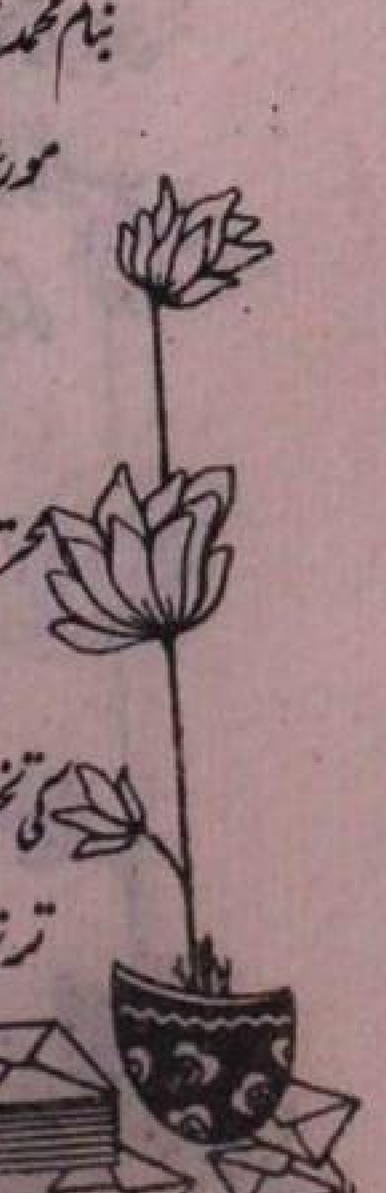

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آپ کی نقل کردہ پہلی تین آیتوں میں کائنات کی تخلیق کی تین مختلف کیفیات بیان کی گئی ہیں جن میں تضاد نہیں ہے، بلکہ تدریجی ترتیب ہے۔ پہلے ساری کائنات کا مادۂ تخلیق دھوئیں کی شکل میں منتشر تھا۔ پھر حکم الٰہی سے اکٹھا ہو کر ایک کثیف تودہ بن گیا۔

پھر اُسے پھاڑ کر اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان بنائے۔ پھر زمین پر ابتدا میں صرف پانی ہی پانی تھا، اور اسی پر اللہ کی حکومت تھی۔ بعد میں اللہ تعالیٰ اسی پانی کے ذریعے سے نباتات اور حیوانات کو وجود میں لایا۔

حضرت آدمؑ کی فضیلت کے بھی مختلف وجوہ مختلف آیتوں میں بیان کیے گئے ہیں اور ان میں بھی تضاد نہیں ہے۔ حضرت آدمؑ کی فضیلت اس بنا پر بھی ہے کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا، اس بنا پر بھی کہ ان کے اندر اپنی خاص رُوح پھونکی اور اس بنا پر بھی کہ اس نے ان کو وہ علم عطا کیا جو فرشتوں کو حاصل نہ تھا۔

بنام محمد رفیق صاحب، کراچی　　　　خاکسار

مورخہ ۲، جنوری ۶۵ء　　　　ابوالاعلیٰ

۹۸

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ میں فوٹو کو جائز نہیں سمجھتا اور قصداً کبھی نہیں کھچواتا۔ لوگ بطور خود اگر فوٹو لے لیں اور چھاپ دیں تو میرے پاس انھیں روکنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

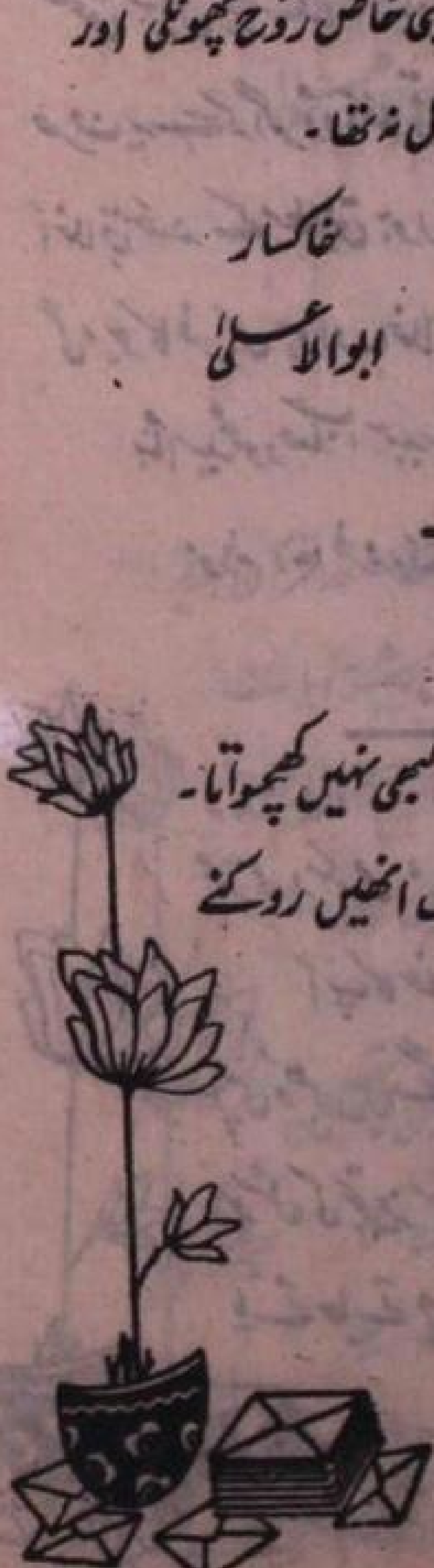

بنام احمد خاں خاکی، جنڈانوالہ،

ضلع میانوالی　　　　خاکسار

مورخہ ۲۷، جنوری ۶۵ء　　　　ابوالاعلیٰ

۹۹

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا ۔ قرآن وحدیث کی رُو سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل، عملِ صالح نہیں ہے اور کوئی شخص جو ایمان نہ لایا ہو جنت کا مستحق نہیں ہو سکتا ۔ زیادہ سے زیادہ جو رعایت کسی کافر کے لیے ممکن ہے وہ صرف یہ ہے کہ اگر وہ اخلاقی لحاظ سے برائیوں کا مرتکب نہ ہو بلکہ ایسے اعمال کرتا ہو جو اخلاقِ حسنہ کے مطابق ہوں تو اسے اتنی سخت سزا نہ دی جائے جتنی اس کافر کو ملے گی، جو کافر بھی ہو اور اخلاقی جرائم کا مرتکب بھی ۔ لیکن کفر کی سزا سے وہ نہیں بچ سکتا ۔

بنام سید محمود صاحب، حیدرآباد دکن   خاکسار

مورخہ: ۱۰ فروری ۶۵ء   ابوالاعلیٰ

۱۰۰

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا ۔ یہ معلوم کرکے دلی مسرت ہوئی کہ آپ بدستور اپنی دھن میں لگے ہوئے ہیں اور ایک ہوسٹل تعمیر کرکے کام شروع کر دیا ہے ۔ ہوسٹل کی تجویز بہت اچھی ہے ۔ تعلیم کے جو نقائص ہماری تعلیم گاہوں میں پائے جاتے ہیں ان کی بہت کچھ تلافی اس قسم کے ہوسٹلوں سے کی جا سکتی ہے ۔ بس اس امر کی خاص طور پر کوشش کیجیے کہ طلبہ کو

محض قواعدِ دارُالاقامہ کی وجہ سے دینی زندگی بسر کرنے کی عادت نہ ہو، بلکہ ان کے خیالات میں حقیقی تبدیلی پیدا ہو جائے اور وُہ خود اسلامی طرزِ زندگی اور عبادات کی پابندی اور اخلاقی حدود کی نگہداشت کو پسند کرنے لگیں۔ اس کے لیے صحیح قسم کے ذی علم اور پاکیزہ اخلاق رکھنے والے مُربّیوں کی ضرورت ہے۔

بنام چودھری نیاز علی خاں صاحب،

جوہر آباد (سرگودھا) — خاکسار

مورخہ ۷، فروری ۶۵ء — ابوالاعلیٰ

۱۰۱

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ مِلا۔ اس حقیقت کو نہایت وضاحت کے ساتھ قرآن مجید میں بیان کر دیا گیا ہے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ اس موضوع سے متعلق بیشتر آیات تو ایسی ہیں جہاں فقط اسی اعلان پر اکتفا کیا گیا ہے کہ یہ کتاب اللہ کی جانب سے نازل کردہ ہے، لیکن بعض آیات ایسے داخلی شواہد و دلائل پر بھی مشتمل ہیں، جن سے قرآن کا کلامِ الٰہی ہونا قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے۔

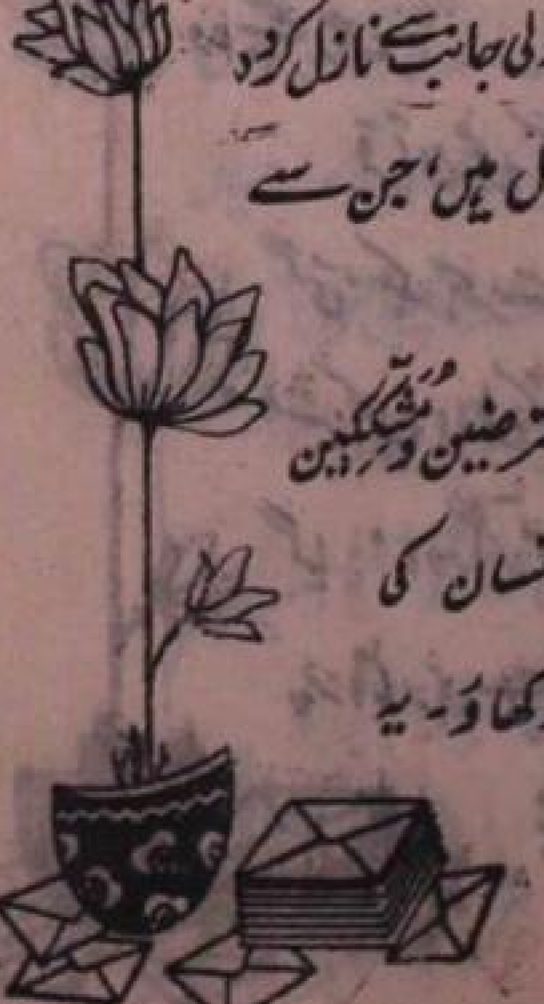

ان دلائل میں سرِ فہرست قرآن مجید کا وُہ چیلنج ہے جو معترضین و مُشرکین کو دیا گیا ہے اور ان سے کہا گیا ہے کہ اگر تم اس قرآن کو کسی انسان کی تصنیف سمجھتے ہو تو اس کے مانند کوئی کلام تصنیف کر کے دکھاؤ۔ یہ چیلنج سب سے پہلے سورۂ ہود آیت نمبر ۱۳ میں دیا گیا تھا اور

فرمایا گیا تھا" کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ کتاب خود گھڑ لی ہے؟ کہو اچھا یہ بات ہے تو اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں تم بنا لاؤ"۔ اس استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تمھارے نزدیک یہ انسانی کلام ہے تو انسان کو ایسے کلام پر قادر ہونا چاہیے۔ لہٰذا تمھارا یہ دعویٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خود تصنیف کیا ہے صرف اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے کہ تم ایک ایسی کتاب تصنیف کر کے دکھاؤ۔ لیکن اگر اس تحدی کے باوجود تم سب مل کر اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتے تو پھر یہ کتاب یقیناً اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ کفار جب اس چیلنج کا جواب نہ دے سکے تو پھر سورۂ یونس آیت ۳۸ میں دوبارہ اسے دُہرایا گیا اور فرمایا: "کیا یہ لوگ کہتے ہیں پیغمبر نے اسے خود تصنیف کر دیا ہے۔ کہو، اگر تم اپنے اس الزام میں سچے ہو تو ایک ہی سورت اس جیسی تصنیف کر لاؤ اور ایک خدا کو چھوڑ کر جس جس کو بلا سکتے ہو مدد کے لیے بلا لو"۔ اس کے بعد سورہ طور آیت ۳۳-۳۴ میں فرمایا گیا: "کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے اسے خود گھڑ لیا ہے، بلکہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔ پس وہ اس جیسا کلام لے آئیں اگر وہ سچے ہیں"۔

قرآن مجید کو آسمانی کتاب نہ ماننے والوں کو یہ تحدی مکی دور ہی میں نہیں کی گئی، بلکہ ہجرت کے بعد اسے مدینے میں بھی اسی زور کے ساتھ دہرایا گیا اور مشرکین و اہل کتاب کو مخاطب کر کے سورہ بقرہ آیت ۲۳ میں پھر اعلان کیا گیا: "اور اگر تمھیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے، ہماری ہے یا نہیں، تو اس کے مانند ایک ہی سورت بنا لاؤ، اپنے سارے ہمنواؤں کو بلا لو، ایک اللہ کو

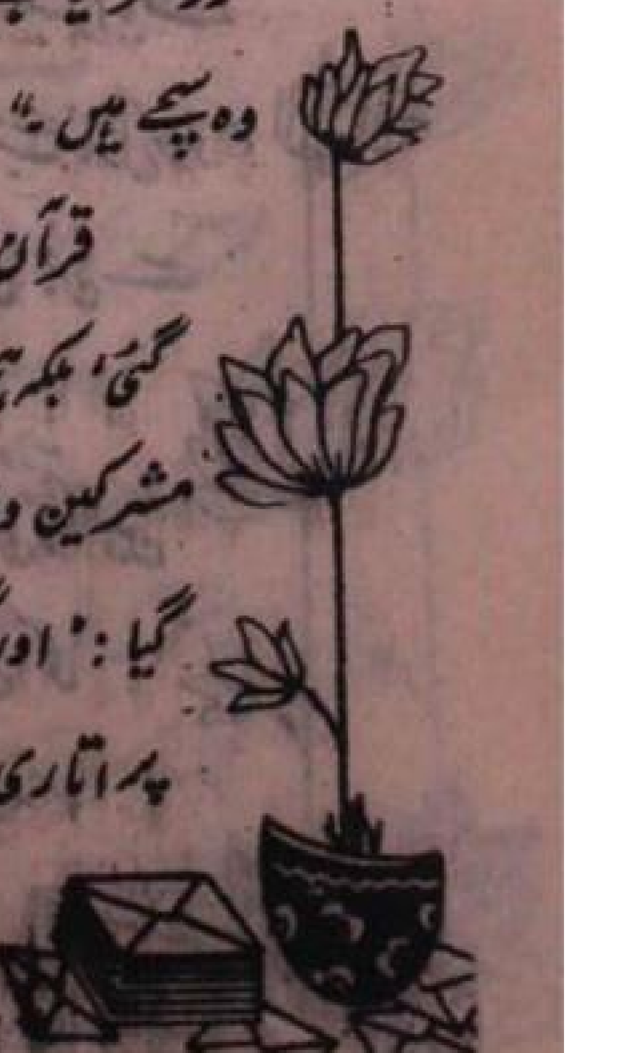

چھوڑ کر باقی جس جس کی چاہو مدد لے لو اگر تم سچے ہو"۔ تاریخ گواہ ہے اور خود قرآن کا بار بار چیلنج اس امر کی بیّن شہادت ہے کہ فریقِ مخالف کی جانب سے جواب میں کامل خاموشی اختیار کی گئی اور اس کے عاجزانہ سکوت نے قرآن کا آسمانی کتاب ہونا بالکل ثابت اور مُبرہن کر دیا۔

قرآن مجید نے اپنے کلام الٰہی ہونے کے حق میں دلیل ثانی کے طور پر منکرین کے سامنے جو چیز پیش کی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کی زندگی ہے۔ چنانچہ سورۂ یونس آیت ۱۶ میں آنحضور سے مخاطب ہو کر فرمایا گیا "کہو اگر اللہ کی مشیّت یہی ہوتی تو میں یہ قرآن تم کو کبھی نہ سناتا اور اللہ تمہیں اس کی خبر تک نہ دیتا۔ آخر اس سے پہلے میں ایک عمر تمہارے درمیان گزار چکا ہوں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے"۔ یہ ایک اور زبردست دلیل ہے اس خیال کی تردید میں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کو خود اپنے دل سے گھڑ کر خدا کی طرف منسوب کر رہے ہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دعوے کی تائید میں کہ وہ خود اس کے مصنف نہیں ہیں بلکہ یہ خدا کی طرف سے بذریعہ وحی ان پر نازل ہوا ہے۔ دوسرے تمام دلائل تو پھر نسبتاً دور کی چیز تھے، مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تو ان لوگوں کے سامنے کی چیز تھی۔ آپ نے نبوت سے پہلے پورے چالیس سال ان کے درمیان گزارے تھے۔ ان کے شہر میں پیدا ہوئے، ان کی آنکھوں کے سامنے بچپن گزارا، جوان ہوئے، ادھیڑ عمر کو پہنچے، رہنا سہنا، ملنا جلنا، لین دین، شادی بیاہ، غرض ہر قسم کا معاشرتی تعلق انہی کے ساتھ تھا اور آپ کی زندگی کا کوئی پہلو اُن سے چھپا ہوا نہ تھا۔ ایسی جانی بوجھی اور دیکھی بھالی چیز سے زیادہ کھلی شہادت اور کیا ہو سکتی تھی۔

آپ کی اس زندگی میں دو باتیں بالکل عیاں تھیں جنھیں مکّہ کے لوگوں میں سے ایک ایک شخص جانتا تھا:

ایک یہ کہ نبوّت سے پہلے کی پُوری چالیس سالہ زندگی میں آپ نے کوئی ایسی تعلیم، تربیت اور صحبت نہیں پائی جس سے آپ کو وہ معلومات حاصل ہوتیں جن کے چشمے یکایک دعوائے نبوّت کے ساتھ ہی آپ کی زبان سے پھوٹنے شروع ہو گئے۔ اس سے پہلے کبھی آپ ان مسائل سے دلچسپی لیتے ہُوئے، ان مباحث پر گفتگو کرتے ہوئے، اور ان خیالات کا اظہار کرتے ہوئے نہیں دیکھے گئے جو اب قرآن کی اِن پے در پے سورتوں میں زیرِ بحث آ رہے تھے۔ حد یہ ہے کہ اس پُورے چالیس سال کے دوران میں کبھی آپ کے کسی گہرے دوست اور کسی قریب ترین رشتہ دار نے بھی آپ کی باتوں اور آپ کی حرکات و سکنات میں کوئی ایسی چیز محسوس نہیں کی جسے اس عظیم الشان دعوت کی تمہید کہا جا سکتا ہو جو آپ نے اچانک عمر کے چالیسویں سال کو پہنچ کر دینی شروع کر دی۔ یہ اس بات کا صریح ثبوت تھا کہ قرآن آپ کے اپنے دماغ کی پیداوار نہیں ہے، بلکہ خارج سے آپ کے اندر آئی ہوئی چیز ہے۔ اس لیے کہ انسانی دماغ اپنی عمر کے کسی مرحلے میں بھی ایسی کوئی چیز پیش نہیں کر سکتا جس کے نشوونما اور اِرتقا کے واضح نشانات اس سے پہلے کے مرحلوں میں نہ پائے جاتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ مکّہ کے بعض چالاک لوگوں نے جب خود محسوس کر لیا کہ قرآن کو آپ کے دماغ کی پیداوار قرار دینا صریح طور پر ایک لغو الزام ہے تو آخرکار انھوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ کوئی شخص ہے جو محمدؐ کو یہ باتیں سکھا دیتا ہے۔ لیکن یہ دوسری بات پہلی بات سے بھی زیادہ لغو تھی۔ کیونکہ مکّہ تو درکنار، پُورے عرب میں

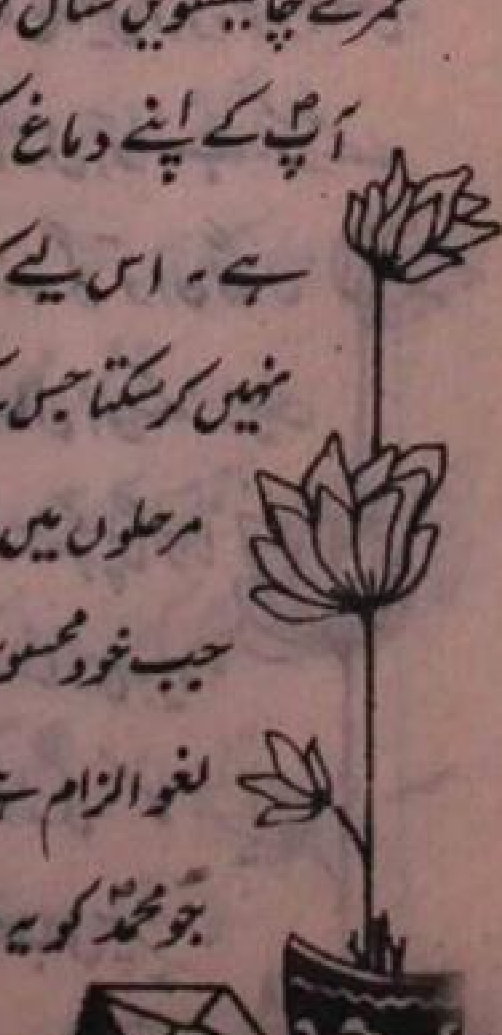

کوئی اس قابلیت کا آدمی نہ تھا جس پر اُنگلی رکھ کر کہہ دیا جاتا کہ یہ اس کلام کا مصنف ہے یا ہو سکتا ہے۔ ایسی قابلیت کا آدمی کسی سوسائٹی میں چھپا کیسے رہ سکتا ہے۔

دوسری بات جو آپ کی سابق زندگی میں بالکل نمایاں تھی، وہ یہ تھی کہ جھوٹ، فریب جعل، مکاری، عیاری اور اس قبیل کے دوسرے اوصاف میں سے کسی کا ادنیٰ شائبہ تک آپ کی سیرت میں نہ پایا جاتا تھا۔ پوری سوسائٹی میں کوئی ایسا نہ تھا جو یہ کہہ سکتا ہو کہ اس چالیس سال کی یکجائی معاشرت میں آپ سے کسی ایسی صفت کا تجربہ اسے ہوا ہے۔ برعکس اس کے جن جن لوگوں کو بھی آپ سے سابقہ پیش آیا تھا وہ آپ کو ایک نہایت سچے، بے داغ، اور قابل اعتماد (امین) انسان کی حیثیت ہی سے جانتے تھے۔ نبوت سے پانچ ہی سال پہلے تعمیر کعبہ کے سلسلہ میں وہ مشہور واقعہ پیش آچکا تھا جس میں حجرِ اسود کو نصب کرنے کے معاملہ پر قریش کے مختلف خاندان جھگڑ پڑے تھے اور آپس میں طے ہوا تھا کہ کل صبح پہلا شخص جو حرم میں داخل ہوگا اسی کو پنچ مان لیا جائے گا۔ دوسرے روز وہ شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو وہاں داخل ہوئے۔ آپ کو دیکھتے ہی سب لوگ پکار اٹھے۔ ھٰذا الامین، رضینا ھٰذا محمد۔ "یہ بالکل راستباز آدمی ہے ہم اس پر راضی ہیں، یہ تو محمد ہے۔" اس طرح آپ کو نبی مقرر کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ پورے قبیلہ قریش سے بھرے مجمع میں آپ کے "امین" ہونے کی شہادت لے چکا تھا۔ اب یہ گمان کرنے کی کیا گنجائش تھی کہ جس شخص نے تمام عمر کبھی اپنی زندگی کے کسی چھوٹے سے چھوٹے معاملہ میں بھی جھوٹ، جعل اور فریب سے کام نہ لیا تھا وہ یکایک اتنا بڑا جھوٹ اور ایسا عظیم الشان جعل و فریب لے کر اٹھ کھڑا ہوا کہ اپنے

ذہن سے کچھ باتیں تصنیف کیں اور ان کو پورے زور اور تحدی کے ساتھ خدا کی طرف منسوب کرنے لگا۔

اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ ان کے اس بیہودہ الزام کے جواب میں ان سے کہو کہ اللہ کے بندو، کچھ عقل سے تو کام لو، میں کوئی باہر سے آیا ہوا اجنبی آدمی نہیں ہوں، تمہارے درمیان اس سے پہلے ایک عمر گزار چکا ہوں، میری سابق زندگی کو دیکھتے ہوئے تم کیسے یہ توقع مجھ سے کر سکتے ہو کہ میں خدا کی تعلیم اور اس کے حکم کے بغیر یہ قرآن تمہارے سامنے پیش کر سکتا تھا۔

اس مضمون کو قرآن مجید کے بعض دوسرے مقامات پر بھی دُہرایا گیا ہے اور جو لوگ قرآن مجید کے وحی الٰہی ہونے میں شک رکھتے تھے انھیں سمجھایا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہیں باہر سے یکایک تمہارے درمیان نمودار نہیں ہو گئے ہیں، بلکہ اس قرآن کے نُزول سے پہلے بھی چالیس سال تمہارے درمیان رہ چکے ہیں۔ کیا دعوائے نبوّت سے ایک دن پہلے بھی کبھی تم نے اُن کی زبان سے اِس طرز کا کلام اور اِن مسائل اور مضامین پر مشتمل کلام سُنا تھا؟ اگر نہیں سُنا تھا اور یقیناً نہیں سنا تھا تو کیا یہ بات تمہاری سمجھ میں آتی ہے کہ کسی شخص کی زبان، خیالات، معلومات اور طرزِ فکر و بیان میں یکایک ایسا تغیّر واقع ہو سکتا ہے؟

محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں قرآن سُنا کر کہیں غائب نہیں ہو جاتے بلکہ تمہارے درمیان ہی رہتے سہتے ہیں۔ تم ان کی زبان سے قرآن بھی سُنتے ہو اور دوسری گفتگوئیں اور تقریریں بھی سنا کرتے ہو۔ قرآن کے کلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے کلام میں زبان اور اُسلوب کا

اتنا نمایاں فرق ہے کہ کسی ایک انسان کے دو اس قدر مختلف اسٹائل کبھی ہو نہیں سکتے۔ یہ فرق صرف اُسی زمانہ میں واضح نہیں تھا جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ملک کے لوگوں میں رہتے سہتے تھے بلکہ آج بھی حدیث کی کتابوں میں آپؐ کے سینکڑوں اقوال اور خطبے موجود ہیں۔ ان کی زبان اور اُسلوب قرآن کی زبان اور اسلوب سے اس قدر مختلف ہیں کہ زبان و ادب کا کوئی رمز شناس نقاد یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ یہ دونوں ایک ہی شخص کے کلام ہو سکتے ہیں۔

سورہ قصص آیت ۸۶ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں خطاب فرمایا گیا ہے: "تم اس بات کے ہرگز اُمیدوار نہ تھے کہ تم پر کتاب نازل کی جائے گی، یہ تو محض تمہارے ربّ کی مہربانی سے تم پر نازل ہوئی ہے۔" یہ ایک حقیقت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ترین ربط ضبط رکھنے والوں میں؛ آپ کے رشتہ داروں اور ہمسایوں اور دوستوں میں کوئی شخص یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ آپ پہلے سے نبی بننے کی تیاری کر رہے تھے۔ کسی نے اُن مضامین اور مسائل اور موضوعات کے متعلق کبھی ایک لفظ تک آپ کی زبان سے نہ سُنا تھا جو غارِ حرا کی اِس انقلابی ساعت کے بعد یکایک آپؐ کی زبان پر جاری ہونے شروع ہو گئے۔ کسی نے آپ کو وہ مخصوص زبان اور وہ الفاظ اور اصطلاحات استعمال کرتے نہ سنا تھا جو اچانک قرآن کی صورت میں لوگ آپ سے سُننے لگے۔ کبھی آپؐ وعظ کہنے کھڑے نہ ہوئے تھے۔ کبھی کوئی دعوت اور تحریک لے کر نہ اُٹھے تھے۔ بلکہ کبھی آپؐ کی کسی سرگرمی سے یہ گمان تک نہ ہو سکتا تھا کہ آپؐ اجتماعی مسائل کے حل، یا مذہبی اصلاح یا اخلاقی اصلاح کے لیے کوئی کام شروع کرنے کی فکر میں ہیں۔ اس انقلابی ساعت سے ایک دن پہلے تک آپ کی زندگی ایک ایسے تاجر کی زندگی

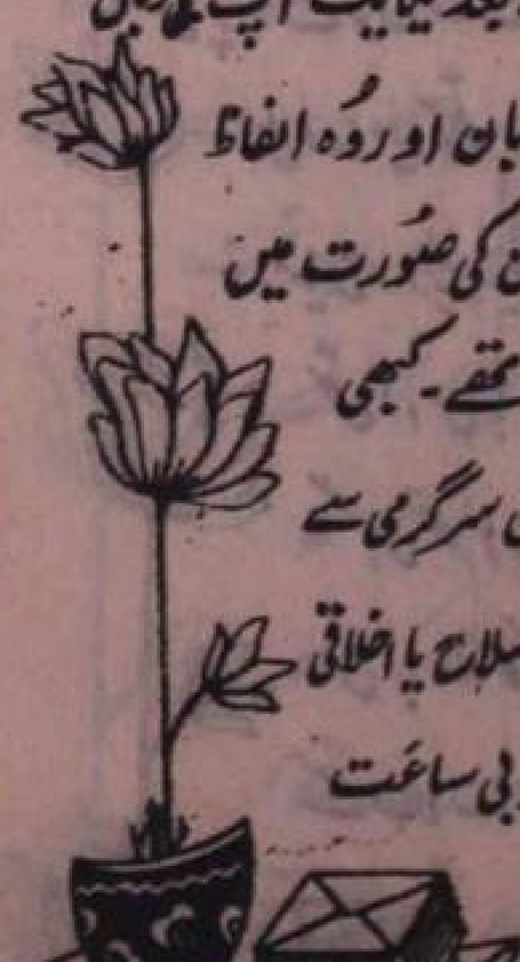

نظر آتی تھی جو سیدھے سادھے جائز طریقوں سے اپنی روزی کماتا ہے، اپنے بال بچوں کے ساتھ ہنسی خوشی رہتا ہے، مہمانوں کی تواضع، غریبوں کی مدد اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتا ہے، اور کبھی کبھی عبادت کرنے کے لیے خلوت میں جا بیٹھتا ہے، ایسے شخص کا یکایک ایک عالمگیر زلزلہ ڈال دینے والی خطابت کے ساتھ اٹھنا، ایک انقلاب انگیز دعوت شروع کر دینا، ایک مستقل فلسفۂ حیات اور نظامِ فکر و اخلاق و تمدّن لے کر سامنے آجانا، اتنا بڑا تغیر ہے جو انسانی نفسیات کے لحاظ سے کسی بناوٹ اور تیاری اور ارادی کوشش کے نتیجے میں قطعاً رونما نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ ایسی ہر کوشش اور تیاری بہرحال تدریجی ارتقاء کے مراحل سے گزرتی ہے اور یہ مراحل اُن لوگوں سے کبھی مخفی نہیں رہ سکتے جن کے درمیان آدمی شب و روز زندگی گزارتا ہو۔

اس کے بعد سورۂ عنکبوت آیت ۴۸ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یُوں مخاطب کیا گیا:

"تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے۔" اس آیت میں استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اَن پڑھ تھے۔ آپ کے اہلِ وطن اور رشتہ و برادری کے لوگ جن کے درمیان روزِ پیدائش سے سنِ کہولت کو پہنچنے تک آپ کی ساری زندگی بسر ہوئی تھی، اس بات سے خوب واقف تھے کہ آپ نے عمر بھر نہ کبھی کوئی کتاب پڑھی، نہ کبھی قلم ہاتھ میں لیا۔ اس امرِ واقعہ کو پیش کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ کتبِ آسمانی کی تعلیمات، انبیاءِ سابقین کے حالات، مذاہب و ادیان کے عقائد، قدیم قوموں کی تاریخ، اور تمدّن و اخلاق و معیشت کے اہم مسائل پر جن وسیع اور گہرے علم کا

اظہار اِس اُمّی کی زبان سے ہو رہا ہے یہ اس کو وحی کے سوا کسی دُوسرے ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر اس کو نوِشت وخواند کا علم ہوتا اور لوگوں نے کبھی اسے کتابیں پڑھتے اور مطالعہ و تحقیق کرتے دیکھا ہوتا تو باطل پرستوں کے لیے یہ شک کرنے کی کچھ بنیاد بھی ہو سکتی تھی کہ یہ علم وحی سے نہیں بلکہ اَخذ و اکتساب سے حاصل کیا گیا ہے۔ لیکن اُس کی اُمیّت نے تو ایسے کسی شک کے لیے برائے نام بھی کوئی بنیاد باقی نہیں چھوڑی ہے۔

سُورۂ الفرقان میں منکرین کا ایک اور اعتراض نقل کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

"جن لوگوں نے انکار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن ایک من گھڑت چیز ہے جسے اِس شخص نے آپ ہی گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے۔ بڑا ظُلم اور سخت جھوٹ ہے جس پر یہ لوگ اُتر آئے ہیں۔ کہتے ہیں یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں جنھیں یہ شخص نقل کرلاتا ہے اور وہ اسے صبح و شام سنائی جاتی ہیں۔ ان سے کہو، اسے نازل کیا ہے اُس نے جو زمین اور آسمانوں کا بھید جانتا ہے۔"

یہ وہی اعتراض ہے جو اس زمانے کے مستشرقینِ مغرب قرآن مجید کے خلاف پیش کرتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمعصر دشمنوں میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ تم بچپن میں بحیرا راہب سے جب ملے تھے اس وقت یہ سارے مضامین تم نے سیکھ لیے تھے۔ اور نہ یہ کہا کہ جوانی میں جب تجارتی سفروں کے سلسلے میں تم باہر جایا کرتے تھے اس زمانے میں تم نے عیسائی راہبوں اور یہودی ربیوں سے یہ معلومات حاصل کی تھیں۔ اس لیے کہ ان سارے سفروں کا حال اُن لوگوں کو معلوم تھا۔ یہ سفر اکیلے نہیں ہوئے تھے، اُن کے قافلوں کے ساتھ ہوئے تھے اور وُہ جانتے تھے کہ ان پر

کچھ سیکھ آنے کا الزام ہم لگائیں گے تو ہمارے اپنے ہی شہر میں سینکڑوں زبانیں ہم کو جھٹلا دیں گی۔ اس کے علاوہ مکے کا ہر عام آدمی ہم سے پوچھے گا کہ اگر یہ معلومات اس شخص کو بارہ تیرہ برس کی عمر ہی میں بحیرا سے حاصل ہو گئی تھیں، یا ۲۵ برس کی عمر سے، جب کہ اس نے تجارتی سفر شروع کیے تھے، حاصل ہونی شروع ہو گئی تھیں، تو آخر یہ شخص کہیں باہر تو نہیں رہتا تھا ہمارے ہی درمیان رہتا بستا تھا۔ کیا وجہ ہے کہ چالیس برس کی عمر تک اس کا یہ سارا علم چھپا رہا اور کبھی ایک لفظ بھی اس کی زبان سے ایسا نہ نکلا جو اس علم کی غمّازی کرتا؟ یہی وجہ ہے کہ کفارِ مکہ نے اتنے سفید جھوٹ کی جرأت نہ کی اور اسے بعد کے زیادہ بے حیا لوگوں کے لیے چھوڑ دیا۔ وہ جو بات کہتے تھے وہ نبوت سے پہلے کے متعلق نہیں بلکہ دعوائے نبوت کے زمانے کے متعلق تھی۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ یہ شخص ان پڑھ ہے۔ خود مطالعہ کر کے نئی معلومات حاصل نہیں کر سکتا۔ پہلے اس نے کچھ سیکھا نہ تھا۔ چالیس برس کی عمر تک ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ جانتا تھا جو آج اس کی زبان سے نکل رہی ہیں۔ اب آخر یہ معلومات آ کہاں سے رہی ہیں؟ ان کا سرچشمہ لامحالہ کچھ اگلے لوگوں کی کتابیں ہیں جن کے اقتباسات راتوں کو چپکے چپکے ترجمہ اور نقل کرائے جاتے ہیں، انھیں کسی سے یہ شخص پڑھوا کر سنتا ہے اور پھر انھیں یاد کر کے ہمیں دن کو سناتا ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں وہ چند آدمیوں کے نام بھی لیتے تھے جو اہلِ کتاب تھے، پڑھے لکھے تھے اور مکہ میں رہتے تھے، یعنی عدّاس (حُوَیطِب بن عبدالعُزّیٰ کا آزاد کردہ غلام) یَسار (عَلاء بن حَضرمی کا آزاد کردہ غلام)، اور جَبر (عامر بن رَبیعہ کا آزاد کردہ غلام)۔

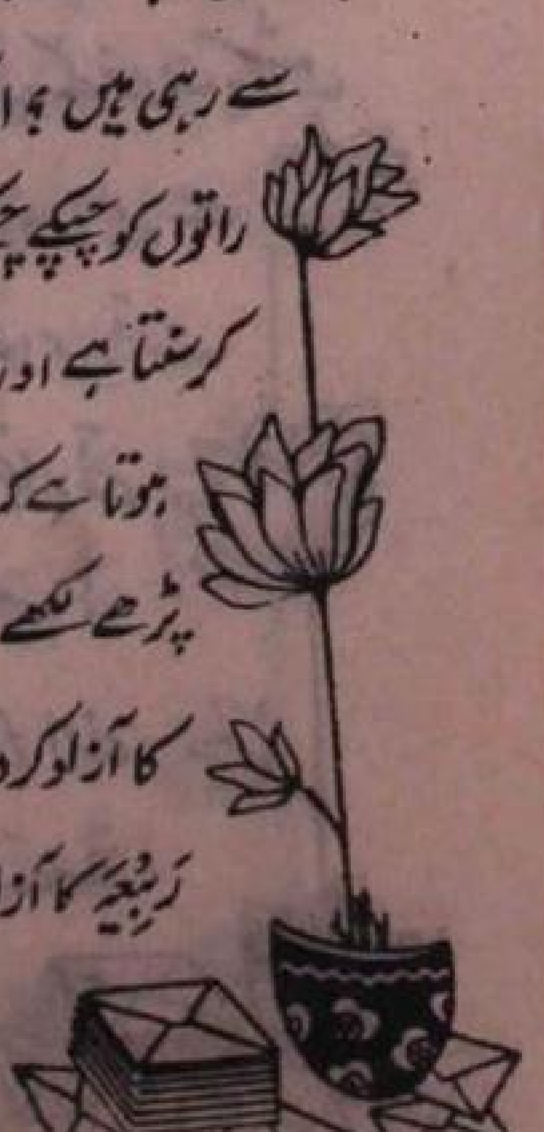

بظاہر بڑا وزنی اعتراض معلوم ہوتا ہے۔ وحی کے دعوے کو

رد کرنے کے لیے نبی کے ماخذِ علم کی نشان دہی کر دینے سے بڑھ کر اور کونسا اعتراض وزنی ہو سکتا ہے۔ مگر آدمی پہلی ہی نظر میں یہ دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے کہ جواب میں سرے سے کوئی دلیل نہیں پیش کی گئی، بلکہ صرف یہ کہہ کر بات ختم کر دی گئی کہ "تم صداقت پر ظلم کر رہے ہو، صریح بے انصافی کی بات کہہ رہے ہو، سخت جھوٹ کا طوفان اٹھا رہے ہو، یہ تو اس خدا کا کلام ہے جو آسمانوں اور زمین کا بھید جانتا ہے۔" کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ سخت مخالفت کے ماحول میں ایسا زوردار اعتراض کیا جائے اور اس کو یوں حقارت سے رد کر دیا جائے؟ کیا واقعی یہ ایسا پوچ اور بے وزن اعتراض تھا کہ اس کے جواب میں بس "جھوٹ اور ظلم" کہہ دینا کافی تھا؟ آخر وجہ کیا ہے کہ اس مختصر سے جواب کے بعد نہ عوام نے کبھی تفصیلی اور واضح جواب کا مطالبہ کیا، نہ نئے نئے ایمان لانے والوں کے دلوں میں کوئی شک پیدا ہوا، اور نہ مخالفین ہی میں سے کسی کو یہ کہنے کی ہمت ہوئی کہ دیکھو ہمارے اس وزنی اعتراض کا جواب بن نہیں پڑ رہا ہے اور محض جھوٹ اور ظلم کہہ کر بات ٹالی جا رہی ہے؟

اس گتھی کا حل ہمیں اسی ماحول سے مل جاتا ہے جس میں مخالفینِ اسلام نے یہ اعتراض کیا تھا: پہلی بات یہ تھی کہ مکّے کے وہ ظالم سردار جو ایک ایک مسلمان کو مارتے کوٹتے اور تنگ کرتے پھر رہے تھے، ان کے لیے یہ بات کچھ بھی مشکل نہ تھی کہ جن جن لوگوں کے متعلق وہ کہتے تھے کہ یہ پرانی پرانی کتابوں کے ترجمے کر کر کے محمدؐ کو یاد کرایا کرتے ہیں، ان کے گھروں پر اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر چھاپے مارتے اور وہ سارا ذخیرہ برآمد کر کے پبلک کے سامنے لا رکھتے جو ان کے زعم میں اس کام کے لیے فراہم کیا گیا تھا۔ وہ

عین اُس وقت چھاپہ مار سکتے تھے جب کہ یہ کام کیا جا رہا ہو اور ایک مجمع کو دکھا سکتے تھے کہ لو دیکھو، یہ نبوّت کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ بلالؓ کو تپتی ہوئی ریت پر گھسیٹنے والوں کے لیے ایسا کرنے میں کوئی آئین و ضابطہ مانع نہ تھا اور ایسا کر کے وہ ہمیشہ کے لیے نبوّتِ محمدیؐ کے "خطرے" کو مٹا سکتے تھے، مگر وہ بس زبانی اعتراض ہی کرتے رہے اور ایک دن بھی یہ فیصلہ کن قدم اٹھا کر انھوں نے نہ دکھایا۔

دوسری بات یہ تھی کہ جن لوگوں کے وہ اِس سلسلے میں نام لیتے تھے وہ کہیں باہر کے لوگ نہ تھے، اسی شہر مکّہ کے رہنے والے تھے۔ ان کی قابلیتیں کسی سے چھپی ہوئی نہ تھیں۔ ہر شخص جو تھوڑی سی عقل بھی رکھتا تھا، یہ دیکھ سکتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو چیز پیش کر رہے ہیں وہ کس پائے کی ہے، کس شان کی زبان ہے، کس مرتبے کا ادب ہے، کیا زورِ کلام ہے، کیسے بلند خیالات اور مضامین ہیں، اور وہ کس درجہ کے لوگ ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ محمدؐ اُن سے یہ سب کچھ حاصل کر کے لا رہے ہیں۔ اسی وجہ سے کسی نے بھی اِس اعتراض کو کوئی وزن نہ دیا۔ ہر شخص سمجھتا تھا کہ اِن باتوں سے بس دل کے جلے پھپھولے پھوڑے جا رہے ہیں، ورنہ اس قول میں کسی شبہ کے قابل بھی جان نہیں ہے۔ جو لوگ ان اشخاص سے واقف نہ تھے وہ بھی آخر اتنی ذرا سی بات تو سوچ سکتے تھے کہ اگر یہ لوگ ایسی ہی قابلیت رکھتے تھے تو آخر انھوں نے خود اپنا چراغ کیوں نہ جلایا؟ ایک دوسرے شخص کے چراغ کو تیل مہیا کرنے کی انھیں ضرورت کیا پڑی تھی؟ اور وہ بھی چپکے چپکے کہ اس کام کی شہرت کا ذرا سا حصہ بھی اُن کو نہ ملے؟

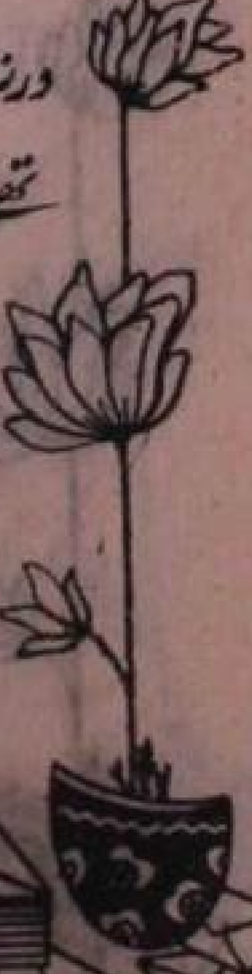

تیسری بات یہ تھی کہ وہ سب اشخاص جن کا اس سلسلے میں نام لیا جا رہا تھا، بیرونی ممالک سے آئے ہوئے غلام تھے جن کو ان کے مالکوں

نے آزاد کر دیا تھا۔ عرب کی قبائلی زندگی میں کوئی شخص بھی کسی طاقت اور قبیلے کی حمایت کے بغیر نہ جی سکتا تھا۔ آزاد ہو جانے پر بھی غلام اپنے سابق مالکوں کے وِلاء (سرپرستی) میں رہتے تھے اور ان کی حمایت ہی معاشرے میں ان کے لیے زندگی کا سہارا ہوتی تھی۔ اب یہ ظاہر بات تھی کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کی بدولت، معاذ اللہ، ایک جھوٹی نبوت کی دکان چلا رہے تھے تو یہ لوگ کسی خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ تو اس سازش میں آپ کے شریک نہ ہو سکتے تھے۔ آخر ایسے شخص کے وہ مخلص رفیقِ کار اور سچے عقیدت مند کیسے ہو سکتے تھے جو رات کو انھی سے کچھ باتیں سیکھتا ہو اور دن کو دنیا بھر کے سامنے یہ کہہ کر پیش کرتا ہو کہ یہ خدا کی طرف سے مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے۔ اس لیے ان کی شرکت کسی لالچ اور کسی غرض ہی کی بنا پر ہو سکتی تھی۔ مگر کون صاحب عقل و ہوش آدمی یہ باور کر سکتا تھا کہ یہ لوگ خود اپنے سرپرستوں کو ناراض کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سازش میں شریک ہو گئے ہوں گے؟ آخر کیا لالچ ہو سکتا تھا جس کی بنا پر وہ ساری قوم کے مغضوب و مطعون اور ساری قوم کی دشمنی کے ہدف آدمی کے ساتھ مل جاتے اور اپنے سرپرستوں سے کٹ جانے کے نقصان کو ایسے مصیبت زدہ آدمی سے حاصل ہونے والے کسی فائدے کی امید پر گوارا کر لیتے؟ پھر یہ بھی سوچنے کی بات تھی کہ ان کے سرپرستوں کو یہ موقع تو آخر حاصل ہی تھا کہ مار کوٹ کر ان سے سازش کا اقبال کرا لیں۔ اس موقع سے انھوں نے کیوں نہ فائدہ اٹھایا اور کیوں نہ ساری قوم کے سامنے خود انھی سے یہ اعتراف کروا لیا کہ ہم سے سیکھ کر یہ نبوت کی دکان چمکائی جا رہی ہے؟

سب سے زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ وہ سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور رأس
عزمِ المثل عقیدت میں شامل ہوئے جو صحابہ کرامؓ آنحضورؐ کی ذاتِ مقدس سے رکھتے تھے۔
کیا یہ ممکن ہے کہ بناوٹی اور سازشی نبوت پر خود وہی لوگ ایمان لائیں اور گہری عقیدت کے
ساتھ ایمان لائیں جنھوں نے اس کے بنانے کی سازش میں خود حصہ لیا ہو؟ اور بالفرض
اگر یہ ممکن بھی تھا تو ان لوگوں کو اہلِ ایمان کی جماعت میں کوئی مرتبہ تو ملا ہوتا۔ یہ
کیسے ہو سکتا تھا کہ نبوت کا کاروبار تو چلے عداس اور یسار اور جبرؑ کے بل بوتے
پر، اور نبی کے دست راست بنیں ابوبکرؓ، اور عمرؓ اور ابو عبیدہؓ۔

یہ وجوہ تھے جن کی بنا پر ہر سننے والے کی نگاہ میں یہ اعتراض آپ ہی
بے وزن تھا۔ اس لیے قرآن میں اس کو وزنی اعتراض کی حیثیت سے جواب
دینے کی خاطر نقل نہیں کیا گیا ہے، بلکہ یہ بتانے کی خاطر اس کا ذکر کیا گیا ہے کہ دیکھو
حق کی دشمنی میں یہ لوگ کیسے اندھے ہو گئے ہیں، اور کس قدر صریح جھوٹ اور بے انصافی
پر اتر آئے ہیں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

بنام شفیق بریلوی ایڈیٹر "خاتونِ پاکستان" کراچی

مورخہ ۱۱، فروری ۶۵ء

۱۰۲

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ مجھے آپ کے خیالات معلوم کر کے بڑی خوشی
ہوئی۔ یہ محض آپ کی نیک فطرت ہے جس کی وجہ سے آپ نے

امریکہ میں رہ کر وہاں کی اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کا اثر قبول کرنے کی بجائے ان کی قباحتوں کو ٹھیک ٹھیک محسوس کیا اور اس نعمت کی قدر کی جو اسلام کی برکت سے اس گئی گزری حالت میں بھی ہم مسلمانوں کو حاصل ہے - ورنہ عام طور پر تو ہمارے نوجوان یورپ اور امریکہ میں جا کر وہاں کی چمک دمک سے مرعوب ہو جاتے ہیں اور جن برائیوں کا سیلاب وہاں جاری ہے اسی میں غرق ہو جاتے ہیں۔ آپ اس بات کو خود بھی اچھی طرح سمجھ لیں، اور جو دوسرے نوجوان وہاں آپ کو مسلمان ملکوں سے آئے ہوئے ملیں، ان کے بھی ذہن نشین کر دیں کہ ہمیں یورپ اور امریکہ سے صرف علوم و فنون سیکھنے کی ضرورت ہے۔ ان کا معاشرتی فلسفہ اور طرزِ زندگی اور اخلاقی اصول لینے کی ضرورت نہیں ہے - اس معاملہ میں اسلام سے جو ہدایات ہمیں ملی ہیں وہ نہ صرف یہ کہ بدرجہا زیادہ ارفع و اعلیٰ ہیں، بلکہ خود مغرب بھی اگر تباہی سے بچنا چاہتا ہے تو اس کو ہم سے اس معاملہ میں رہنمائی لینی ہو گی -

آپ اسلام کی بہترین خدمت اس طرح کر سکتے ہیں کہ جو علم بھی آپ امریکہ میں حاصل کر رہے ہیں اس کے ساتھ ساتھ اسلام سے بھی صحیح واقفیت پیدا کریں، اور پھر اہلِ مغرب کو، جہاں اور جس طرح بھی آپ ان تک اپنی بات پہنچانے کا موقع پائیں، اس بات سے آگاہ کرنے کی کوشش کریں کہ اخلاق، تمدن، معاشرت اور معاشی نظام کے بارے میں اسلام انسانی زندگی کی گتھیوں کا کیا حل پیش کرتا ہے -

آپ نے جو سوالات کیے ہیں ان کے جوابات یہ ہیں :

۱- عیسائیوں کا مارا ہوا جانور حلال نہیں ہے، کیونکہ وہ نہ تو ٹھیک طریقہ سے ذبح کرتے ہیں جس سے جانور کے جسم کا پورا خون نکل جائے

اور نہ ذبح کے وقت خدا کا نام لیتے ہیں۔ آپ یا تو یہودیوں کا ذبیحہ[1] کھائیں یا پھر اگر خود ذبح کرنے کا موقع ملتا ہو تو خود ہی کر لیا کریں۔

دوسرے سوال کے متعلق آپ میری کتاب "اسلام میں مرتد کی سزا" کا مطالعہ کریں۔ اس سے آپ کو پوری طرح اس مسئلے کے متعلق معلومات حاصل ہو جائیں گی اور سارے اعتراضات کا جواب بھی مل جائے گا۔

بنام ڈاکٹر ایس مبین اختر صاحب، یو۔ ایس۔ اے — خاکسار

۱۱۔ فروری ۶۵ء — ابوالاعلیٰ

۱۰۳

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ جن خاص جرائم کے مرتکبین کے متعلق قرآن و حدیث میں صراحت ہے کہ وہ جہنم میں ڈالے جائیں گے وہ اُس عموم سے مستثنیٰ ہیں جس کا ذکر سورۂ فاطر میں ہے۔ عموماً اہل ایمان گناہ گاروں کے متعلق بات یہی ہے کہ ان کے دخولِ جہنم کی نوبت نہ آئے گی بلکہ اس سے کم تر سزاؤں سے ان کا حساب صاف کر دیا جائے گا۔

شاہد سے مراد ہے مشاہدہ کرنے والا اور مشہود جس کا مشاہدہ کیا گیا۔ آگے

---

[1] یہودی ابھی تک اللہ کا نام لے کر جانور ذبح کرتے ہیں، اور سؤر کو بھی حرام سمجھتے ہیں اس لیے ان کا ذبیحہ مسلمان کے لیے جائز ہے۔ یہ گوشت کوشر کے نام سے امریکہ اور یورپ کے اُن شہروں میں مل جاتا ہے جہاں یہودیوں کی آبادی موجود ہے۔

(مرتب)

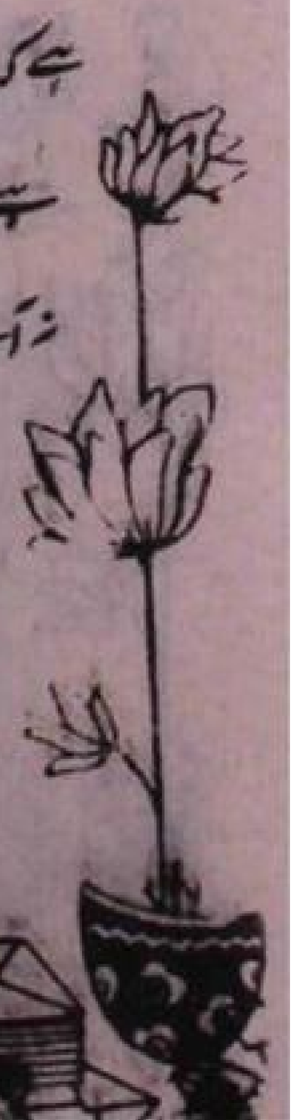

آیت، میں خود وضاحت کر دی گئی ہے کہ وَهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ (سورۃ البروج) یعنی جو لوگ یہ ظلم ہوتے دیکھ رہے ہیں اور جن پر ظلم ہوتے دیکھا گیا، ان کی قسم اس بات پر کھائی گئی ہے کہ یہ ظلم کرنے والے آخرِ کار ہلاک کیے گئے۔

رَجْع سے مراد بارش ہے اور اَرْضٌ ذَاتِ الصَّدْع سے مراد زمین کا شق ہو کر اس سے نباتات کا برآمد ہونا ہے۔

لیلۃ القدر کے ہزار ماہ سے بہتر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تاریخِ انسانی میں کبھی ہزار مہینوں میں بھی فلاحِ انسانیت کے لیے وہ کام نہیں ہوا جو اس ایک رات میں ہوا۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دنیا میں ہر بعد کا زمانہ پہلے سے بہتر ہوتا چلا جائے گا اور آخرت دنیا سے بھی بہتر ہوگی۔

وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى کا مطلب یہ ہے کہ دنیا اور آخرت، دونوں میں اقتدار اللہ ہی کا ہے۔

کوثر کے معنی خیرِ کثیر کے ہیں۔ یہ لفظ اُن بے شمار بھلائیوں پر حاوی ہے جو اللہ نے اپنے نبیؐ کو عطا فرمائیں۔

میرے نزدیک مولانا فراہیؒ نے سورۂ فیل کی جو تفسیر فرمائی ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔ خود سورۂ فیل کا نظم ہی اس تفسیر کو قبول نہیں کرتا۔ اگر بات وہ ہوتی جو مولانا فراہیؒ نے سمجھی ہے تو سورہ کی ترتیب یوں ہوتی کہ

"تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ فَاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝"

بنام محمد فاروق صاحب۔ دفتر الحسنات رام پور (انڈیا)

خاکسار
ابوالاعلیٰ
۱۷ مارچ ۶۵ء

۱۰۴

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ آپ نے شام کے جو دردناک حالات لکھے ہیں ان کا کچھ علم مجھے پہلے ہی عربی اخبارات کے ذریعہ سے ہو چکا تھا۔ اب مزید تفصیلات آپ کے خط سے معلوم ہوئیں۔ اس ظلم و ستم پر، جو عین رمضان میں بلادِ عربیہ کے عین قلب میں بیٹھ کر یہ لوگ مسلمانوں پر ڈھا رہے ہیں، خون کھول اٹھتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ ہم اپنے ملک کے اخبارات میں بھی اس کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتے۔ بہر حال جو تدبیر میرے بس میں ہو گی انشاء اللہ اس میں دریغ نہ کروں گا۔

بنام حافظ احسان الٰہی ظہیر صاحب، مدینہ منورہ — خاکسار

۱۶ مارچ ۶۵ء — ابوالاعلیٰ

۱۰۵

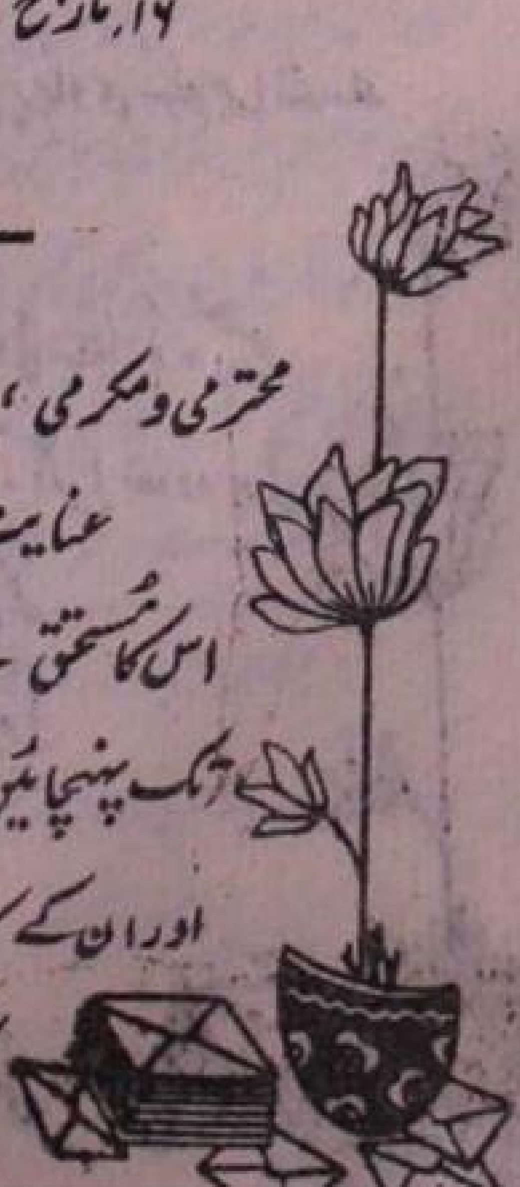

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ آپ کے ارسال کردہ پمفلٹ ملے۔ جاپان فی الحقیقت اس کا مستحق ہے کہ مسلمان اس کی طرف توجہ کریں اور اسلام کا پیغام اس تک پہنچائیں۔ خدا کے فضل سے کچھ مسلمان نوجوان وہاں کام کر رہے ہیں اور ان کے کام سے میں بھی دلچسپی رکھتا ہوں۔ میری کتاب "رسالہ دینیات" کا ترجمہ بھی جاپانی میں ہو چکا ہے۔ اصل مشکل ذرائع و وسائل

کی ہے جن کی کمی کے باعث قدم آگے نہیں بڑھ رہے ہیں۔

بنام محمد رفیق انور صاحب، گوجرانوالہ　　　　　　　خاکسار

۱۰ مارچ ۶۵ء　　　　　　　　　　　　　　　ابوالاعلیٰ

۱۰۶

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آپ کی مرسلہ کتاب MUHAMMAD THE LAST PROPHET مجھے وصول ہوئی۔ اس تکلیف فرمائی کے لیے آپ کا بہت شکر گزار ہوں۔ امریکہ اور دوسرے غیر مسلم اکثریت کے ملکوں میں پرورش پانے والی نئی مسلم نسلوں کو اسلام سے روشناس کرانے کے لیے آپ نے بہت اچھا سلسلہ شروع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی میں برکت دے اور مسلمانوں کے لیے ذریعۂ خیر بنائے۔

میں اپنی انگریزی کتابیں آپ کو بھیج رہا ہوں۔ میری عربی کتابیں دمشق سے شائع ہوتی ہیں۔ یہاں منگوا کر آپ کو بھیجوں تو طولِ عمل ہوگا۔ آپ اگر براہ راست وہاں سے طلب فرمالیں تو سہولت ہوگی۔

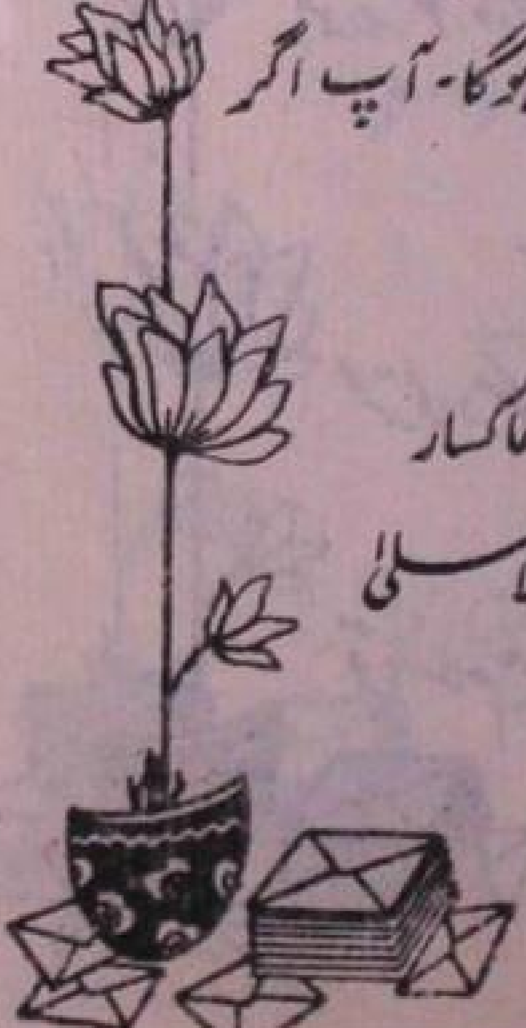

بنام وہبی اسماعیل، البانیہ امریکن مسلم سوسائٹی،

Michigan (U.S.A.)　　　　　　　خاکسار

۱۱ فروری ۶۵ء　　　　　　　　　ابوالاعلیٰ

۱۰۷

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ "ایک اہم استفتاء" ۱۹۴۰ء کا لکھا ہوا پمفلٹ ہے۔

اُس وقت جو بحث کی گئی تھی وہ غیر اسلامی (انگریزی) حکومت کے متعلق تھی۔ پاکستان بننے کے بعد جب قراردادِ مقاصد پاس کر دی گئی، اور دستور میں بھی یہ لکھ دیا گیا کہ کوئی قانون سازی قرآن و سنّت کے خلاف نہیں کی جائے گی تو اصولاً یہ حکومت اسلامی حکومت ہو گئی۔ اب اس کی عملی خرابیوں کی وجہ سے اس پر وہ احکام چسپاں نہیں کیے جا سکتے جو کافر حکومت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے موجودہ حکومت کے ملازم کا کام اگر اپنی نوعیت کے لحاظ سے شرعاً معصیت کی تعریف میں نہ آتا ہو، تو وہ محض ملازمِ حکومت ہونے کی وجہ سے گناہ نہیں ہے۔

بنام طاؤس خاں، ایبٹ آباد — خاکسار

مورخہ ۲ مارچ ۶۵ء — ابوالاعلیٰ

۱۰۸

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

ہاتھ جوڑ کر سلام کرنے کا طریقہ کسی قطعی اور منصوص حکم کی بنا پر تو اسلام میں ممنوع نہیں ہے مگر غیر مسلموں کی نقالی ممنوع ہے۔ ہاتھ جوڑ کر سلام کرنا ہندوؤں کا شعار ہے۔ مسلمانوں میں یہ کبھی

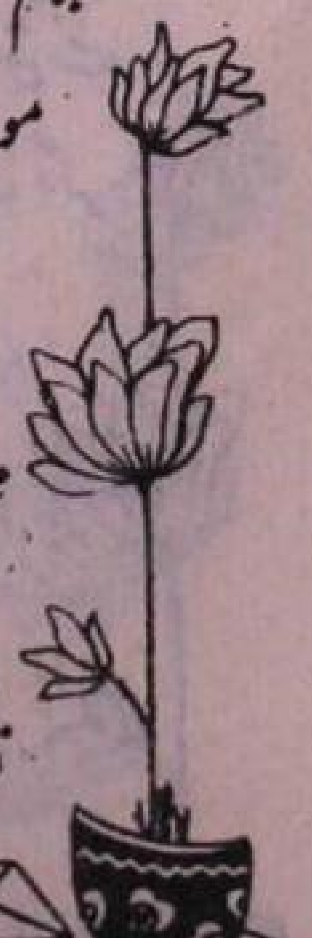

رائج نہیں رہا ہے۔ اب کسی مسلمان کا یہ طریقہ اختیار کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اس نے ہندو غلبے کے آگے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔

پامسٹری کو آدمی کی ذہنی صلاحیتیں معلوم کرنے کے لیے تو استعمال کیا جا سکتا ہے، کیونکہ یہ علم قیافہ کی ایک شاخ ہے جو شریعت میں ممنوع نہیں ہے۔ مگر اسے قسمت معلوم کرنے کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہ شریعت میں ممنوع ہے۔

قرآن میں یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ یہودیوں کو دنیا کے کسی خطے میں کبھی حکومت نہیں ملے گی۔ وہاں تو یہ کہا گیا ہے کہ ان پر ذلّت اور مسکینی ہمیشہ کے لیے مسلّط کر دی گئی۔ یہ فیصلہ ان کے لیے بحیثیت مجموعی ہے۔ نیز یہ کہا گیا ہے کہ وقتاً فوقتاً دنیا میں کوئی نہ کوئی ظالم ان پر مسلّط ہوتا رہے گا جو ان کو سخت عذاب دے گا۔ ان دونوں باتوں کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہزاروں سال کی طویل مدّت میں روئے زمین کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا خطہ بھی ایسا نہ ہو گا جہاں انھیں کسی محدود مدّت کے لیے حکومت مل جائے۔

بنام ایم حبیب اللہ صاحب۔ لندن ای سی ۲

مورخہ ۲۸ فروری ۶۵ء

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۰۹

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ قرآن مجید میں جو طریقِ قانون سازی اختیار کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی مقدمہ پیش آجاتا تو اس

وقت اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو یہ بتاتا تھا کہ اس مقدمے کا فیصلہ یوں ہونا چاہیے۔ قذف اور لعان اور ظہار کے مقدمات میں اسی طریقہ سے پیش آمدہ معاملے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ کوئی معاملہ آج ایسا پیش آجائے جس کے متعلق قانون رائج الوقت میں سرے سے کوئی حکم موجود نہ ہو۔ ایسے موقع پر کوئی آرڈی ننس یا قانون اس غرض کے لیے نافذ کر دیا جائے کہ عدالتیں اس کے مطابق فیصلہ کریں۔

بنام ضیاء اللہ خاں صاحب، رامپوری، راولپنڈی — خاکسار

۱۰ مارچ ۶۵ء — ابوالاعلیٰ

۱۱۰

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ آپ کی مخلصانہ تجویز کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ میں خود ایک مدت سے اس فکر میں ہوں کہ جماعت مجھے امیر بنانے کے بجائے کسی اور کو امیر بنا لے۔ اب بھی میرا ارادہ یہی ہے کہ آئندہ انتخاب امارت سے پہلے جماعت سے اس تبدیلی کی درخواست کروں۔

جماعت کو ملک گیر تحریک بنانے کے لیے ابھی چند روز پہلے ایک پروگرام بنایا گیا ہے۔ عنقریب وہ آپ کے سامنے آجائے گا۔

بنام حکیم محمد زبیر قمر صاحب،
کھوئی رٹہ (آزاد کشمیر) — خاکسار

مورخہ ۱۰ مارچ ۶۵ء — ابوالاعلیٰ

۱۱۱

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ اس حدیث میں کہ "اگر خداوند کریم اپنے بعد کسی اور کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو وہ بیوی کے لیے اس کا شوہر ہوتا" اس کا مقصد عورت کے لیے اس کے شوہر کی اہمیت پر زور دینا ہے۔ یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ عورت کے لیے معبود کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ بلکہ مقصد عورت کے ذہن نشین یہ بات کرنا ہے کہ شوہر کے بغیر اس کو معاشرے میں عزت اور حفاظت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اسے حتیٰ الامکان اپنے شوہر سے موافقت کی پوری کوشش کرنی چاہیے اور اس کے مقابلے میں نشوز[1] کی روش اختیار نہ کرنی چاہیے۔ اس کو اگر کوئی شخص ظلم سے تعبیر کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ بیوہ اور مطلقہ عورتوں سے خود پوچھ لے کہ شوہر کے بغیر ان کی زندگی کیسی گزرتی ہے۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

بنام سید حاتم علی صاحب ، کراچی
۱۵ مارچ ۶۵ء

۱۱۲

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ مؤرخہ ۱۲ مارچ بروقت

[1] نشوز کے معنی ہیں : نافرمانی ، اطاعت سے گریز اور شوہر کے مقابلہ میں غرور کی روش اختیار کرنا۔ (مرتب)

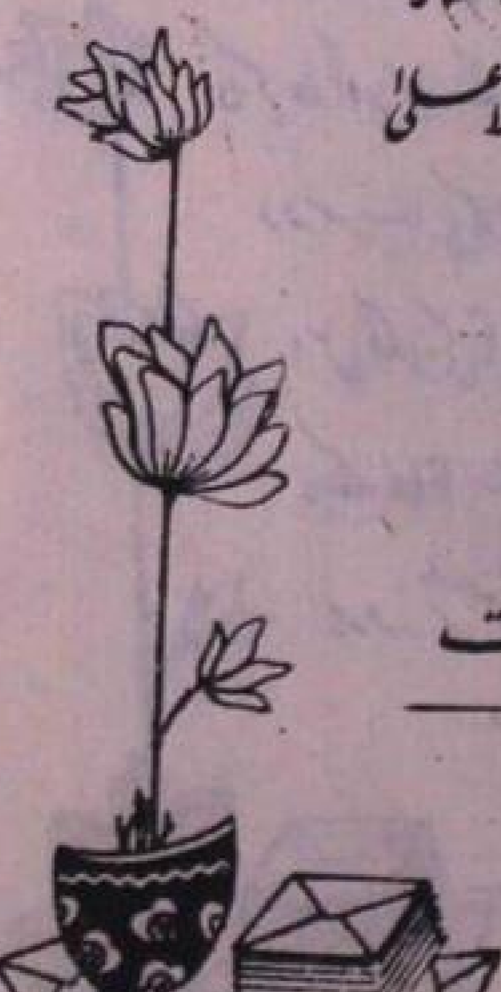

مل گیا تھا۔ مگر میں بعض مصروفیتوں کی وجہ سے جلدی جواب نہ دے سکا۔ اس کے لیے پہلے ہی ایک خط کے ذریعہ سے معذرت پیش کرچکا ہوں۔ اب آپ کے سوالات کا جواب مختصراً عرض کرتا ہوں :

۱۔ علامہ اقبال مرحوم سے میری بس دو ہی ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ ایک اُس زمانے میں جب مدراس سے پلٹتے ہوئے انھوں نے حیدرآباد میں اپنے مشہور چھ خطبات سنائے تھے۔ دوسری، ۱۹۳۷ء کے آخر میں جب اُن کے ارشاد پر میں نے پنجاب منتقل ہو جانے کا فیصلہ کیا۔ ان دونوں ملاقاتوں کا کوئی خاص تأثر اُس مجموعی تأثر سے الگ اور مختلف نہ تھا جو میں پہلے ہی ان کے علم و فضل، ان کے تفکّر اور ان کی خدمتِ اسلام کے بارے میں رکھتا تھا اور آج بھی رکھتا ہوں۔

۲۔ جی ہاں، یہ درست ہے کہ مجھے علامہ مرحوم ہی نے دکن چھوڑ کر پنجاب منتقل ہو جانے کا مشورہ دیا تھا اور انہی کے ارشاد کی بنا پر میں نے یہ "ہجرت" کی تھی۔

۳۔ کسی معاشرے میں کسی فکر کے مستقبل کا انحصار دو چیزوں پر ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ فکر بجائے خود دِلوں اور دماغوں کو اپیل کرنے کی کتنی طاقت رکھتی ہے۔ دوسرے یہ کہ معاشرے میں ذہنی، اخلاقی اور علمی حیثیت سے کتنی قوتیں اس فکر کی تائید کرنے والی موجود ہیں۔ فکرِ اقبال کے معاملے میں پہلی چیز کے لحاظ سے تو کمی نہیں ہے، مگر دوسری چیز کی بڑی کمی ہے اور یہ کمی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ اس لیے یہ کہنا تو مشکل ہے کہ یہاں اس کا کوئی مستقبل نہیں ہے، مگر یہ کہنا بھی آسان نہیں ہے کہ بڑا شاندار مستقبل ہے۔

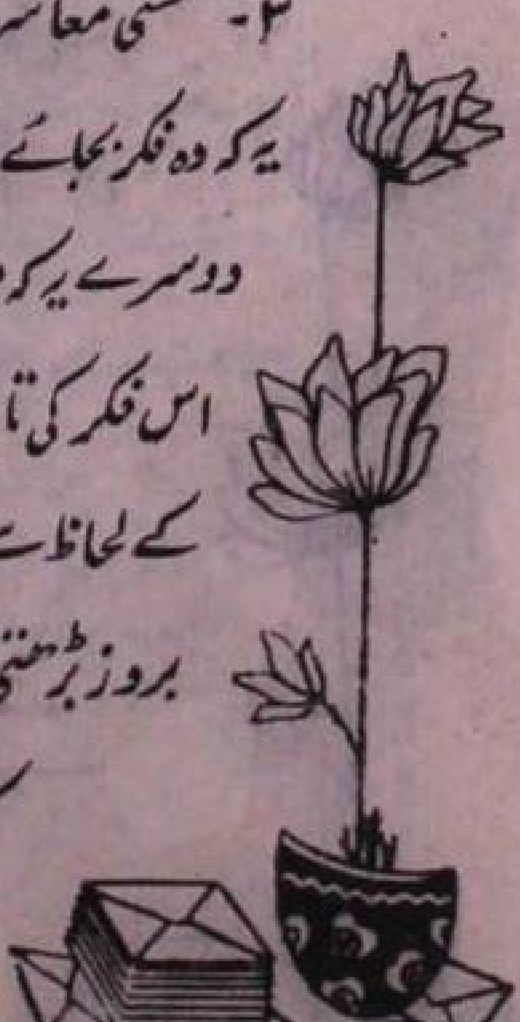

۴- یہ سوال ہے تو بڑا تفصیل طلب، لیکن چند الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ "خودی" سے مراد عرفانِ نفس ہے۔ دنیا و آخرت میں انسان کی فلاح و کامرانی کا سارا انحصار خود شناسی و خدا شناسی پر ہے، اور خدا شناسی بھی خود شناسی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس کے برعکس خود فراموشی و خدا فراموشی ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ اور خدا فراموشی میں بھی انسان خود فراموشی ہی کی وجہ سے مبتلا ہوتا ہے۔

۵- علامہ کے مشہور چھ خطبات پر اظہار رائے کا حق ایک مختصر خط میں ادا کرنا مشکل ہے، اور تفصیلی اظہار رائے کا اس وقت موقع نہیں ہے۔ یہ خطبات ایک ایسے زمانے میں تحریر کیے گئے تھے جب کہ اسلامی فکر و نظر اور دستورِ حیات پر مغرب کی یلغار نے دنیائے اسلام میں بڑی انقلاب انگیز شکل اختیار کر لی تھی اور اس پر ایک ہلچل برپا تھی۔ اس وقت جو ابتدائی کوششیں اسلامی عقیدے اور نظامِ فکر و عمل کو از سرِ نو مرتب کرنے کے لیے کی گئیں، ان میں علامہ مرحوم کے ان خطبات کا بڑا اہم مقام ہے۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ یہ ترتیبِ جدید بالکلیہ درست تھی۔ اس میں وقت کے حالات کا اثر بھی پایا جاتا ہے اور بعض مسائل کے بیان میں بھی خامیاں ہیں۔ اس لیے اگر کوئی اسے فکرِ اسلامی کی ترتیبِ نو کے معاملہ میں حرفِ آخر کہے تو غلط ہوگا۔ البتہ اس طرزِ خاص کے لٹریچر میں مُقدمۃ الجیش کی حیثیت سے اس کی قدر ناقابلِ انکار ہے۔

بنام شورش کاشمیری صاحب، لاہور — خاکسار

۲۷ مارچ ۶۵ھ — ابوالاعلیٰ

١١٣

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ اللہ کا خوف ہر برائی سے بچانے والا ہے اور اللہ کی محبت ہر بھلائی کا سرچشمہ ہے؎

بنام ایم اے رؤف اعوان، خان پور ضلع رحیم یار خاں — خاکسار

مورخہ ۱۹، جون ۶۵ء — ابوالاعلیٰ

١١٤

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ میں نے اپنے مضمون میں جو کچھ لکھا ہے اس کے اندر میرے الفاظ سے زیادہ پڑھنے کی کوشش آپ کریں گے تو مجھ پر ظلم ہی کریں گے۔ میں نے آخر یہ کہاں لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ سے ملوکیت کا آغاز ہوا یا یہ کہ حضرت عثمانؓ نے بنو امیہ کو بڑے بڑے عہدے ملک گیری کے لیے دیے تھے؟

یہ دونوں باتیں آخر آپ نے کس چیز سے اخذ کی ہیں؟ میں نے تو اشارے کنائے تک میں بھی یہ باتیں نہ لکھی تھیں۔ نیز حضرت عثمانؓ کے تفردات کا بھی میں نے کوئی ذکر نہیں کیا۔ جو بات میں نے لکھی ہے وہ صرف یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کا مروان کو سیکرٹری اور بصرہ و کوفہ سے لے کر مصر تک تمام علاقوں پر بیک وقت ایک خاندان

؎ مکتوب الیہ نے اپنے خط میں مولانا محترم سے آٹوگراف مانگا تھا (جاری ہے)

کے لوگوں کو گورنری کے مناصب پر مقرر کرنا متعدد وجوہ سے فتنے کا موجب بن گیا۔ یہ جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ مسلّم تاریخی واقعات ہیں جو ابن عبدالبرؒ، ابن سعدؒ، ابن جریرؒ، ابن کثیرؒ اور ابن اثیر جیسے مستند اہلِ علم نے اپنی کتابوں میں بیان کیے ہیں۔ آپ یا تو یہ کہیے کہ یہ واقعات ان بزرگوں نے بیان نہیں کیے ہیں، یا یہ کہیے کہ یہ واقعات درحقیقت فتنے کے موجب نہیں بنے۔ اگر پہلی بات آپ کہنا چاہتے ہیں تو پہلے وہ کتابیں خود پڑھ لیجیے جن کے حوالے میں نے بقیدِ صفحہ دے دیے ہیں۔ وہاں اگر یہ واقعات نہ ملیں تو مجھے ضرور متنبہ فرمائیے۔ اس کے بعد اگر دوسری بات آپ فرماتے ہیں تو مجھے سمجھا دیجیے کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش اٹھی یا نہ اٹھی؟ مدینہ میں شورشی گھس کر آئے یا نہ آئے؟ حضرت عثمانؓ شہید کیے گئے یا نہیں؟ ان واقعات میں سے کسی کا آپ کو انکار نہ ہو تو براہِ کرم مجھے بتائیے کہ یہ کیوں ہوا؟ یہ فتنہ تھا یا نہیں؟ اگر فتنہ تھا تو اس کے لیے کیا اسباب محرک ہوئے؟ کیا دنیا میں کوئی فتنہ بے سبب بھی اٹھ کھڑا ہوتا ہے؟

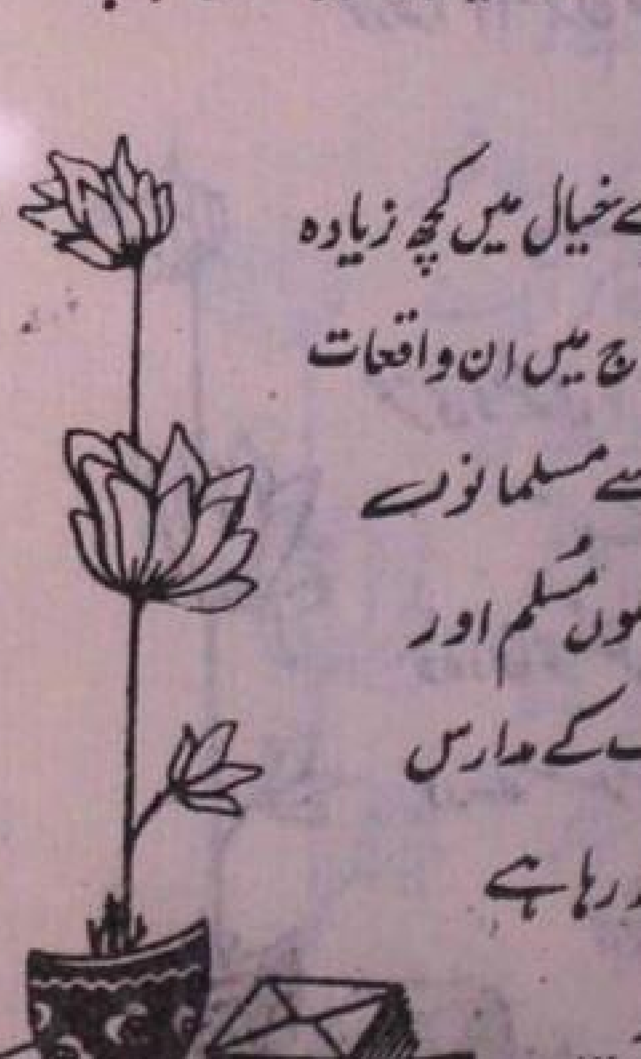

آپ کا یہ کہنا کہ ان مسائل کو چھیڑا نہ جائے، میرے خیال میں کچھ زیادہ غور و فکر کا نتیجہ نہیں ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آج میں ان واقعات کو بیان کرنے والا پہلا شخص نہیں ہوں۔ صدہا برس سے مسلمانوں کی تاریخ میں یہ واقعات لکھے ہوئے موجود ہیں۔ لاکھوں مسلم اور غیر مسلم کتابوں میں ان کو پڑھ رہے ہیں۔ آپ کے ملک کے مدارس اور کالجوں میں اسلامی تاریخ کا ہر طالب علم ان کو پڑھ رہا ہے انھیں آپ کہیں چھپا نہیں سکتے۔ اب اگر معقول اور

(بقیہ حاشیہ خط نمبر ۱۱۳) ۱۹ الفاظ پر مشتمل یہ مختصر ترین خط اسی کے جواب میں لکھا گیا تھا

متوازن طریقہ سے یہ تاریخ لوگوں کو سمجھائی نہ جائے گی تو لوگ اس کو عجیب رنگ دے کر لکھیں گے۔ اور آپ ہی کے ملک کی تعلیم یافتہ آبادی ان چیزوں کو پڑھ پڑھ کر گمراہ ہو گی۔

آپ کا یہ خیال بھی نظرِ ثانی کا محتاج ہے کہ اس تاریخ کو بیان کرنے سے اس دورِ سعادت کو قابلِ اعتراض سمجھا جائے گا۔ کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ ابن سعد اور ابن جریر سے لے کر ابن کثیر تک جن لوگوں نے بھی اس دور کی تاریخ لکھی ہے ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ اس تاریخ نگاری سے یہ دورِ سعادت قابلِ اعتراض سمجھا جائے گا؟ اس اندیشے کے تو معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں کو اپنی تاریخ سرے سے لکھنی ہی نہ چاہیے تھی بلکہ واقعات پر پردہ ڈال رکھنا چاہیے تھا۔

بنام مولانا سعد الدین صاحب، مردان — خاکسار

مورخہ: ۱۹ جون ۱۹۶۵ء — ابوالاعلیٰ

۱۱۵

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ سب سے پہلے تو براہِ کرم آپ میرے وہ الفاظ نقل فرما دیں جن میں مَیں نے حضرت عثمانؓ کی بے ادبی کی ہو۔ اس پورے سلسلہ مضامین میں جس شخص نے ان کو برابر ایک خلیفۂ راشد کی حیثیت سے پیش کیا ہے، ان کی خوبیوں اور ان کے کام کو سراہا ہے، اور ان پر سے بے جا الزامات کو رفع کیا ہے،

اس کے متعلق آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ان کی شان میں بے ادبی کرتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ آپ لوگ غیر انبیاؑ کو بھی معصوم سمجھے بیٹھے ہیں۔ آپ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جو بزرگ ہے وہ غلطی نہیں کرتا، اور جو غلطی کرتا ہے وہ بزرگ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی بزرگ ہستی کے کسی کام کو غلط قرار دیتا ہے (خواہ کیسے ہی مؤدب طریقے سے وہ اس کا ذکر کرے) وہ ضرور ان کی بزرگی کا انکار کرتا ہے۔ میرا نقطۂ نظر اس معاملہ میں آپ لوگوں سے مختلف ہے۔ میں بزرگوں کو بزرگ بھی مانتا ہوں اور ان کا نہایت احترام کرتا ہوں، مگر ان میں سے کسی کا کوئی کام غلط ہو تو اسے غلط سمجھتا ہوں اور غلط کہتا ہوں، اور اس جزوی غلطی سے میرے نزدیک ان کی مجموعی بزرگی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ پھر غلط کو غلط کہنا بھی میرے لیے کسی شوقیہ مشغلہ کی حیثیت نہیں رکھتا کہ خواہ مخواہ یہ کام بلا ضرورت کروں۔ یہ کام میں صرف اُس وقت کرتا ہوں جب مجھے کسی عظیم تر مقصد کے لیے اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

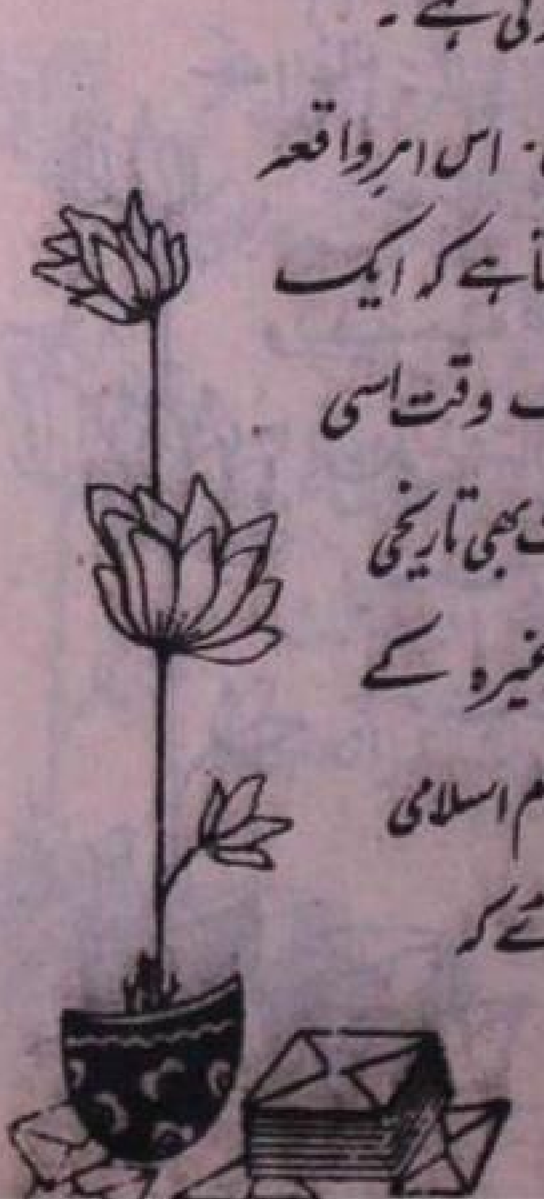

اب اصل معاملہ کو لیجیے جس پر آپ بحث فرما رہے ہیں۔ اس امرِ واقعہ سے نہ آپ انکار کر سکتے ہیں اور نہ کوئی اور شخص انکار کر سکتا ہے کہ ایک وقت ایسا تھا جب بصرہ، کوفہ، شام اور مصر کے گورنر بیک وقت اسی خاندان کے افراد تھے جس سے خلیفۂ وقت کا تعلق تھا۔ یہ بات بھی تاریخی طور پر ثابت ہے کہ ارمینیہ، آذربائیجان، خراسان، فارس وغیرہ کے علاقے بصرہ و کوفہ کے گورنروں کے ماتحت، اور افریقہ کے تمام اسلامی مقبوضات مصر کے گورنر کے ماتحت تھے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جزیرۃ العرب کے باہر جتنے بھی مفتوحہ ممالک تھے وہ سب

اس زمانے میں خلیفۂ وقت کے خاندان سے تعلق رکھنے والے گورنروں کے ماتحت ہو گئے تھے اور مرکز میں خلیفہ کا سیکرٹری بھی اسی خاندان کا فرد تھا۔ اب یہ مکابرہ کے سوا اور کیا ہے کہ اس چیز کے موجبِ فتنہ ہونے سے انکار کیا جائے۔ کیا ابن سبا یہودی منافق کی سازش بلا سبب ہی ایک شورش برپا کرنے میں کامیاب ہو گئی ؟ کیا آپ کی عقل یہ گواہی دیتی ہے کہ فتنے کی کوئی گنجائش نہ ہونے کے باوجود ایک منافق مسلمانوں میں سے سینکڑوں آدمیوں کو (جن میں صحابی اور صحابی زادے تک شامل تھے) اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو سکتا تھا ؟

اور یہاں تو معاملہ محض عقل ہی کا نہیں ہے۔ تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ فی الواقع فتنہ برپا کرنے والوں کو اسی رخنے سے فتنہ اٹھانے کے لیے راستہ ملا۔ حافظ ابنِ کثیر "البدایہ والنہایہ" میں لکھتے ہیں کہ کوفہ سے جو وفد حضرت عثمانؓ کے پاس شکایات کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا اس نے زور شور کے ساتھ یہی معاملہ ان کے سامنے رکھا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں :

بعثوا الی عثمان من یناظرہ فیما فعل وفیما اعتمد من عزل کثیر من الصحابۃ وتولیۃ جماعۃ من بنی امیۃ من اقربائہ واغلظوا لہ فی القول وطلبوا منہ ان یعزل عمالہ ویستبدل ائمۃ غیرھم ۔ (جلد ۷، صفحہ ۱۶۷) حضرت عثمانؓ کی خدمت میں ایک وفد بھیجا گیا کہ وہ ان کی خدمت میں شکایات پیش کرے، جو بہت سے صحابہ کی برطرفی اور ان کی جگہ اپنے رشتہ دار بنی امیہ کے لوگوں کے مناصب پر فائز کیے جانے سے پیدا ہوئی تھیں۔ وفد نے آ کر حضرت عثمان سے سخت احتجاج کیا اور مطالبہ

کیا کروہ اپنے رشتہ دار افسروں کو معزول کر کے دوسرے لوگوں کو ان کی جگہ حاکم بنائیں۔ مرتب)

طبقات ابن سعد میں امام زہری کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے:

ثم توانی (عثمان) فی امرهم (ای امور المسلمین) واستعمل اقرباءہ واهل بیته فی ست الاواخر (من خلافته) وکتب لمروان خمس مصر واعطی اقرباءہ المال فانکر الناس علیه ذالک (طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۶۴)

(پھر حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے آخری سات سالوں میں اپنے متعلقین اور رشتہ داروں کو نوازا اور مسلمانوں کے معاملات میں تساہل برتا اور مروان کو مصر کا خمس لکھ دیا اور اپنے رشتہ داروں کو مال و دولت دیا۔ پس لوگوں نے ان کے اس فعل پر اعتراض کیا۔ مرتب)

ثم ان عبداللہ بن سعد... حمل خمس افریقیه الی المدینة فاشتراہ مروان بن حکم بخمسماۃ الف دینار، فوضعها عنه عثمان وکان هذا مما اخذ علیه (التاریخ الکامل، ج ۳ ص ۴۶)

(عبداللہ بن سعد افریقہ کا خمس مدینہ منورہ لے کر آئے تو مروان بن حکم نے وہ پانچ لاکھ میں خرید لیا پھر حضرت عثمانؓ نے پانچ لاکھ کی ادائیگی (مروان کو) معاف کر دی۔ یہ بات بھی موجب شکایت بنی) (مرتب)

وکان الناس ینقمون علی عثمان تقریبه مروان وطاعته له ویرون ان کثیراً مما ینسب الی عثمان لم یامر به وان ذالک عن رأی مروان دون عثمان فکان الناس قد شنفوا لعثمان لما کان یصنع بمروان ویقربه

(طبقات ابنِ سعد، ج ۵، ص ۳۶)

(لوگ حضرت عثمان کو اس بات پر مطعون کرتے تھے کہ انھوں نے مروان کو اپنا مقرب بنا لیا تھا، اور اس کی بات مان لیتے تھے۔ اور وہ دیکھتے تھے کہ مروان سرکاری احکام خود جاری کرتا تھا اور حضرت عثمان کی طرف منسوب کردیا کرتا تھا۔ اس بنا پر لوگ حضرت عثمانؓ کے اس فعل، اور مروان کو نوازنے اور مقرب بنا لینے کی وجہ سے حضرت عثمانؓ پر اعتراض کرتے تھے۔) (مرتب)

ومروان كان اكبر الاسباب في حصار عثمان لانه زوّر على لسانه كتاباً الى مصر بقتل اولئك الوفد (البداية والنهاية، ج ۸، ص ۲۵۹)

(حضرت عثمانؓ کے محصور کیے جانے کا سب سے بڑا سبب مروان تھا۔ (جو فتنے کا موجب بنا) اس لیے کہ اس نے حاکم مصر کو اپنی طرف سے جعلی خط لکھا جسے حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب کیا۔ اس خط میں لکھا تھا کہ جب یہ وفد مصر پہنچے تو اس کے افراد کو قتل کردیا جائے)

(مرتب)

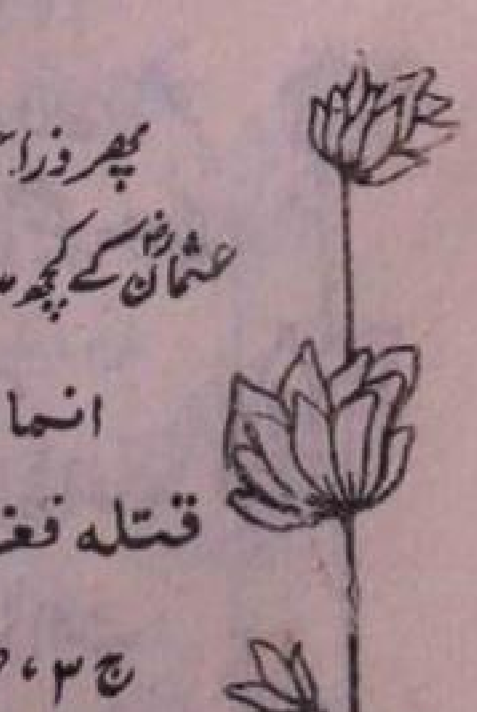

پھر ذرا حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے یہ الفاظ بھی ملاحظہ ہوں جو شہادتِ عثمانؓ کے کچھ مدت بعد انھوں نے اپنی ایک تقریر میں کہے تھے۔

انما اردنا ان يستعتب امير المومنين عثمان ولم نرد قتله فغلب سفهاء الناس الحلماء حتى قتلوه (الطبری، ج ۳، ص ۴۸۶)

(ہم صرف یہ چاہتے تھے کہ امیر المومنین اپنی غلطی کا تدارک فرمائیں۔ ہم انھیں قتل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مگر

نادان اور جلد باز لوگ متحمل مزاج لوگوں پر غالب آگئے اور انہوں نے حضرت عثمان رضؓ کو قتل کر دیا۔ مرتب)

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی اس پالیسی کو یہ دونوں جلیل القدر صحابی بھی ناپسند کرتے تھے، مگر وہ اس حد تک جانے کو تیار نہ تھے کہ اس کی بنا پر انہیں قتل کر ڈالا جائے۔ اسی طرح طبری اور ابن کثیر کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کو بھی ان کی یہ پالیسی ناپسند تھی (ملاحظہ ہو طبری، جلد ۳ ص ۳۷۷ - اور البدایہ ج ۷، ص ۱۶۸، ۱۶۹)

اب رہ گیا آپ کا یہ اعتراض کہ اس قسم کے تبصرے میں افادیت کی بہ نسبت ضرر کا پہلو زیادہ غالب ہے، تو اس معاملہ میں ضروری نہیں کہ میرے نقطہ نظر کو آپ مان لیں یا آپ کے نقطۂ نظر کو میں مان لوں۔ میرے نزدیک اس میں ضرر سے افادیت زیادہ ہے۔ تاریخ اسلامی کے اس دور کے حالات آج ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں طالب علم پڑھ رہے ہیں۔ اگر ان کو صحیح طریقے سے اس دور کی تاریخ نہ سمجھائی گئی تو وہ بڑے غلط نتائج نکالیں گے۔

بنام مولانا سعد الدین صاحب، مردان — خاکسار

مورخہ ۸ جولائی ۶۵ء — ابوالاعلیٰ

۱۱۶

محترمی و مکرمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ میں جس موضوع پر یہ کتاب

(خلافت وملوکیت) لکھ رہا ہوں، یہ ایک اہم تاریخی موضوع ہے اور اس وقت اس پر علمی تحقیق کی ضرورت ہے۔ اگر ہمارے ہاں کے لوگوں میں یہ بیماری پیدا ہوگئی ہے کہ کسی بے لاگ علمی تحقیقات کو برداشت نہیں کرتے اور اس پر علمی حیثیت سے تنقید کرنے کے بجائے شور مچانا شروع کر دیتے ہیں تو اس کی وجہ سے علمی کام تو نہیں روکا جا سکتا۔ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں اس میں ہر چیز کے نیچے حوالے دے دیے ہیں۔ مجھے یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میری کوئی بات حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر میری تحریر میں کوئی چیز علمی حیثیت سے غلط ہو تو اس کی غلطی علمی دلائل و شواہد سے ثابت کی جائے۔ میں اس کی اصلاح کروں گا۔

بنام مولانا سعد الدین صاحب، مردان — خاکسار

مورخہ ۱۴، ستمبر ۶۵ء — ابوالاعلیٰ

۱۱۷

مولانا المحترم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ مورخہ ۲۲ جولائی ملا۔ آپ کو میرے ساتھ جو قلبی تعلق ہے الحمدللہ کہ مجھے بھی آپ کے ساتھ ایسا ہی قلبی تعلق ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں للہ و فی اللہ فرماتے ہیں۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ بعض حضرات نے برسوں سے میرے متعلق جو باتیں پھیلا رکھی ہیں ان کی تحقیق تو آپ اپنے مشاغل کی بنا پر نہیں کر سکتے ہیں، البتہ ان سے متاثر ہو کر آپ نے میری خیر خواہی کی

بنا پر یہ چند مشورے ارشاد فرمائے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ تھوڑی سی زحمت گوارا فرما کر کچھ تحقیق کریں اور پھر ذرا زیادہ واضح طریقے سے میری رہنمائی فرمائیں۔

آپ نے لکھا ہے کہ "میرے لٹریچر میں پڑھنے والوں کو سلفِ صالحین و بزرگانِ دین کے بارے میں ایک بے ادبی و بے احترامی محسوس ہوتی ہے"۔ اب اس مجمل کلام سے میں کیا سمجھ سکتا ہوں کہ وہ بے احترامی کہاں ہے؟ کس عبارت میں کس کی بے ادبی مجھ سے ہوئی ہے؟ اگر تعیین کے ساتھ مجھے وہ مقامات معلوم ہو جائیں تو میں ان کی اصلاح کر سکتا ہوں۔ بلا تعیین آخر کس چیز کی اصلاح کروں؟ دانستہ اگر میں نے کسی کی بے احترامی کی ہوتی تو میں جان لیتا کہ آپ کا اشارہ کس چیز کی طرف ہے۔

آپ نے معیارِ حق والی عبارت میں اصلاح کرنے کے لیے ارشاد فرمایا ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ آپ نے وہ اصل عبارت خود کبھی نہیں دیکھی ہے، بلکہ صرف اس کا چرچا سنتے رہے ہیں۔ براہ کرم مولانا عبدالرحیم صاحب یا غلام اعظم صاحب سے فرمائیے کہ وہ آپ کو جماعت کے دستور کی وہ اصل عبارت دکھا دیں جس پر برسوں سے یہ لے دے ہو رہی ہے۔ اس کے الفاظ کو اور جس سیاق و سباق میں وہ الفاظ آئے ہیں اس کو پہلے ملاحظہ فرما لیجیے۔ پھر مجھے بتائیے کہ اس میں کیا اصلاح کرنے کی آپ ضرورت محسوس کرتے ہیں۔

آپ نے یہ ارشاد بھی فرمایا ہے کہ تم ایک وصیت یا ایک اعلانِ عام کر دو کہ جماعت کے لوگ امورِ شرعیہ میں میری انفرادی رائے کی تقلید نہ کریں بلکہ مسلّم علمائے حقانی کی رائے پر چلیں۔ آپ کو شاید معلوم نہیں کہ جس روز جماعت اسلامی بنی تھی اسی روز

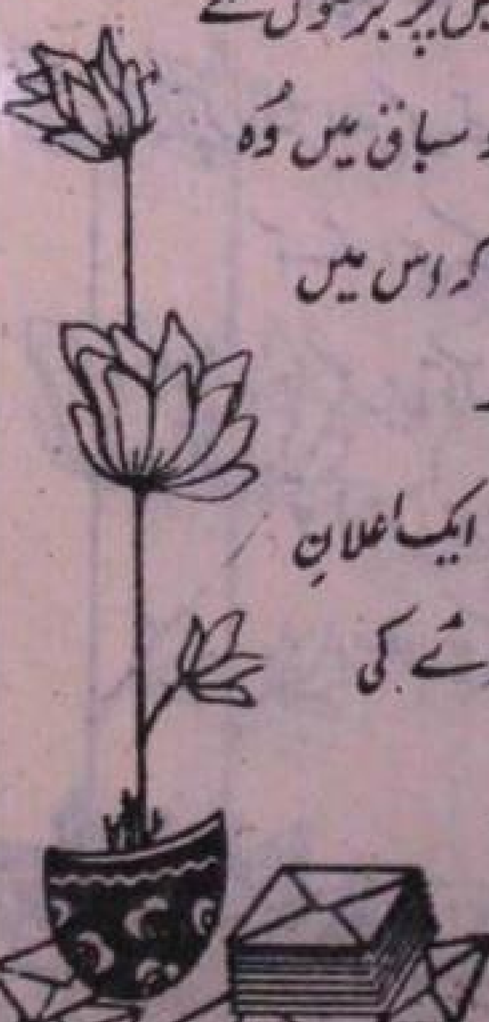

میں نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ علمی و شرعی معاملات میں کسی کو میری ذاتی رائے کی تقلید نہیں کرنی چاہیے۔ یہ اعلان اب بھی جماعت اسلامی کی شائع شدہ روداد میں موجود ہے۔ اس کے بعد میں بارہا اس بات کا اعادہ کر چکا ہوں، اور یہ بھی متعدد مرتبہ لکھ چکا ہوں کہ شرعی مسائل میں جو اظہارِ رائے میں کرتا ہوں اس کی حیثیت فتوے کی نہیں ہے بلکہ وہ علماء کے غور و خوض کے لیے ہے۔ یہ تمام باتیں وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہی ہیں۔
اب آپ مجھ سے کس اعلانِ جدید کے لیے ارشاد فرما رہے ہیں؟ اگر میں ایسے دس بیس اعلان اور کر دوں، اور رات دن ان کا اعادہ بھی کرتا رہوں، تو جن حضراتِ علماءؒ نے میری مخالفت کی قسم کھا رکھی ہے وہ اپنے اس کارِ خیر سے باز نہ آئیں گے۔ اور ہمارے دیندار طبقے میں بہت سے ایسے نیک نیت اور سادہ لوح بزرگ موجود رہیں گے جو ان سے دھوکا کھاتے رہیں گے۔ اسی لیے میں نے صبر اور تفویض الی اللہ کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ان کے حملوں کا جواب نہیں دیتا اور اپنا کام کیے جاتا ہوں۔

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جماعت کے کچھ کارکن ایسے ہیں جو بزرگانِ دین پر اعتراض کرتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ایسا جو شخص آپ کے علم میں ہو یا آئندہ آئے اس کے متعلق مجھے یا ڈھاکہ میں مولانا عبدالرحیم صاحب کو ضرور بتا دیا کریں تاکہ اس کی تادیب کی جا سکے۔ محض مجمل اطلاع سے دل کو پریشانی تو لاحق ہو جاتی ہے مگر یہ پتہ نہیں چلتا کہ خرابی کہاں ہے تاکہ اس کی اصلاح کی جائے۔

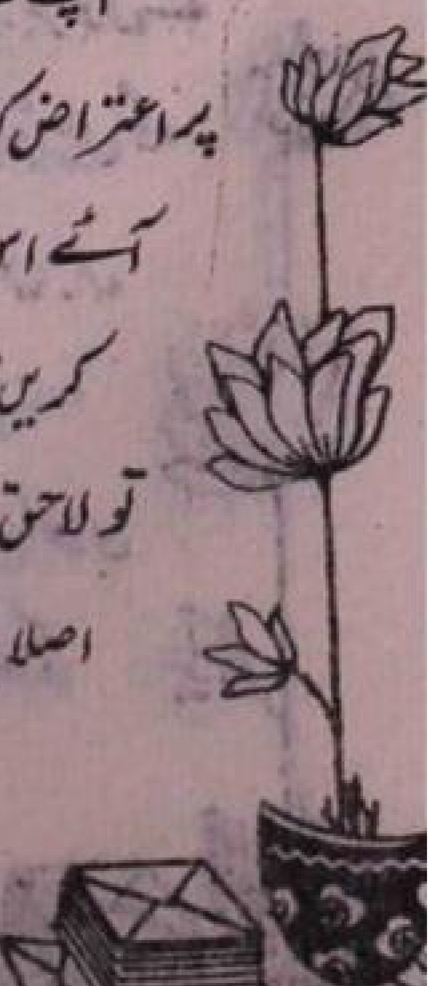

حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ وغیرہم، رضی اللہ عنہم، کے متعلق میں

نے جو کچھ لکھا ہے وہ اب کتابی صورت میں چھپ رہا ہے۔ کتاب[1] پریس سے آتے ہی اس کا ایک نسخہ آپ کو بھیج دوں گا۔ پوری کتاب ملاحظہ فرمانے کے بعد ان مقامات پر نشان لگا دیجیے گا جو آپ کو قابلِ اعتراض نظر آئیں۔ مسموعات پر رائے قائم کرنے سے بہتر ہے کہ اصل چیز کو دیکھ لیا جائے۔

آپ کی صحت کے بارے میں بڑی تشویش ہے۔ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو شفا عطا فرمائے اور آپ سے اپنے دین کی خدمت لے۔ افسوس ہے کہ پچھلے سفر میں کچھ ایسی مصروفیت رہی کہ آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ والسلام

بنام مولانا شمس الحق صاحب فریدپوری،
پرنسپل جامعہ قرآنیہ لال باغ شاہی مسجد، ڈھاکہ
مورخہ ۴ اگست ۶۶ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۱۱۸

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت معاویہ کو میں رضی اللہ عنہ اس بنا پر لکھتا ہوں کہ وہ رسول اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے، اور ان کی عزت اس لیے کرتا ہوں کہ انھوں نے جہاں بہت سے غلط کام کیے وہاں بہت سی اہم خدمات بھی انجام دیں۔ میں چونکہ پوری تاریخ نہیں لکھ رہا ہوں بلکہ ایک خاص موضوع پر کام کر رہا

---

[1] خلافت و ملوکیت مراد ہے جو اس وقت زیر طبع تھی (مرتب)

ہوں اس لیے میں نے اپنی کتاب کے موضوع کی حد تک ہی تاریخی بحث کی ہے۔

جو علمائے کرام میرے بیان اور واقعات کو غلط کہتے ہیں ان سے پوچھیے کہ جن کتابوں کے میں نے حوالے دیے ہیں آیا وہ خود غلط ہیں، یا میرے حوالے غلط ہیں؟ اگر میرا کوئی حوالہ غلط ہو تو براہ کرم اس کی نشاندہی کر دیں اور اگر یہ سارے حوالے صحیح ہیں تو پھر ان کو صاف صاف کہنا چاہیے کہ ابن سعد کی کتاب طبقات، ابن عبد البرؒ کی کتاب استیعاب، اور ابن جریرؒ، ابن اثیر اور ابن کثیر کی تاریخیں سب غلط ہیں۔ پھر ان علمائے کرام سے پوچھیے کہ آپ کو کن ذرائع سے اصل تاریخ معلوم ہوئی؟ کیا الہام کے ذریعہ سے اس کا علم آپ تک پہنچا ہے؟ یا کوئی پوشیدہ تاریخی کتابیں صرف آپ ہی کے پاس ہیں جن کی بنا پر آپ یہ کہتے ہیں کہ تاریخ کی معروف کتابوں میں جو واقعات لکھے ہیں وہ غلط ہیں اور صحیح واقعات صرف آپ کو معلوم ہیں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

بنام یار محمد خاں صاحب، سول لائن روڈ جہلم۔

مورخہ ۱۰ اگست ۶۵ء

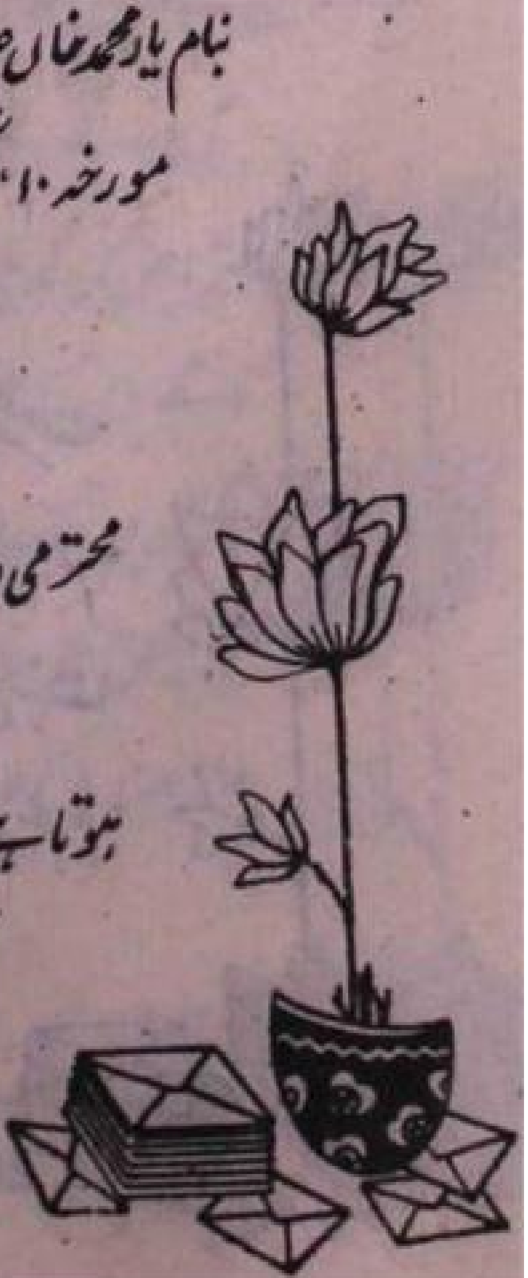

۱۱۹

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ لفظ ذکر کا اطلاق بہت سی چیزوں پر ہوتا ہے۔ اس کے ایک معنی دل میں یاد الٰہی کے ہیں۔ دوسرے معنی گفتگو اور بات چیت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی صفات اور اس کے احکام وغیرہ کا ذکر کرنے کے ہیں تیسرے معنی

قرآن مجید اور شریعت الٰہیہ کی تعلیمات بیان کرنے کے ہیں، خواہ وہ درس کی شکل میں ہوں، یا باہم مذاکرہ کی شکل میں۔ چوتھے معنی تسبیح وتہلیل وتکبیر کے ہیں۔ جن احادیث میں ذکر الٰہی کے حلقوں اور مجلسوں پر حضورؐ کے اظہارِ تحسین کا ذکر آیا ہے ان سے مراد پہلے تین قسم کے حلقے ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے جس چیز پر اظہارِ ناراضی کیا ہے اس سے مراد چوتھی قسم کا حلقہ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں حلقے بنا کر تسبیح وتہلیل کا ذکرِ جہری کرنا رائج نہ تھا، نہ حضورؐ نے اس کی تعلیم دی اور نہ صحابہ نے یہ طریقہ کبھی اختیار کیا۔

بنام ظہور احمد صاحب، لاہور — خاکسار

مورخہ ۱۲ اگست ۶۵ء — ابوالاعلیٰ

۱۲۰

محترمی ومکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ محمد حسین ہیکل پہلے تو مصری دانشوروں کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو بالکل ہی Modernist (تجدد پسند) تھا۔ بعد میں وہ دین کی طرف راغب ہوئے، مگر ان پر پچھلے اثرات بھی باقی رہے۔ اس لیے ان کی ہر بات ماننے کے لائق نہیں ہے۔ ان کی یہ بات بالکل غلط ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کے سفروں میں یہود ونصاریٰ کے علماء سے کچھ معلومات حاصل کی تھیں۔ اس کا تاریخی حیثیت سے کوئی ثبوت نہیں ہے اور یہ قرآن کے بھی خلاف ہے۔

داستان غرانیق کے متعلق میں نے تفہیم القرآن جلد سوم میں صفحہ ۲۳۹ سے ۲۴۴ تک مفصل بحث کی ہے۔ اس سے آپ کو اس کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے گی اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ احادیث کو پرکھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔

معجزات کے متعلق محمد حسین ہیکل کی بات اس حد تک تو صحیح ہے کہ قرآن کے سوا حضورؐ کے کسی معجزے پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے، مگر اس کے ساتھ یہ حقیقت محمد حسین ہیکل نے فراموش کر دی ہے کہ حضورؐ کے جو معجزات معتبر روایات سے ثابت ہیں ان کا انکار کر دینا بھی صحیح نہیں ہے۔ احادیثِ آحاد اگرچہ عقائد و ایمانیات کا ماخذ نہیں بن سکتیں لیکن ان سے واقعات کا علم تو حاصل ہوتا ہے۔ صحیح احادیث کا انکار بہرحال ایک گمراہانہ طرز عمل ہے۔

بنام سعید انور ملتانی، لائل پور — خاکسار

مورخہ ۲۲ اگست ۶۵ء — ابوالاعلیٰ

۱۲۱

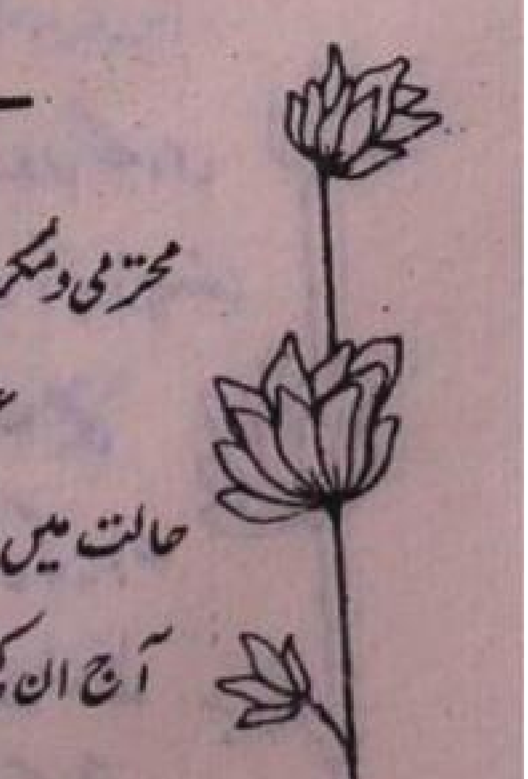

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ ہندوستانی مسلمان اس وقت اسی مجبوری کی حالت میں ہیں جس میں کبھی ہم انگریزی حکومت کے دور میں مبتلا تھے۔ بلکہ آج ان کی مجبوری پہلے سے بہت زیادہ ہے۔ ان کے معاملے میں خواہ مخواہ فتوے جڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ یہ فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے کہ ان میں سے جو لوگ ہندوستان کی خدمت

کر رہے ہیں اُن کا حشر کیا ہوگا۔ اُن کا حشر ہمارے ہاتھ میں نہیں بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہر ایک کے ساتھ سراسر عدل اور رحمت کی بنا پر معاملہ فرمائے گا۔ ہمیں تو بس ان کے حق میں دعا کرنی چاہیے کہ وہ انھیں اس مجبوری کی حالت سے نکالے۔

بنام حکیم محمد شریف صاحب مسلّم،
شریف دواخانہ حافظ آباد،
مورخہ ۲۵، ستمبر ۶۵ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۱۲۲

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ ظاہر اور باطن کا ایک دوسرے سے تعلق ضرور ہے، لیکن ایسا تعلق نہیں ہے کہ جس کا ظاہر اسلام کے مطابق ہو اس کا باطن بھی لازماً ٹھیک ہو، اور جس کا ظاہر اسلامی احکام کے خلاف ہو وہ لازماً باطن میں بھی اسلام سے منحرف ہو۔

جس انحطاط کا آپ ذکر رہے ہیں اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ دین کی لگن ختم ہو گئی ہے۔ دین کی لگن رکھنے والے لوگ خدا کے فضل سے ہر زمانے میں موجود رہے ہیں اور انھی کی بدولت عام مسلمانوں میں دین کی محبت اور دینی اقدار کی حرمت برقرار رہی ہے۔ اب بھی اگر دین کی لگن رکھنے والے باقاعدہ اور منظم کوشش کریں تو کوئی

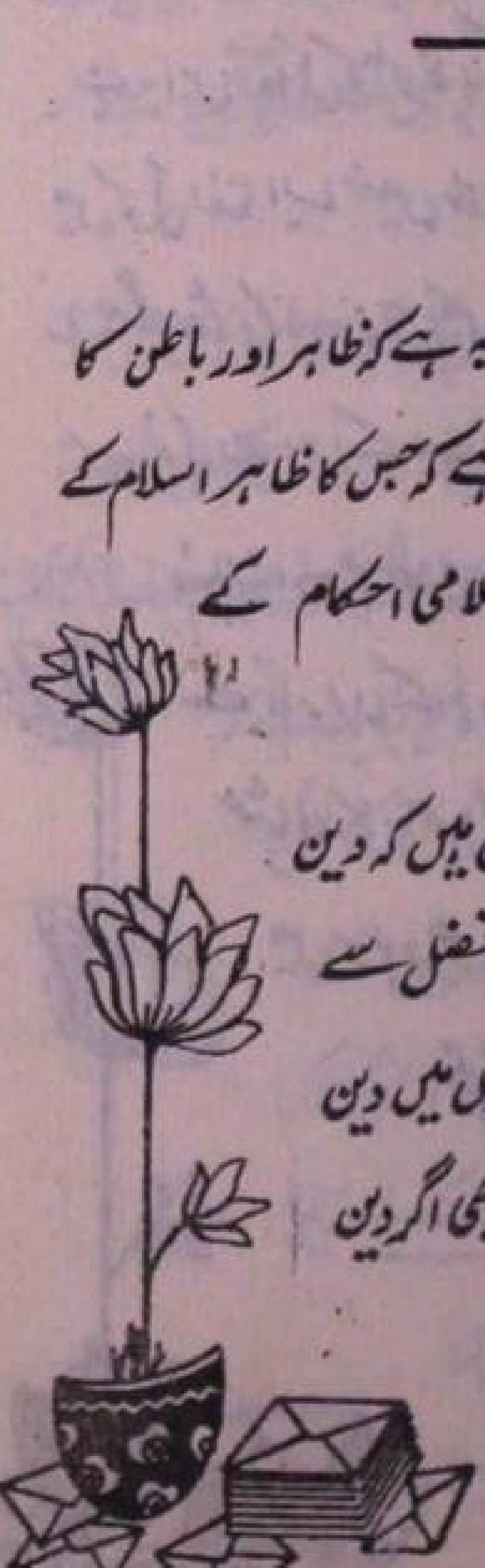

وجہ نہیں کہ عام اصلاح نہ ہو سکے۔

بنام احمد اشرف صاحب، کراچی — خاکسار

مورخہ ۱۴ ستمبر ۶۵ء — ابوالاعلیٰ

۱۲۳

محترمی و مکرمی — السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ قرآن میں "متشابہ" کا لفظ "محکم" کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے۔ اس تقابل کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا مفہوم متعین کرنا ہوگا۔ مجھے اس کے لیے اردو میں کوئی لفظ ایسا نہیں ملا جو اس کا ٹھیک ترجمہ قرار پا سکتا ہو۔ انگریزی لفظ ——— (Similitude) بھی اس کا ٹھیک ترجمہ نہیں ہے۔ لیکن حاشیہ میں اس کی جو تشریح[1] میں نے کی ہے اس کے بعد اس کا ٹھیک مفہوم سمجھنے میں زیادہ زحمت نہیں پیش آ سکتی ہے۔

مٰلِکِ یومِ الدین اور مَلِکِ یومِ الدین، دونوں متواتر قرأتیں ہیں جو شروع سے قاریوں کے ہاں مسلّم چلی آ رہی ہیں۔ ان دونوں قرأتوں کی بنا محض مصحفِ عثمانی کا رسم الخط نہیں ہے بلکہ ان دونوں قرأتوں کی سندیں علمِ قرأت میں موجود ہیں۔ اسی لیے دونوں کو صحیح مانا جاتا ہے۔

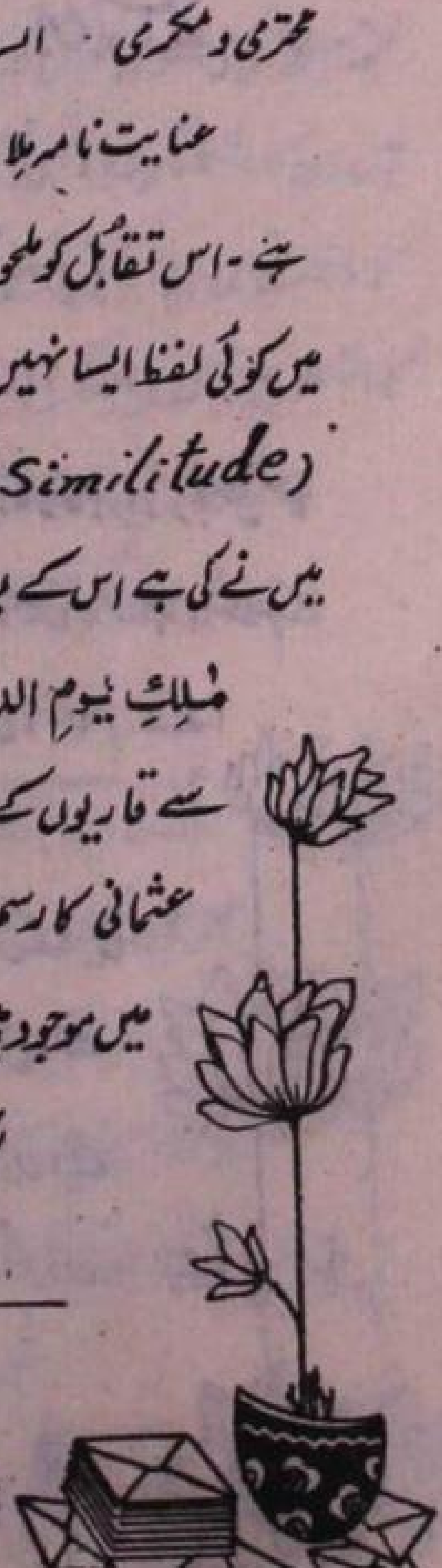

رحم علی ہاشمی صاحب، دلی ۶، انڈیا — خاکسار

۳۱ اگست ۶۵ء — ابوالاعلیٰ

---

[1] تفہیم القرآن ج ۱ : سورہ آل عمران، حاشیہ ۵

۱۲۴

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا خط ملا۔ اعتراضاتِ منقولہ کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱۔ اَوْلیٰ بِہِمَا کے ترجمے کی اصلاح پہلے ہی کی جا چکی ہے اور ترجمان میں اس کا اعلان بھی ہو چکا ہے۔ موجودہ ترجمہ یوں ہے: "اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے"

۲۔ سورہ آلِ عمران کے مقام مذکور کی تاویل مفسّرین نے اس طریقہ سے بھی کی ہے جو خط میں اختیار کیا گیا ہے، اور اس طریقہ سے بھی جو میں نے اختیار کیا ہے۔

ابن جریر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"ثم رجع جل ذکرہ اِلی الخبر عن قولہا واِنّہا قالت اِعتذارًا اِلی ربّہا مِمّا کانت نذرت فی حملہا فحرّرتہ لخدمۃ ربّہا" وَلَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی "لاِنّ الذکر اقوی اعلی الخدمۃ واقوم بہا واِنّ الاُنثٰی لاتصلح فی بعض الاحوال لدخول القدس والقیام بخدمۃ الکنیسۃ"

(پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کا قول بیان کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ حضرت مریم کی والدہ نے یہ بات اپنے ربّ کے سامنے بطورِ معذرت اس نذر کے بارے میں کہی تھی کہ جو بچہ میرے پیٹ میں ہے، اسے میں نے اپنے ربّ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا ہے۔ ولیس الذکر کالانثیٰ (مذکر مؤنث کی مانند نہیں ہے) سے مراد یہ تھی کہ لڑکا خدمت کے لیے زیادہ قوی اور اہل ہے اور لڑکی بعض حالات میں بیت المقدس میں داخل نہیں ہو سکتی اور کلیسا کی خدمت بجا نہیں لا سکتی۔ مرتّب)

اس کے بعد ابن جریر نے متعدد مفسرین کے اقوال اسی تفسیر کی تائید میں نقل کیے ہیں جن میں قتادہ، سُدّی اور عکرمہ جیسے لوگ بھی شامل ہیں۔

ابن کثیر نے بھی قریب قریب یہی معنی بیان کیے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ:

لیس الذکر کالانثیٰ ای فی القوۃ والجلد فی العبادۃ وخدمۃ المسجد الاقصیٰ

(مذکر، مؤنث کی مانند نہیں ہے، یعنی عبادت میں قوت رکھنے، مشقت برداشت کرنے اور مسجد اقصیٰ کی خدمت بجا لانے کے لحاظ سے۔ مرتب)

بیضاوی نے بھی لکھا ہے:

ویجوز ان یکون من قولها بمعنی ولیس الذکر کالانثیٰ بیان فیما نذرت فتکون اللام للجنس

۳۔ تیسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ میں لفظی ترجمہ نہیں کر رہا ہوں بلکہ ایسی زبان میں ترجمانی کر رہا ہوں جس کے اندر اردو ادب کی شان برقرار رکھی جائے۔ اگر میں ترجمہ یہ کرتا کہ "تمھارے اوپر مقتولوں کے بارے میں قصاص لکھ دیا گیا ہے" تو اردو ادب کے اعتبار سے عبارت بھونڈی ہو جاتی۔ قتل کے مقدموں میں قصاص کا حکم لکھے جانے کا مطلب ہر اردو داں وہی سمجھے گا جو مقتولوں کے بارے میں قصاص کا حکم لکھے جانے کا مطلب ہو سکتا ہے۔

اس سلسلے میں اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ[1] کے ترجمے پر اعتراض عجیب ہے۔ کیا معترض صاحب اس حکم کا مطلب یہ لینا چاہتے ہیں کہ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت کو

---

[1] البقرہ: ۱۷۸ (آزاد آدمی نے قتل کیا ہو تو اس آزاد ہی سے بدلہ لیا جائے، غلام قاتل ہو تو وہ غلام ہی قتل کیا جائے .....)

قتل کیا جائے ؟ مقتول کے قصاص میں بہر حال قاتل ہی کی جان لی جا سکتی ہے۔ اگر آزاد کا قاتل غلام ہو، تو اسے چھوڑ کر کسی آزاد کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ آیت کی ترجمانی اگر ان الفاظ میں نہ کی جائے، جو تفہیم القرآن میں درج ہے، تو اصل مدّعا واضح نہیں ہوگا۔

بنام محمد حسین بازری صاحب، نصیر آباد
ضلع لاڑکانہ

خاکسار

ابوالاعلیٰ

مورخہ ۲، اکتوبر ۶۵ء

۱۲۵

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ ابوالاعلیٰ کوئی لقب نہیں ہے جسے میں نے خود اختیار کیا ہو بلکہ یہ میرا نام ہے جو میرے والد مرحوم نے میری پیدائش کے وقت رکھا تھا۔ میرے خاندان کے سب سے پہلے بزرگ جو سکندر لودھی کے عہد میں ہندوستان آئے تھے ان کا بھی نام تھا اور میرے والد مرحوم نے تبرکاً ان کے نام پر میرا نام رکھا تھا۔ ناموں کے متعلق یہ پوچھنا کہ وہ کس مناسبت سے ہیں، بڑی عجیب بات ہے۔ آخر آپ کس کس نام کی مناسبت معلوم کر سکتے ہیں ؟ غالباً لوگوں کے پاس اب کوئی کام کرنے کے قابل نہیں رہا ہے اس لیے خواہ مخواہ اس طرح کی فضول بحثوں میں اپنا وقت ضائع کرتے رہتے ہیں۔

بنام عاقل جعفری صاحب، نوشہرہ

خاکسار

ابوالاعلیٰ

مورخہ ۲، اکتوبر ۶۵ء

۱۲۶

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ مؤرخہ ۱۴ اکتوبر ملا۔ پچھلے دنوں جماعتِ اسلامی کی مجلسِ عاملہ کے سلسلے میں اتنی مصروفیت رہی کہ جلدی جواب نہ دے سکا۔ اس تاخیر کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

میں نے اور جماعتِ اسلامی نے دفاعِ پاکستان اور جہادِ کشمیر کے لیے جو کچھ کیا ہے وہ اس فرض کے مقابلہ میں بہت کم ہے جو اللہ اور اس کے دین کی طرف سے ہم پر عائد ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور ہمیں زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق بخشے۔

آپ نے مولانا ظفر علی صاحب کی نظم شائع کر کے ایک مفید خدمت انجام دی ہے۔ یہ نظم خاص طور پر اپنے تاریخی پس منظر کے ساتھ بڑی مفید ثابت ہو گی۔ میں انشاء اللہ کوشش کروں گا کہ اسے عمدہ کاغذ پر صحیح طباعت کے ساتھ شائع کر کے پھیلایا جائے۔ میں نے اس کی طرف جماعت کے شعبہ نشر و اشاعت کو توجہ دلا دی ہے۔ اگر ممکن ہو تو اس کی چند کاپیاں اور بھجوا دیں تاکہ جماعتِ اسلامی کی مختلف شاخوں کو بھیج دی جائیں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

بنام محمد یعقوب ہاشمی صاحب

سیکرٹری آزاد کشمیر سیکرٹریٹ مظفر آباد

مورخہ ۲۱ اکتوبر ۶۵ء

۱۲۷

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا ارسال کردہ تحفہ ملا[1] میں اس کے لیے آپ کا شکر گزار ہوں اور آپ کے ساتھ پاکستان ائر فورس کو ہدیۂ تبریک پیش کرنے میں شریک ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہماری ہوائی فوج کا حامی و ناصر ہو اور آئندہ اس کو اور زیادہ فتوحات عطا فرمائے۔

بنام ہارون برادرز میریٹ روڈ، کراچی — خاکسار

مورخہ ۳۱، اکتوبر ۶۵ء — ابوالاعلیٰ

۱۲۸

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آپ نے نہ یہ لکھا کہ وہ انگریزی تفسیر کونسی ہے جس میں ابن جریر طبری کی تفسیر کی یہ عبارت نقل کی گئی ہے، اور نہ یہ بتایا کہ اس تفسیر میں ابن جریر کے کس مقام کا حوالہ دیا گیا ہے۔ میری نگاہ سے تفسیر ابن جریر میں کوئی عبارت ایسی نہیں گزری ہے جس کا انگریزی ترجمہ وہ ہو جو آپ نے نقل کیا ہے۔ حوالہ آپ نے نقل کیا ہوتا تو اصل کتاب سے رجوع کر کے

[1] ستمبر ۶۵ء کی جنگ میں ہوائی فوج کی شاندار خدمات کی خوشی میں ہارون برادرز (کراچی) نے رومال تقسیم کیے تھے جن پر ائر فورس کا مونوگرام بنا ہوا تھا۔ اسی کے جواب میں مولانا محترم نے بطور رسید یہ خط لکھا تھا۔ (مرتب)

معلوم کر سکتا تھا کہ یہ عبارت کہاں کس سیاق و سباق میں آئی ہے۔ میں نے تفسیر ابن جریر کے وہ تمام مقامات دیکھے ہیں جہاں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا ذکر ہے۔ ہر جگہ ابن جریر خود بھی ان کی بے باپ پیدائش کے قائل نظر آتے ہیں اور تمام متعلقہ آیات کی تفسیر کرتے ہوئے جو روایات انھوں نے نقل کی ہیں وہ سب بھی اسی تاویل کی تائید میں ہیں۔

جو عبارت آپ نے نقل کی ہے وہ اگر صحیح بھی ہو تو لازماً اس کا یہی مطلب نہیں ہے کہ حضرت مریم کو حمل کسی مرد کے ساتھ ملاپ سے ٹھہرا تھا، بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح تمام بچے رحمِ مادر میں اِستقرار پاتے ہیں اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کا اِستقرار بھی رحمِ مادر ہی میں ہوا تھا۔

یہ بات اصولی طور پر ذہن نشین کر لیجیے کہ کسی ایک حدیث سے کوئی ایسا مطلب لینا جو اُسی موضوع سے تعلق رکھنے والی تمام احادیث اور خود قرآن مجید کے بیانات کے خلاف پڑتا ہو، کوئی صحیح طرزِ استدلال نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ اور تابعینؒ سے جتنی روایات بھی حدیث و تفسیر میں نقل ہوئی ہیں وہ سب لفظاً یا معناً ان کے بے باپ پیدا ہونے ہی کی تصریح کرتی ہیں، اور کسی ایک روایت میں بھی یہ ذکر نہیں ملتا کہ ان کا کوئی باپ تھا۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قرآن مجید خود ان کی پیدائش کو ایک معجزہ قرار دیتا ہے، ہر جگہ ان کا ذکر "ابن مریم" کی حیثیت سے کرتا ہے، حالانکہ بچے کو باپ کے بجائے ماں کی طرف منسوب کرنا عرب ہی کے نہیں، دنیا بھر کے معروف قاعدے کے خلاف ہے۔ اور قرآن کے تمام بیانات کو جمع کر کے

دیکھا جائے تو ان سے لازماً یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ باپ کے بغیر پیدا ہوئے تھے۔ اس کے دلائل میں نے تفہیم القرآن میں تفصیل کے ساتھ بیان کر دیے ہیں (ملاحظہ ہو جلد اول صفحات ۲۵۰ تا ۲۵۲ - ۲۵۹ - ۴۱۷ - جلد سوم صفحات ۵۹ - ۶۳ تا ۶۷ - ۱۸۴ - ۲۸۱)

ان ساری چیزوں کے مقابلہ میں اگر کوئی شخص ابن جریر طبری کی صرف ایک ایسی روایت کا سہارا لیتا ہے جو خود دو معنوں کی محتمل ہے، تو وہ درحقیقت قرآن اور حدیث کی نہیں بلکہ اپنے نفس کی پیروی کرتا ہے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

بنام حکیم محمد حسین صاحب، گجرات

مورخہ ۱۵ نومبر ۶۵ء

۱۲۹

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

بہت مدت بعد آپ کا عنایت نامہ پا کر مسرت بھی ہوئی، اور آپ کی پریشانیوں کا حال معلوم کر کے افسوس بھی ہوا۔ آپ کو اپنی اہلیہ مرحومہ کی وفات کے سبب سے جو اضطراب لاحق ہے اور جس ذہنی کیفیت سے آجکل آپ گزر رہے ہیں اس میں صبر کی تلقین کرنا گویا فطرت سے لڑنے کا مشورہ دینا ہے۔ لیکن درحقیقت اس صورت حال میں صبر کے سوا کچھ بھی انسان کے بس میں نہیں ہے۔ صبر نہ کرنے تو اس نقصان کی تلافی بہرحال نہیں ہو سکتی جو پہنچ چکا ہے، صرف اپنی تکلیف ہی میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ نقل مقام کر کے آپ کہیں اور بھی چلے جائیں تو مشکلات

کم نہ ہوں گی بلکہ اور زیادہ بڑھ جائیں گی۔

آپ کا یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ آپ کی اہلیہ کی وفات کوئی سزا ہے جو آپ کے بچّوں کو دی گئی ہے۔ دراصل یہ سزا نہیں بلکہ ان بے شمار آزمائشوں میں سے ایک آزمائش ہے جو دنیا کی اس امتحان گاہ میں انسان کو لازماً پیش آتی ہیں۔ دنیا میں کوئی انسان غیر فانی نہیں ہے۔ ہر ایک کو لازماً کسی نہ کسی وقت مرنا ہے۔ اور موت بہرحال اس شرط کے ساتھ نہیں آتی کہ مرنے والا اپنے پیچھے کوئی ایسا شخص نہ چھوڑے جس کے لیے اس کی موت وجہ پریشانی بن سکے۔ بچے، جوان، بوڑھے، سب مرتے ہیں۔ اکثر مرنے والے ایسی حالت میں مرتے ہیں جس سے بہت سے دُوسرے انسانوں کے لیے رنج و غم کے علاوہ بہت سی الجھنیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ دنیا کی بہت سی دُوسری آزمائشوں کی طرح اس آزمائش سے بھی کبھی نہ کبھی انسان کو ضرور ہی سابقہ پیش آنا ہے۔ اس پر دل برداشتہ ہونے کے بجائے اللہ سے دعا کرنی چاہیے کہ اس سے بخیر گزرنے کی طاقت بخشے اور ان مشکلات کو رفع کر دے جو اس سے رُونما ہوتی ہیں۔

دُعا کے بارے میں بھی یہ سمجھ لیجیے کہ دُعا ایک درخواست ہی ہے جو مالکِ کائنات سے کی جاتی ہے۔ مالک ہر دعا کو قبول کرنے کا پابند نہیں ہے، اور نہ کوئی دُعا اس شرط کے ساتھ مانگنی چاہیے کہ مالک لازماً اسے قبول ہی کرے۔ ہمارا کام صرف اس سے التجا کرنا ہے۔ یہ اس کے مالک ہونے اور ہمارے بندہ ہونے کا عین تقاضا ہے۔ وہ قبول کرے تو اس کا کرم۔ نہ

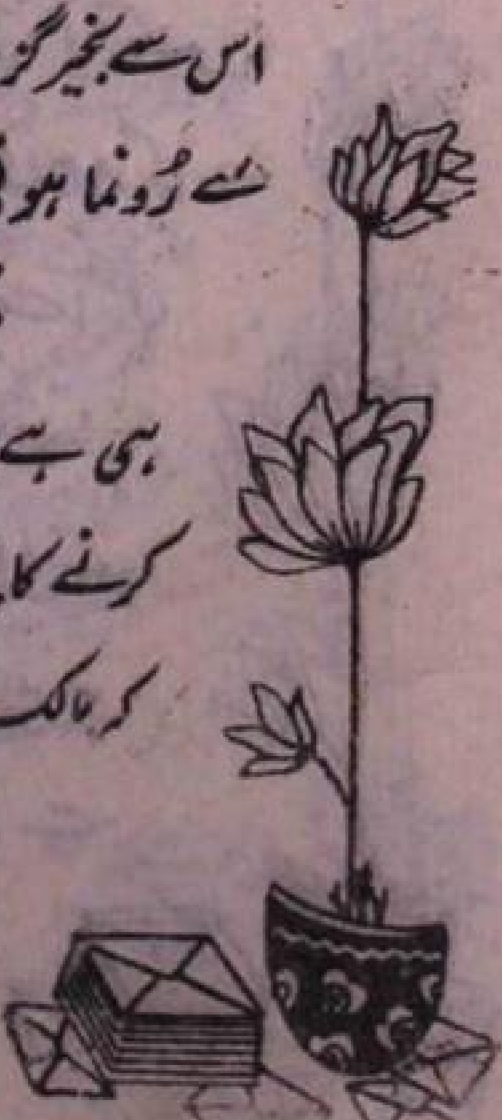

قبول کرے تو اس کو اختیار ہے۔ اگر معمولی انسانی حکومتیں بھی ہر سائل کی درخواست قبول نہیں کرتیں، اور ان کے قبول نہ کرنے کی وجہ بہت سی ایسی مصلحتیں ہوتی ہیں جنہیں سائلین نہیں جانتے، تو آخر کائنات کا نظام کیسے چل سکتا ہے اگر ہر دعا مانگنے والے کی ہر ایک دعا جوں کی توں قبول کر لی جائے۔

پیمانۂ عمر کے بارے میں جو سوال آپ نے کیا ہے اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ آج تک کسی تدبیر سے بھی انسان اس پر قادر نہیں ہو سکا ہے کہ ہر انسان کی عمر خود مقرر کر دے اور یہ طے کر دے کہ اس عمر کو پہنچنے سے پہلے کوئی شخص نہ مرنے پائے گا۔ آج تمام انسانی تدبیروں کے باوجود ہر عمر کے آدمی مر رہے ہیں، عین ہسپتالوں میں مر رہے ہیں، اور ایسے ایسے باوسیلہ آدمی بھی مر رہے ہیں جن کو بڑی سے بڑی ممکن سہولتیں میسر آسکتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اعداد و شمار (Statistics) کی بنیاد پر بس یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ بچوں کی اموات کی شرح کم ہو گئی ہے اور اوسط عمر میں اضافہ ہو گیا ہے، لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ انسان کے ہاتھ میں عمر کا سررشتہ آگیا ہے۔ درحقیقت جس طرح تمام شعبہ ہائے زندگی میں اللہ تعالیٰ بتدریج انسان پر قوانین کائنات کے اسرار کھول رہا ہے، اور رفتہ رفتہ اس کو مزید ذرائع پر دسترس عطا کر رہا ہے، اسی طرح انسانی امراض کے اسرار بھی وہ اس پر منکشف کرتا جا رہا ہے، ان کے علاج کے ذرائع بھی اس کو دیتا جا رہا ہے، اور اسی کے مطابق وہ انسان کی تقدیر بھی بدلتا جا رہا ہے۔ لیکن بہرحال تمام دوسرے معاملات کی طرح اس معاملہ میں بھی انسان کی تقدیر ہے خدا ہی کے ہاتھ میں۔ آج بھی جب کسی انسان

کی موت کا وقت آجاتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے مرنے سے بچا نہیں سکتی۔

میرے خیال میں آپ کو موجودہ ذہنی پریشانی سے نکلنے میں جو چیز سب سے زیادہ مدد دے سکتی ہے وہ قرآن مجید کا غائر مطالعہ ہے۔ اگر میری تفسیر تفہیم القرآن آپ کے پاس ہو تو آپ اس زمانے میں فرصت کے اوقات زیادہ تر اس کے مطالعہ میں صرف کریں۔ اُمید ہے کہ اس سے آپ کو سکونِ قلب حاصل کرنے میں بہت مدد ملے گی۔

بنام الطاف حسین صاحب،
چیف پرسانل آفیسر پی ڈبلیو آر، لاہور
۱۷، نومبر ۶۵ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۱۳۰

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ بیمہ کی صحیح صورت وہی تھی جو آپ نے خود اہلِ عرب کے حوالہ سے بیان کی ہے۔ بعد میں یہودی سرمایہ داروں کے اثر سے اس کاروبار نے موجودہ شکل اختیار کر لی جو گوناگوں شرعی قباحتیں رکھتی ہے۔ میرے نزدیک جب تک حکومت ایک قانون کے ذریعہ سے اس پورے کاروبار میں اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق بنیادی تبدیلیاں نہ کرے، محض جزوی ترمیمات سے اس کو شریعت کے مطابق نہیں بنایا جا سکتا۔ گورنمنٹ سیکیورٹیز میں جو رقم صرف

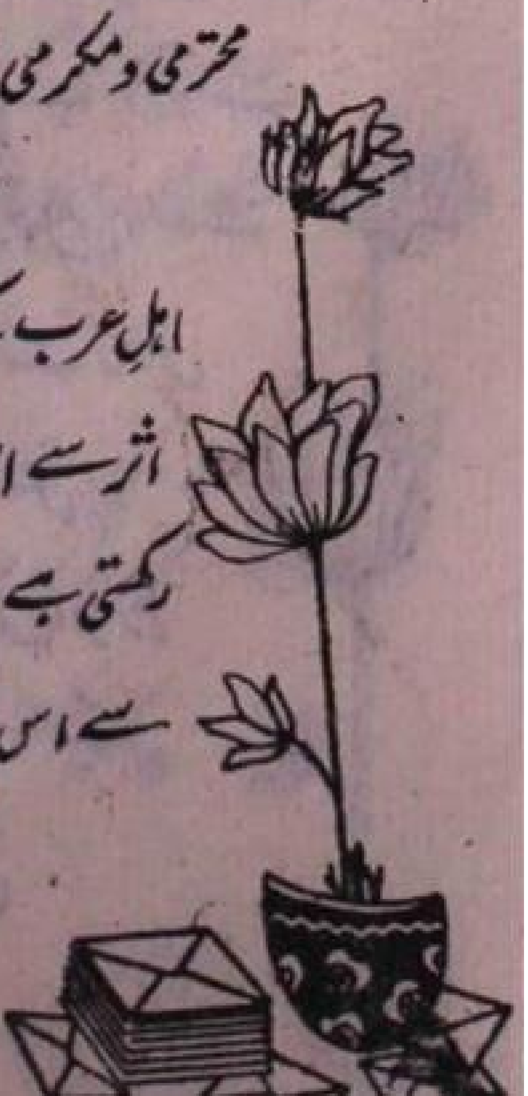

ہو گی وہ بہرحال سودی کاروبار میں استعمال ہو گی۔ اس کا سود اگر غریبوں میں تقسیم بھی کر دیا جائے تو سودی کاروبار میں حصہ لینے کا گناہ دور نہ ہو گا۔

بیمہ کرانے والے کو آپ شرعی تقسیم کا پابند نہیں کر سکتے۔ زیادہ سے زیادہ اسے بس یہ اختیار دے سکتے ہیں کہ اگر چاہے تو شرعی تقسیم کی وصیت کر دے۔

جوئے کے پہلو کو ساقط کرنے کی جو شکل آپ نے لکھی ہے اس سے بھی درحقیقت یہ پہلو ساقط نہیں ہوتا۔

بنام ظفر اللہ خاں رانا بی اے،

الجامعہ، ضلع ساہیوال — خاکسار

مورخہ ۲۰، نومبر ۶۵ء — ابوالاعلیٰ

۱۳۱

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ اسلامی فلسفہ پر جہاں تک مجھے معلوم ہے، اب تک انگریزی زبان میں کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جس کو ہم صحیح معنوں میں اسلامی فلسفے کی نمائندہ کہہ سکیں۔ پاکستان میں ایک کتاب

HISTORY OF MUSLIM PHILOSOPHY

شائع ہوئی ہے۔ اس سے آپ صرف یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ مسلمانوں میں فلسفے کے مختلف اسکول کون کون سے رہے ہیں اور ان کے نظریات کیا کیا رہے ہیں لیکن وہ اسلامی فلسفے کی کتاب نہیں ہے۔ اسلامی فلسفہ درحقیقت وہ ہے جو قرآن سے

اخذ کیا گیا ہو۔ فلسفے کے جتنے بنیادی سوالات ہیں قرآن نے ان سب کا جواب دیا ہے اور وہ طریقِ تحقیق بھی بیان کیا ہے جس سے انسان حقیقتِ نفس الامری (Ultimate Reality) کو معلوم کر سکتا ہے۔ بہتر یہ ہو کہ آپ خود اس نقطۂ نظر سے قرآن کو پڑھیں۔

Mr. Muhammad Rila A.H.,
Govt. Teacher's College,
Addalaichenai, CEYLON.

خاکسار
ابوالاعلیٰ

مورخہ ۱۰، اگست ۱۹۶۶ء

۱۳۲

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ آسمانوں کے متعلق انسان کا علم اور مشاہدہ روز تبدیل ہو رہا ہے، کیونکہ آئے دن نئی نئی باتیں مشاہدے میں آرہی ہیں۔ ایسی چیزوں کے متعلق قرآن و سنت میں کوئی ایسی قطعی بات نہیں کہی گئی ہے جسے ایک زمانے کے لوگ عقیدہ بنا لیں اور دوسرے زمانے کے لوگوں کو اس عقیدے میں ترمیم کی ضرورت پیش آئے۔ روس اور امریکہ کے راکٹ جتنی دور بھی چلے جائیں، قرآن اور حدیث کے بیانات پر ان کی کوئی زد نہیں پڑتی۔

جس آیت[1] کا آپ نے ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زندہ مخلوقات

[1] الشوریٰ، آیت: ۲۹۔ ترجمہ: اس کی نشانیوں میں سے ہے یہ زمین اور آسمانوں کی پیدائش، اور یہ جاندار مخلوقات جو اس نے دونوں جگہ پھیلا رکھی ہیں۔ وہ جب چاہے انھیں اکٹھا کر سکتا ہے۔ (مرتب)

صرف ہماری اس زمین پر ہی نہیں ہے، بلکہ دُوسرے سیّاروں میں بھی ہے۔

بنام ملک محمد اکبر آفریدی صاحب
بلی ٹنگ، (کوہاٹ)
مورخہ ۱۸، اگست ۶۶ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۱۳۳

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ مجھے کوئی ایسی شرعی دلیل معلوم نہیں ہے جس کی رُو سے تمباکو کی کاشت اور اس سے حاصل شُدہ کمائی کو حرام قرار دیا جائے۔ زیادہ سے زیادہ تمباکو پینے کو مکروہ کہا جا سکتا ہے اور وُہ صرف اس بنا پر کہ اس سے بدبو پھیلتی ہے، یا یہ کہ وہ صحت کے لیے مُضِر ہے۔

بنام میاں حامد الحق صاحب، (مردان)
مورخہ ۱۸، اگست ۶۶ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۱۳۴

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ میرا مدعا یہ نہیں ہے کہ طہارت، غسل، وضو وغیرہ کے مسائل نصاب تعلیم میں شامل نہ ہوں۔ دراصل میرا مطلب یہ ہے کہ دین کی بنیاد یہ مسائل نہیں ہیں بلکہ اسلامی عقائد ہیں۔ پہلے

ان کو طلبہ کے ذہن نشین کیا جائے اور ان کے ذریعہ سے طلبہ میں احساسِ فرض اور اطاعت امر کا جذبہ پیدا کر دیا جائے، پھر ان کو بتایا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بجا لانے کے کیا طریقے اسلام میں مقرر کیے گئے ہیں۔ جس شخص کے اندر ابھی اطاعت و عبادت پر آمادگی ہی پیدا نہیں ہوئی ہے اس کو غسل و طہارت کے مسائل بتانا لاحاصل بھی ہے اور اس سے خطرہ یہ ہوتا ہے کہ ان مسائل سے جب دینی تعلیم کا آغاز ہوگا تو طلبہ کے ذہن یہ تأثر لیں گے کہ دین نام ہی ان مسائل کا ہے۔

بنام عبدالحق صاحب، جامع مسجد لانڈھی، کراچی

مورخہ ۱۸، اگست ۶۶ء

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۳۵

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ عربی زبان میں آل اور اہل دو لفظ ہیں۔ اہل آدمی کے گھر والوں کو کہتے ہیں جو اس کے رشتہ دار ہوں، خواہ وہ اس کے طریقے کی پیروی کریں یا نہ کریں۔ اور آل ایک آدمی کے پیروؤں کو کہتے ہیں جن میں رشتہ دار پیرو بھی شامل ہیں اور غیر رشتہ دار پیرو بھی۔

بنام انجم صاحب انجم اینڈ کمپنی

بھیم چند روڈ، کراچی

مورخہ ۱۸، اگست ۶۶ء

خاکسار

ابوالاعلیٰ

١٣٦

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ تفہیم القرآن کے آغاز ہی میں یہ بات لکھ دی گئی ہے کہ یہ لفظی ترجمہ نہیں ہے بلکہ اس میں مفہوم ادا کیا گیا ہے۔ سورۂ یوسف میں آویٰ اِلَیۡہِ[۱] کا لفظی ترجمہ کرنے کے بجائے میں نے وہ مفہوم ادا کیا ہے جو سیاقِ کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ بعد کی گفتگو بھائیوں کی موجودگی میں نہیں ہو سکتی تھی۔ بھائیوں کے ساتھ اس بھائی کو ٹھیرایا بھی نہیں گیا۔ آویٰ اِلَیۡہِ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بھائیوں سے الگ کر کے ان کو اپنے پاس جگہ دی اور پھر یہ باتیں اپنے اُس بھائی سے کیں۔

لفظ "اور" کا اضافہ بھی موقع و محل کی مناسبت سے کیا گیا ہے۔ لفظی ترجمہ کیا جاتا تو صرف "کہا" لکھ دیا جاتا۔ مگر اردو عبارت میں یہ طرزِ بیان موزوں نہ ہوتا۔

اگر آپ تفہیم القرآن کا دیباچہ ملاحظہ فرمالیں تو آپ کے ذہن میں میرا ترجمہ پڑھ کر اس طرح کے تصرفات پر کوئی خلش محسوس نہ ہوگی۔

بنام صلاح الدین صاحب: — خاکسار

مورخہ ۲۹ اگست ۶۶ء — ابوالاعلیٰ

۱؎ : آیت : ۶۹

۱۳۷

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ سیرتِ پاک کو جس طرح لکھنے کی ضرورت آپ محسوس کر رہے ہیں اس کو میں اُسی زمانے سے محسوس کر رہا تھا جب تفہیم القرآن لکھنی شروع کی۔ مگر اُس وقت مجھے تفہیم القرآن لکھنے کی ضرورت کا احساس کچھ اس سے بھی زیادہ تھا اور میں چاہتا تھا کہ اس کام سے فارغ ہو کر انشاء اللہ دُوسرا کام سیرت کی تدوین ہی کا انجام دوں گا۔ اب یہ میری بدقسمتی ہے کہ پہلے کام ہی سے ابھی تک فارغ نہ ہو سکا اور قوتِ کار اب اس تیز رفتاری سے جواب دیتی چلی جا رہی ہے کہ اسی کی تکمیل کے لالے پڑے ہوئے ہیں، کجا کہ تدوینِ سیرت کی خدمت انجام دے سکوں۔ تاہم میں نے کسی نہ کسی حد تک یہ کوشش کی ہے کہ تفہیم کے دیباچوں اور حواشی سے اس کمی کو پورا کر دوں اور آئندہ لکھنے والوں کو اس نوعیّت کی سیرت مرتّب کرنے کے لیے خطوط مل جائیں۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

بنام اسعد گیلانی صاحب، سرگودھا
مورخہ ۳۰، اگست ۶۶ء

۱۳۸

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ مؤرخہ ۷، ۱۰ نومبر ۶۶ء یہاں ایسے زمانے میں پہنچا جب کہ میں سعودی عرب گیا ہوا تھا۔ واپس آکر

وہ مجھے ملا مگر مصروفیتوں نے جواب لکھنے کی مہلت نہ دی۔ اب آپ کو یہ مختصر جواب دے رہا ہوں۔

آپ نے نائیجیریا کے جو حالات لکھے ہیں ان کو پڑھ کر بڑا رنج ہوا۔ اگرچہ وہاں کی پہلے بھی کوئی روشن تصویر ہمارے سامنے نہ تھی مگر اس کے اِس قدر تاریک ہونے کا اندازہ بھی ہمیں نہ تھا جس قدر آپ نے براہ راست وہاں کے حالات کا مشاہدہ کرنے کے بعد ہمیں بتایا ہے۔ اللہ اس بے کس اُمت پر رحم فرمائے۔

آپ نے جو تدبیریں بیان کی ہیں وہ بہت مناسب ہیں۔ میں ایسی انگریزی کتابوں کی فہرست تیار کر رہا ہوں جو وہاں اسکولوں اور کالجوں کی لائبریریوں میں رکھوانے کے لیے موزوں ہوں۔ یہ فہرست تیار ہوتے ہی انشاء اللہ آپ کو بھیج دی جائے گی۔ جس قدر کتابیں ہم یہاں سے بھجوا سکتے ہیں وہ خود بھیج دیں گے۔ باقی کے لیے آپ لوگوں کو وہاں ذرائع پیدا کرنے ہوں گے۔

اسلامک سنٹر قائم کرنے کی تجویز مجھے بہت پسند آئی، اور اس بات سے مزید خوشی ہوئی کہ اس پر عمل کا آغاز ہو چکا ہے۔ الورین سنٹر کے لیے جن اصحاب نے تین سو روپے دیے ہیں تاکہ ان سے کتابیں خرید کر منگائی جائیں، میرے خیال میں ان کے لیے الگ فہرست بنانے کی ضرورت نہیں۔ جو فہرست ہم بنا رہے ہیں، اسی میں سے آپ کتابوں کا انتخاب کریں۔

اسی طرح جس سیکنڈری سکول کے لیے اساتذہ کی ضرورت آپ نے بیان کی ہے، اس کے لیے میں نے موزوں اُستاد تلاش کرنے کی ہدایات جاری کر دی ہیں۔ انشاء اللہ ایک مہینے تک

استادوں کے نام اور پتے آپ کو بھیج دیے جائیں گے۔

عیسائی مشنری اسلام کے خلاف جو اعتراضات پھیلا رہے ہیں ان کے جوابات لکھنے کے لیے میں نے چند اصحاب کو مامور کر دیا ہے۔ یہ کام بھی انشاءاللہ آئندہ ڈیڑھ دو مہینے میں ہو جائے گا۔

میرا مشورہ یہ ہے کہ نائیجیریا میں کسی ایک مقام پر آپ لوگ کوئی ایک بڑا ایک ڈپو قائم کرادیں جہاں کتابوں کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ درآمد کر لیا جائے اور پھر وہیں سے ملک کے مختلف مقامات پر فراہم کیا جاتا رہے۔ تھوڑی تھوڑی کتابیں متفرق طور پر یہاں سے منگوانا مشکل ہوگا۔ اس کے علاوہ اس امر کی پوری کوشش ہونی چاہیے کہ مسلمان کُتب فروش اگر کچھ ہوں تو ان کو اسلامی لٹریچر فروخت کرنے کی ترغیب دی جائے۔

با اثر نائیجیری مسلمانوں سے بھی ربط ضبط قائم کریں اور ان کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے علاوہ خود وُہ پاکستانی بھی جو اس وقت نائیجیریا کے مختلف علاقوں میں ہیں، اگر ایک دُوسرے سے متعارف ہوں اور ان میں سے دینی جذبہ رکھنے والے لوگوں کا پتہ چلا کر ان کی ایک کانفرنس کسی جگہ منعقد کر لی جائے تو آئندہ کام کے بہت سے راستے کھُل جائیں گے۔

بنام عبدالحق تمنا صاحب،

جی۔ایس۔ایس۔ الورین (ILORIN)

شمالی نائیجیریا

۲۵ دسمبر ۶۶ھ

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۳۹

برادرم ماہر صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ شوریٰ سے شورائی اور شوروی۔ دونوں اُردو میں صحیح ہیں اور اہل علم دونوں طرح لکھتے ہیں۔ پہلے ہمارے ہاں کی علمی کتابوں میں اکثر شورائی ہی لکھا جاتا تھا۔ بعد میں عربی اور فارسی مطبوعات کے اثر سے شوروی بھی لکھا جانے لگا۔ فارسی والے شوروی ہی لکھتے ہیں، مثلاً سوویٹ یونین کو اِتحادِ شوروی لکھا جاتا ہے۔ اور عربی میں شورائی سرے سے غلط ہے۔

تہمت کو تہمد لکھنا ایک تکلّف ہے، اور اسے تہبند سے ماخوذ سمجھنا اور بھی مہمل ہے کیونکہ تہبند بجائے خود کوئی صحیح الاصل لفظ نہیں ہے۔ میں نے دہلی کے عوام اور خواص سب کو تہمت ہی بولتے سُنا ہے۔ اور میں اس بات کو اصولاً غلط سمجھتا ہوں کہ بولنے میں کسی لفظ کا جو تلفظ کیا جاتا ہے، لکھنے میں اس کا املا خواہ مخواہ بتکلّف بدلا جائے، اِلاّ یہ کہ اسے بدلنے کے لیے کوئی معقول وجہ ہو۔

آپ جن شاعر صاحب کا حوالہ دے رہے ہیں وہ مجھ سے زیادہ اُردو جاننے والے نہیں ہیں۔ کراچی میں دلّی کے ہزاروں آدمی موجود ہیں ان سے پوچھ لیجیے کہ وہ تہمد بولتے ہیں یا تہمت؟ آپ کو شاید یہ غلط فہمی ہے کہ میں نے کبھی بچپن میں دلّی کی زبان سن رکھی ہو گی۔ حالانکہ میری ددھیال، ننھیال، سُسرال سب دلّی کی ہے۔ میرے رشتہ داروں تک میں کوئی دیہاتی قصباتی نہیں ہے۔

میرے والد مرحوم اور والدہ مرحومہ دونوں دلی کی بہترین زبان بولتے تھے، اور میں خود کم از کم دس سال تو مسلسل ہی اپنی جوانی کا زمانہ دلی میں گزار چکا ہوں، یعنی ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۸ء تک۔ میرے سامنے آپ لغت کا حوالہ کیا پیش کرتے ہیں۔ لغت والوں نے اہلِ زبان ہی کے استعمالات سے نظائر جمع کر کے کتبِ لغت مرتّب کی ہیں۔ اب آپ میرے حوالہ سے اپنی لغت کی کتاب میں نوٹ کر لیجیے کہ اس لفظ کا اِملا تہمت "بہ "تا" ہے۔

آپ اگر کسی لفظ کے استعمال کو اس لیے چھوڑ دینے کا قاعدہ بنائیں گے کہ اس میں ایک مذموم لفظ سے اِلتباس کا خطرہ ہے، تو شاید چودھری جیسے الفاظ کو تو زبان سے بالکل ہی خارج کرنا پڑے گا۔

عمر بن سعد کا نام تمام مؤرخین نے عمر ہی لکھا ہے، عمرو کسی نے بھی نہیں لکھا۔ بلکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے حضرت سعد بن ابی وقاص کے کسی بیٹے کا نام عمرو نہیں تھا۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

بنام ـــــ ماہر القادری صاحب،

ایڈیٹر فاران، کراچی

۴؍جنوری ۱۹۶۷ء

۱۴۰

برادرم ماہر صاحب، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ مؤرخہ ۲۸، رمضان ۸۷ھ کل

۷ر شوال کو وصول ہوا۔ معلوم نہیں اتنی مدت کہاں غائب رہا۔

شکر ہے کہ آپ کو "تہمت" کی سند مل گئی۔

اپیل اگر مرافعہ کے معنی میں ہو تو مذکر ہے۔ دوسرے معنی میں اسے مؤنث بولتے اور لکھتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے ہائی کورٹ میں اپیل کر دیا ہے۔ اور ہم نے چندے کی اپیل کر دی ہے۔ تاہم مرافعہ کے معنی میں بھی اپیل کو مونث بولنا غلط نہیں ہے۔ انگریزی الفاظ کی جنس ویسے ہی مشتبہ ہے۔

فیڈریشن مونث ہے اور کارپوریشن مذکر مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی کارپوریشن کو مونث لکھا ہو۔ بسلامتیٔ ہوش و حواس تو میں ایسا کبھی نہیں کر سکتا۔

"زنا" کے متعلق آپ کو مطمئن کرنے کے لیے اب میں یہی کر سکتا ہوں کہ اس لفظ کا استعمال کرتے ہوئے جملے کی ترکیب ایسی رکھوں کہ یہ حرکت نہ مونث رہے نہ مذکر۔ جو کام مونث و مذکر مل کر کریں اس کا یہی حشر ہونا چاہیے۔

بنام ماہر القادری صاحب

ایڈیٹر فاران، کراچی

مورخہ ۲۱ جنوری ۶۷ء

خاکسار

ابوالاعلیٰ

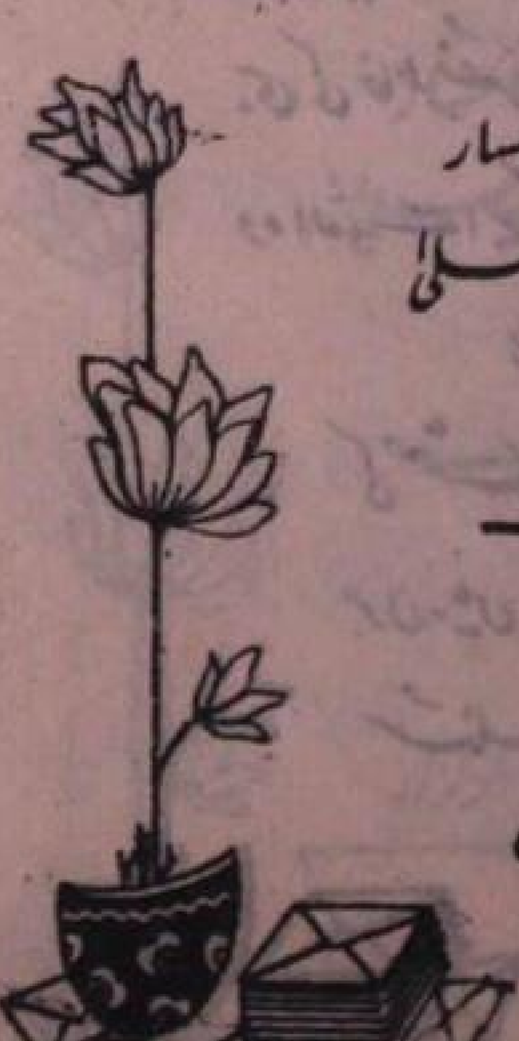

۱۴۱

برادرم ماہر صاحب، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ جو حضرات میرے اور جماعت اسلامی کے خلاف دل کا بغض نکالتے ہیں، ان کے معاملہ کو میں

نے اللہ کے حوالے کر دیا ہے، اس لیے ان کی ساری تحریریں پڑھتا ہوں اور اللہ کی عدالت کے سپرد کر کے اپنے کام میں لگ جاتا ہوں۔ میری عاقبت درست کرنے کے لیے جو کام ضروری ہیں وہی اتنے زیادہ ہیں کہ دوسرے کسی کام میں ایک لمحہ بھی صرف کرنا مجھے تضییعِ وقت نظر آتا ہے۔ یہ حضرات اپنی عاقبت سے غافل ہیں تو، اور اپنی عاقبت ہی کے لیے میرے خلاف بولتے ہیں اور لکھنے کو مفید سمجھتے ہیں تو، دونوں صورتوں میں اپنے وقت اور محنت کا مصرف تجویز کرنے کی انھیں پوری آزادی ہے۔ میں انشاء اللہ ان کی کبھی مزاحمت نہیں کروں گا۔ اور کم از کم میری تو یہ خواہش بھی نہیں ہے کہ میرے رفقاء اور دوستوں میں سے کوئی ان کی مزاحمت کرے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ جو حیثیت فی الواقع مجھے اللہ نے دی ہے اسے کوئی چھین نہیں سکتا اور جو حیثیت اللہ ہی نے مجھے نہیں دی وہ کوئی بھی مجھے دلوا نہیں سکتا۔ بہر حال اگر ان لوگوں کی زیادتیوں کو دیکھ کر کسی کو غضب اور غصہ لاحق ہو ہی جائے تو میں اسے اللہ ہی کی خاطر نصرتِ حق سے باز رہنے کے لیے بھی نہیں کہتا، خصوصاً جبکہ وہ اللہ سے اجر کی امید پر یہ کام کر رہا ہو۔

برادرم، زبان کے معاملہ میں آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں اس کی صحت کا سخت اہتمام کرتا ہوں، اور اس باب میں دہلی ہی کی زبان کا پابند ہوں۔ میں نے مُرافعہ کے معنی میں اہلِ دہلی کو بارہا اپیل کو مذکر ہی بولتے سُنا ہے۔ اسی طرح فیڈریشن کو مؤنث سنا بھی ہے اور پڑھا بھی۔ "نہ ہی" کے استعمال کو میں ادبی گناہ سمجھتا ہوں۔ مگر اس کا کیا علاج کروں کہ آج کل خود ہمارے اپنے حلقے کے

لوگ اس مرض میں بُری طرح مبتلا ہیں، حتیٰ کہ خود میری بعض عبارتوں یا گفتگوؤں کو نقل کرتے ہوئے بطورِ خود "نہ" کے بعد "ہی" بڑھا دیتے ہیں .... میرے کسی مضمون میں اگر آپ نے یہ لفظ دیکھا ہو تو مجھے ضرور اس کا حوالہ دیں۔

کل اتفاق سے خواجہ شفیع صاحب میرے ہاں تشریف لائے۔ میں نے ان سے زنا کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا کہ میرے کانوں نے بھی کبھی دلی میں زنا کو مذکر نہیں سنا۔ بلکہ انھوں نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ دلی والوں میں سے بھی کوئی اس لفظ کو مذکر بولتا ہے۔ یہی حال میرا بھی ہے کہ میں نے کبھی کسی دلی والے کو "زنا کیا" بولتے نہیں سنا اور مجھے بھی آپ سے یہ سُن کر حیرت ہی ہوئی تھی کہ اہلِ دہلی میں سے کچھ حضرات اسے مذکر قرار دیتے ہیں۔ اب آپ واحدی صاحب اور دوسرے دلی والوں سے پوچھ لیجیے کہ خواجہ شفیع کی زبان بھی دلی کی ہے یا نہیں۔

بنام ماہر القادری صاحب،
ایڈیٹر فاران، کراچی،

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۲۶ جنوری ۱۹۶۷ء

(۱۴۲)

برادرم ماہر صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ آپ کی مبارک باد* کا تہ دل سے شکر گزار

* ماہر صاحب نے یہ خط رؤیتِ ہلالِ عید کے قضیے کے سلسلے میں مولانا محترم کی تقریباً ڈھائی ماہ کی نظربندی سے رہائی کے موقع پر لکھا تھا۔ (مرتب)

ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس اخلاص اور محبت کا اجر آپ کو عطا فرمائے۔

علم العقائد میں قضائیں دو طرح کی مانی جاتی ہیں۔ ایک قضائے مُبرم، دوسرے قضائے معلّق۔ قضائے معلق کی تعریف یہی ہے کہ وہ دعا اور توبہ سے بدل جاتی ہے۔ اور اس کی دلیلیں قرآن اور حدیث دونوں میں موجود ہیں۔

"خلافت و ملوکیت" پر تبصرہ کل رات ہی میں نے پڑھا ہے۔ اگرچہ فاران کے پچھلے پرچے گھر پہنچتے ہی ملک غلام علی صاحب نے مجھے دے دیے تھے، مگر آنے والوں کا اتنا ہجوم رہا کہ مجھے کوئی چیز پڑھنے کی مہلت دو تین روز تک نہ مل سکی۔

بنام ماہر القادری صاحب،
ایڈیٹر فاران، کراچی۔
مورخہ ۲۶ مارچ ۶۷ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

١٤٣

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ آپ کے اخلاص و محبت کا تہ دل سے شکر گزار ہوں اور اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ آپ کو اس کا اجرِ جزیل عطا فرمائے گا، کیونکہ میرے ساتھ آپ کا یہ اخلاص اللہ اور اس کے دین ہی کی خاطر ہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ میری صحت بالکل درست ہے۔ صرف اتفاقاً ایک روز بتوں میں ڈائریا (DIARRHOEA)

کا حملہ ہوگیا تھا جس سے چار پانچ روز ضعف بھی رہا اور نظامِ ہضم بھی متاثر رہا۔ اب بحمد اللہ اس کا کوئی اثر باقی نہیں ہے۔

.... کے ساتھ جلسۂ عام میں شرکت کے لیے آپ کی دعوت میں بخوشی قبول کرتا، مگر سرِدست کچھ مدت کے لیے مجھے مرکز میں ٹھہر کر بہت سے ضروری کام کرنے ہیں۔ نظر بندی کے زمانے میں مجھے کتابوں اور لکھنے پڑھنے کے سامان سے محروم رکھا گیا اس لیے میرے علمی کام کا بہت نقصان ہوگیا اور اب اس کی تلافی کے لیے مجھے یکسوئی کی ضرورت ہے۔ افسوس ہے کہ سابقہ ایسے جاہلوں سے پیش آیا ہے جو یہ نہیں سمجھتے کہ اپنی خود غرضی کی بنا پر انھوں نے میرا وقت ضائع کرکے آئندہ نسلوں کا کتنا نقصان کیا ہے۔ وہ اپنی جگہ یہ سمجھتے ہیں کہ انھوں نے بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔

خاکسار،

ابوالاعلیٰ

بنام شکیل احمد خاں، لائل پور

۲۶ مارچ ۱۹۶۷ء

۱۴۴

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ اسلامی جمعیتِ طلبہ میانوالی ایک کل پاکستان بین الجامعی مباحثہ اس موضوع پر منعقد کر رہی ہے کہ قیامِ امنِ عالم کے لیے اتحادِ عالمِ اسلامی ناگزیر ہے۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ عالمِ اسلام کا اتحاد جملہ اقوامِ عالم کے لیے امن و امان کا ایک بہترین نمونہ اور پیش خیمہ ثابت ہوسکتا

ہے۔ البتہ اس کے لیے شرطِ لازم یہ ہے کہ سب سے پہلے مسلمان ممالک غیر اسلامی نظریات و اثرات سے اپنے آپ کو پاک کریں اور ان کے حکمران محدود ذاتی یا قومی مفادات کو سامنے رکھنے کے بجائے خلوصِ نیت کے ساتھ اسلام کے عالمگیر عادلانہ اصولوں کی روشنی میں اپنے اختلافات اور تنازعات کو رفع کرنے اور باہمی یک جہتی قائم کرنے کی کوشش کریں۔

اس صدی میں پوری نوعِ انسانی دو مرتبہ جنگِ عظیم کی بھٹی میں جھونکی جا چکی ہے، لیکن اس کے باوجود طاقت ور اور نام نہاد متمدن اقوام ایٹمی ہتھیاروں کے انبار جمع کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں رات دن لگی ہوئی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی موجودہ مفکرین بڑے زور شور سے اس خیال کو پیش کر رہے ہیں کہ انسانیت کو اس وقت تک امن نصیب نہیں ہو سکتا جب تک مطلق العنان قومی ریاستیں اپنی خود مختاری کو ایک حد تک ترک کر کے ایک عالمی ریاست کو وجود میں نہ لائیں۔

لیکن اسلام کے اصولوں کو چھوڑ کر دنیا کے پاس کوئی مذہبی یا غیر مذہبی نظریہ ایسا نہیں ہے جو ورلڈ اسٹیٹ کی بنیاد بن سکے۔ عیسائیت اور بدھ ازم رہبانیت اور ترکِ دنیا کی تعلیم دیتے ہیں، اور سیاست اور اجتماع کے لیے کوئی رہنمائی فراہم نہیں کرتے۔ ہندومت، مغربی سرمایہ داری، اور اشتراکیت: تینوں نظام انسانی معاشرے کو جوڑنے کے بجائے اسے پھاڑتے اور انسان کو انسان کا دشمن بناتے ہیں۔ وہ اقوامِ عالم کو بھلا اتحاد کا کیا سبق دیں گے۔ اس کے بعد اب اسلام کی آفاقی تعلیمات ہی ہیں جو دنیا کے لیے بنائے امن و سکون ثابت ہو سکتی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان جو اس امانت کے امین ہیں وہ پہلے خود اسلامی اخوت و

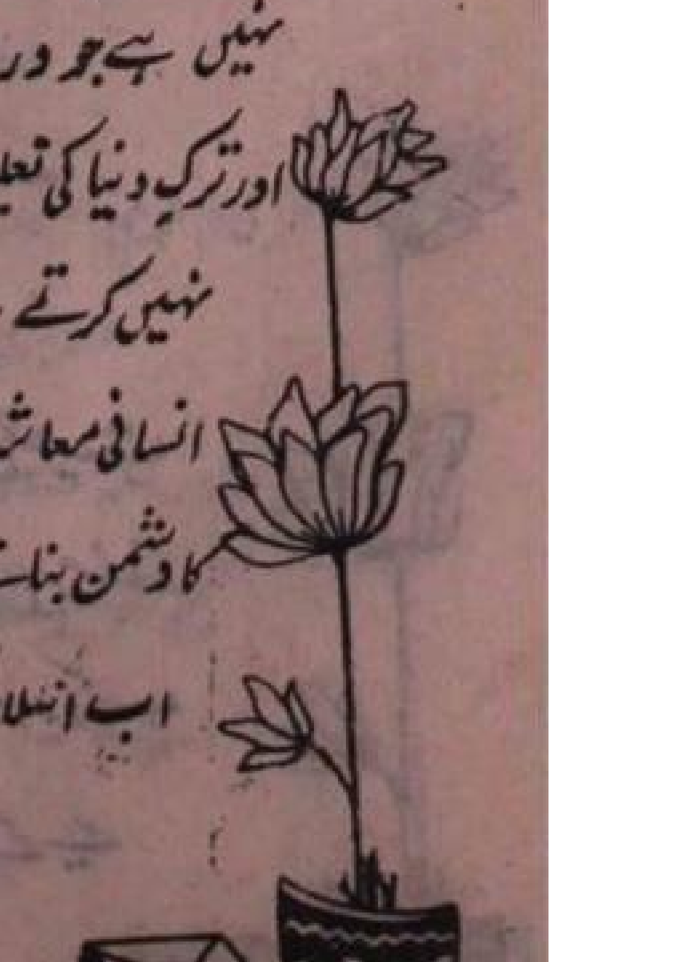

مُساوات کے رشتے میں اپنے آپ کو پروئیں اور پھر اپنے قول و عمل کی تبلیغ سے دنیا بھر کو اس رشتے میں مُنسلک ہونے کی دعوت دیں۔

بنام شمیم احمد ہاشمی صاحب،

ناظم اسلامی جمعیت طلبہ میانوالی،

مورخہ ۲۶ مارچ ۶۷ء

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۴۵

برادرم ماہر صاحب، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مئی کے فاران میں تفہیم القرآن جلد چہارم پر آپ کا تبصرہ پڑھا۔ آپ نے پوری کتاب کو بغور پڑھ کر فی الواقع تبصرے کا حق ادا کر دیا ہے جس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔

۱- آیت لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [۱] کو اگر سیاق و سباق سے قطعِ نظر کرتے ہوئے ایک ارشاد کی حیثیت سے لیا جائے تو یقیناً اس کا ترجمہ یہی ہونا چاہیے کہ "تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک اُسوۂ حسنہ ہے"۔ لیکن جس سلسلۂ عبارت میں یہ فقرہ آیا ہے اس کے اندر رکھ کر اسے دیکھا جائے تو کانؔ کا ترجمہ "ہے" کے بجائے "تھا" ہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ سُورۂ احزاب کے دُوسرے رکوع میں غزوۂ احزاب پر تبصرہ فرماتے ہوئے پہلے مدعیٔ ایمان منافقین کے رویّے پر گرفت فرمائی گئی

[۱] الاحزاب: ۲۲

ہے۔ پھر تیسرے رکوع میں مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ اس جنگ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل میں تمہارے لیے ایک قابلِ تقلید نمونہ تھا، اور اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ ایسا ہی قابلِ تقلید طرزِ عمل ان لوگوں کا تھا جو سچے دل سے ایمان لائے تھے۔

م۲ : اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ [له]
کی تشریح میں جو بات میں نے کہی ہے وہ یہ نہیں ہے کہ کسی جزئی مسئلے میں بھی جو شخص کسی غیر اسلامی فلسفے یا تہذیب یا قانون کی کوئی چیز اخذ کرے وہ شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔ بلکہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ افکار، عقائد، نظریات اور فلسفے دوسروں سے لیں، انھی کی دی ہوئی قدروں کو مانیں، انھی کے اخلاقی اصولوں اور تہذیب و ثقافت کے معیاروں کو قبول کریں، اور اپنی زندگی کے مختلف شعبوں میں انھی کے قوانین اور طور طریقوں کی پیروی اختیار کریں، وہ درحقیقت شرک فی الحکم کے مرتکب ہیں، کیونکہ "یہ ایک پورا کا پورا دین ہے جو اللہ رب العالمین کی تشریع کے خلاف اور اس کے اذن کے بغیر ایجاد کرنے والوں نے ایجاد کیا اور ماننے والوں نے مان لیا اور یہ ویسا ہی شرک ہے جیسا غیر اللہ کو سجدہ کرنا اور غیر اللہ سے دعائیں مانگنا شرک ہے۔"

م۳ : آپ نے میری اس عبارت پر اعتراض کیا ہے کہ "قضا اور تقدیر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس نے ہماری طرح معاذ اللہ، خود اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بھی باندھ دیے ہوں اور دعا قبول کرنے کے اختیارات اس سے سلب ہو گئے ہوں۔ بندے تو بلاشبہ اللہ کے فیصلوں کو ٹالنے یا بدل دینے کی طاقت نہیں رکھتے مگر اللہ تعالیٰ

له (الشوریٰ : ۲۱)

خود یہ طاقت ضرور رکھتا ہے کہ کسی بندے کی دعائیں اور التجائیں سن کر اپنا فیصلہ بدل دے"۔
اس معاملہ میں آپ کی اُلجھن صرف اس وجہ سے ہے کہ آپ "قضا" کے لیے لفظ "فیصلہ" استعمال کرنے کو صحیح نہیں سمجھتے اور آپ کے نزدیک "قضا کو ٹالنے" اور "فیصلہ بدل دینے" میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ قضا کے معنی فیصلے ہی کے ہیں اور قضا کو ٹال دینے اور فیصلہ بدل دینے میں در حقیقت کوئی فرق نہیں ہے۔ حضورؐ کے ارشاد لَا یَرُدُّ القَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ (قضا کو کوئی چیز نہیں پھیرتی مگر دعا) کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو قضا دعا نہ کرنے کی صورت میں نافذ ہو جانے والی ہو وہ دعا کرنے سے پلٹ جاتی ہے یا نافذ ہونے سے رک جاتی ہے۔ اس کو اگر یوں بیان کیا جائے تو کیا قباحت ہے کہ دعا نہ کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ رُو بعمل آنے والا ہوتا ہے اسے دعا کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ خود ہی اپنے فضل سے بدل دیتا ہے۔ یہی بات سورۂ نوح میں اس طرح بیان فرمائی گئی ہے کہ اَنِ

اُعْبُدُوا اللهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ

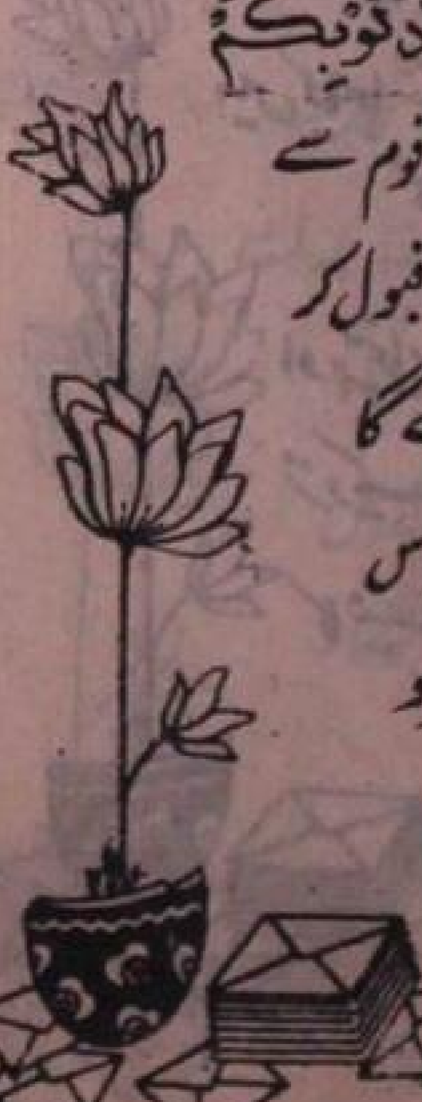

وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔ یعنی حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم لوگ اللہ کی بندگی اور تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت قبول کر لو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور ایک وقتِ خاص تک تمہیں مہلت دے دے گا"۔ اس آیت میں یُؤَخِّرْکُمْ کا لفظ صاف اشارہ کر رہا ہے کہ کفر و شرک پر جمے رہنے کی صورت میں فیصلہ یہ تھا کہ اس قوم کو ہلاک کر دیا جائے۔ لیکن اگر وہ بندگی و تقویٰ اور

اطاعتِ رسول اختیار کرلے تو وہ فیصلہ اِس فیصلے سے بدل جائے گا کہ اسے مزید مہلتِ عمل دے دی جائے۔

اب چند کلمات زبان کے متعلق بھی عرض کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ آپ "نہ ہی" اور "نہ ہی" کے درمیان کوئی فرق نہیں سمجھتے اور دونوں کو یکساں غلط قرار دیتے ہیں، حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ انگریزی لفظ NOR کا ترجمہ آج کل بہت سے لوگ "نہ ہی" کرتے ہیں اور یہ قطعی غیر اُردو طرزِ بیان ہے۔ اس کے برعکس اُردو زبان میں یہ مفہوم چار مختلف طریقوں سے ادا کیا جاتا ہے۔

(۱) : نہ تمھاری وہ بات دُرست ہے نہ یہ۔

(۲) : نہ تمہارا وہ قول درست ہے اور نہ یہ۔

(۳) : نہ وہ کام درست ہے اور نہ یہی درست کہ تم فُلاں حرکت کرو۔

(۴) : تم نہ قوم کی کوئی خدمت کر رہے ہو نہ اپنا ہی کچھ بھلا کر رہے ہو۔

یہ چاروں طرزِ بیان خالص اُردو ہیں، اور ان میں سے کسی پر بھی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

کلچر کا لفظ آج کل کی اخباری زبان میں ہر جگہ مذکر بولا جا رہا ہے اور پنجاب کے اخبارات بھی اسے مذکر ہی لکھ رہے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک اس کو مذکر بولنا صحیح نہیں ہے۔ انگریزی الفاظ کی تذکیر و تانیث کا فیصلہ اہلِ زبان دو بنیادوں پر کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا ہم معنی اردو لفظ مذکر ہے یا مونث۔ دوسرے یہ کہ اس کی صوت (Sound) ذوقِ اُردو کے لحاظ سے تانیث کے ساتھ

زیادہ مناسبت رکھتی ہے یا تذکیر کے ساتھ۔ کلچر تہذیب و ثقافت کی ہم معنی ہے اور اس کی صوت بھی تذکیر سے مناسبت نہیں رکھتی۔ اس لیے کلچر اُسی طرح مؤنث ہے جس طرح ایگری کلچر، کیونکہ وہ زراعت کی ہم معنی ہے اور اس کی صوت بھی ذوقِ اردو کو مؤنثانہ محسوس ہوتی ہے۔

"مذہبی مراسم" پر بھی آپ نے اعتراض کیا ہے۔ لیکن یہ لفظ میں نے مراسمِ عبودیت کے معنی میں استعمال کیا ہے اور انھیں "رسومِ عبودیت" کوئی نہیں لکھتا۔ مذہبی رسوم اور مذہبی مراسم میں ایک باریک فرق ہے جس کی طرف شاید آپ کی نگاہ نہیں گئی۔ مذہبی مراسم اُن عبادات کو کہتے ہیں جو کسی مذہب میں رائج ہوں۔ اور مذہبی رسوم ان رسموں کو کہتے ہیں جنھیں کسی معاشرے میں مذہب کا رنگ دے دیا گیا ہو۔

میری جو عبارتیں آپ نے تبصرے کے دَوران میں نقل کی ہیں ان میں بھی بعض مقامات پر میری زبان بدل گئی ہے۔ معلوم نہیں کہ آپ نے صحیح کو غلط سمجھ کر اس کی اصلاح کی ہے یا یہ کتابت کی غلطی ہے۔ مثلاً یہ فقرہ کہ "تغذیہ کی بجائے تلذذ کا پہلو نمایاں ہے"۔ "میں 'کی بجائے' کبھی نہیں لکھتا بلکہ اسے غلط سمجھتا ہوں۔ اُردو زبان میں یہ مفہوم دو طریقوں سے ادا کیا جاتا ہے (۱) اِس کے بجائے۔ (۲) بجائے اس کے کہ۔" اگر بجائے اس کی" کہنا صحیح ہو تو بلاشبہ "اس کی بجائے" کہنا بھی صحیح ہوگا۔

اسی طرح ایک جگہ یہ فقرہ میری نگاہ سے گزرا کہ "یہ چیزیں ان کے لیے فرحت کا موجب ہیں"۔ یہ میری زبان نہیں

ہے۔ میں فرحت کی موجب لکھتا ہوں۔ ایسے مواقع پر حرفِ اضافت کی تذکیر و تانیث مضاف کے لحاظ سے نہیں بلکہ مضاف الیہ کے لحاظ سے متعین ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک مقام پر "اس کی نشو و نما" لکھا گیا ہے۔ میں نشو و نما کو کبھی مونث نہیں لکھتا۔ میرے نزدیک یہ لفظ مذکر ہے اور ثقاتِ اہلِ علم کی زبان سے میں نے اسے مذکر ہی سنا ہے۔

اگرچہ مجھے زبان میں سند ہونے کا دعویٰ نہیں ہے، لیکن اردو بولتے لکھتے سنتے اور پڑھتے تقریباً پچاس برس گزر چکے ہیں اور میں صحتِ زبان کے معاملہ میں ہمیشہ متشدد رہا ہوں۔ میری زبان میں الفاظ کے ایسے استعمالات تو پائے جا سکتے ہیں جن میں اہلِ زبان کے درمیان اختلاف ہے، لیکن زبان کی غلطی آپ میرے ہاں مشکل ہی سے پا سکتے ہیں۔ پچھلے پچاس سال کے دوران میں زبان کے اندر جو تغیرات ہوئے ہیں ان کا عکس بھی آپ کو میری تحریروں میں نظر آئے گا، کیونکہ الفاظ کے جو استعمالات متروک ہوتے گئے ہیں ان کو میں چھوڑتا چلا گیا ہوں اور نئے استعمالات کو اختیار کرتا رہا ہوں۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ پچھلے ۲۰ سال میں تقسیم کی بدولت اردو زبان و ادب پر جو شدید بحرانی کیفیت طاری ہوئی ہے اس میں میری انتہائی کوشش یہ رہی ہے کہ زبان کو بگڑنے سے بچایا جائے اور اس کے صحیح معیار کو برقرار رکھا جائے۔

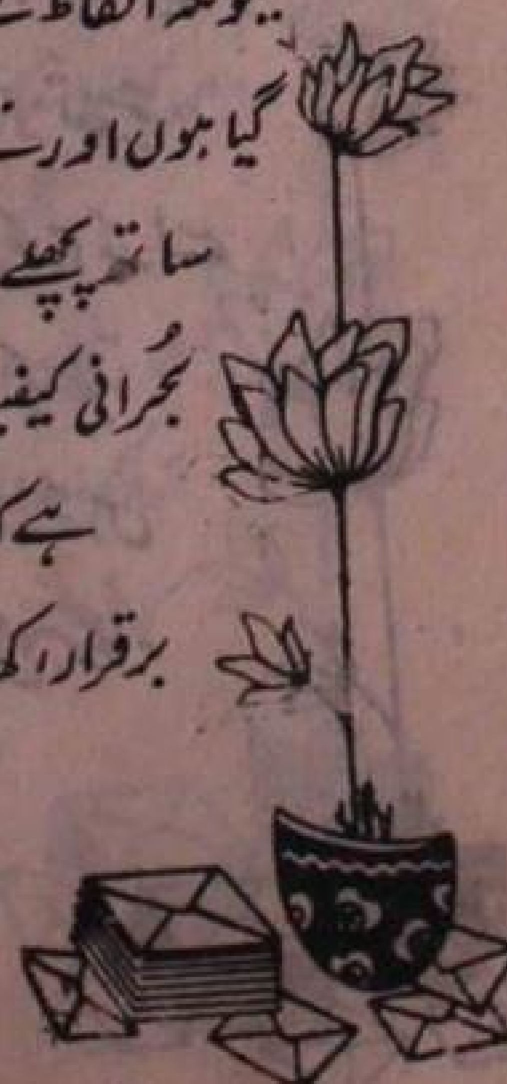

بنام ماہر القادری صاحب، ایڈیٹر فاران کراچی — خاکسار

مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۶۷ء — ابوالاعلیٰ

۱۴۶

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا گرامی نامہ ملا اور یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے اس مرتبہ بلادِ مقدسہ کا دورہ کر کے بہت کچھ خدمتِ دین انجام دی ہے۔ افسوس ہے کہ وہ مسجد اقصیٰ جس میں بیٹھ کر آپ نے اپنا مقالہ تحریر فرمایا تھا، مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر دجّال کی امّت کے قبضہ میں چلی گئی۔ جس وقت میں آپ کا عنایت نامہ پڑھ رہا تھا اسی وقت کفّار کے اس پر تسلّط کی اطلاع ملی۔ اسی تاثر کی وجہ سے کئی روز تک آپ کو جواب نہ دے سکا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جس سے فریاد کی جائے۔

آپ کے عنایت نامے سے یہ اطلاع پا کر بھی مسرّت ہوئی کہ اب آپ کو کراچی میں ایک مستقل مسجد درس و خطابت کے لیے مل گئی ہے جہاں آپ اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر دوسرے بہت سے مفید کام بھی کر سکیں گے۔

بنام مولانا ابوالخیر مسلم علوی صاحب۔ کراچی

خاکسار

۱۴ جون ۶۷ء

ابوالاعلیٰ

۱۴۷

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ آپ کے سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

لہ ڈاکٹر حفیظ ملک صاحب نے مولانا محترم سے چند سوالات (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۶ پر)

دارالاسلام کے لیے چودھری نیاز علی صاحب (ریٹائرڈ ایس ڈی او محکمہ نہر) نے ۶۰ ایکڑ زمین وقف کی تھی۔

میں نے چودھری صاحب کے بنائے ہوئے مکانات میں قیام کیا تھا۔ اُس زمین کی آمدنی کا مجھ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ میری ذات یا ترجمان القرآن، یا جماعت اسلامی کے کسی کام میں اُس کی آمدنی کا ایک پیسہ بھی کبھی خرچ نہیں ہوا۔

میں ۱۸ مارچ ۱۹۳۸ء کو وہاں پہنچا تھا اور دسمبر ۳۸ء تک وہاں رہنے کے بعد لاہور منتقل ہوگیا تھا۔ بعد میں جون ۴۲ء میں پھر منتقل ہوا اور اگست ۴۷ء کے اختتام تک وہاں رہا۔

میرا اور علامہ اقبال مرحوم کا اتفاق رائے صرف اس حد تک تھا کہ اسلامی قانون کی تدوینِ جدید ہونی چاہیے۔ مگر میرا طرزِ فکر اور طریقِ تحقیق میرا اپنا ہی تھا۔ میرے اور ان کے درمیان جو بات طے ہوئی تھی وہ یہ تھی کہ چند مستعد نوجوانوں کو اسلامی قانون پر تحقیق کی تربیت دی جائے اور پھر تدوینِ جدید کا کام شروع کر دیا جائے۔ زیادہ تفصیل کے ساتھ بعد میں نقشۂ کار بنانے کا ارادہ تھا۔ مگر جس دوران میں کہ میں حیدر آباد سے پٹھان کوٹ منتقل ہونے کی تیاری کر رہا تھا، مرحوم کی بیماری بڑھتی چلی گئی۔ مارچ ۳۸ء میں پٹھان کوٹ پہنچ کر میں ضروری انتظامات کرنے کے بعد ان کی دعوت پر لاہور جا کر ان سے

(بقیہ صہ ۲۰۵) پوچھے تھے جو دارالاسلام (پٹھان کوٹ) اور علامہ اقبال مرحوم کے بارے میں تھے —— یہ خط انہی کے جواب میں لکھا گیا۔ (مرتب)

ملنے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ ان کا انتقال ہو گیا۔[1]

خاکسار

ابوالاعلیٰ

بنام ڈاکٹر حفیظ ملک صاحب، امریکہ

۴ مارچ ۱۹۶۷ء

۱۴۸

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ بہت شرمندہ ہوں کہ آپ کے خطوط کے جوابات بر وقت نہ دے سکا۔ آپ کا ایک عنایت نامہ میری اسیری کے زمانہ میں آیا تھا، اور ایک رہائی کے بعد۔ مگر ۱۶ مارچ (۱۹۶۷ء) کو رہائی کے بعد گھر پہنچتے ہی مصروفیات کے ہجوم نے ایسا گھیرا کہ خطوط کے جوابات لکھنے کی مہلت ہی نہ ملی۔ تاہم میں نے خلیل صاحب (مولانا محترم کے شعبہ عربی کے سیکرٹری۔ مرتب) سے کہہ دیا تھا کہ میری طرف سے آپ کو مفصل جواب لکھ دیں اور اطلاع دے دیں کہ فرصت پاتے ہی میں خود بھی لکھوں گا۔

اس وقت جو مصروفیتیں درپیش ہیں ان کو دیکھتے ہوئے مجھے اُمید نہیں کہ میں وسط ستمبر سے پہلے باہر کا کوئی سفر کر سکوں گا۔ وسط ستمبر میں ان شاء اللہ رابطہ کے اجلاس کی شرکت کے لیے سعودی عرب

---

[1] ڈاکٹر صاحب کا ایک سوال یہ تھا کہ آیا اقبال مرحوم نے ازہر کے کسی عالم کو مدعو کیا تھا، اور کیا وہاں سے کوئی صاحب تشریف لائے تھے اور وہ کون صاحب تھے؟ اس کے جواب میں مولانا محترم نے لکھا تھا: "۳۱ کا نہ مجھے علم ہے کہ اقبال مرحوم نے کسی کو مدعو کیا تھا نہ ازہر کا کوئی آدمی یہاں آیا تھا۔" (مرتب)

جاؤں گا، اس کے بعد وہیں سے لیبیا اور ٹرکی کا دورہ شروع کر دوں گا۔ اگرچہ میری قوتِ جسمانی اب مسلسل سفر اور مسلسل محنت برداشت نہیں کرتی، مگر جس اخلاص و محبت کے ساتھ ٹرکی اور لیبیا کے احباب دعوت دے رہے ہیں اس کا تقاضا یہی ہے کہ میں کسی نہ کسی طرح ان دونوں ملکوں کا دورہ اسی سال کر لوں اور اس کے لیے اکتوبر کا زمانہ ہی موزوں ہو سکتا ہے۔

آپ نے اپنے دونوں عنایت ناموں میں جو اُمور تحریر فرمائے ہیں وہ سب میں نے نوٹ کر لیے ہیں۔ انشاء اللہ جب بھی آؤں گا وہ سب چیزیں ساتھ لاؤں گا جن کی آپ نے فرمائش کی ہے۔ محاضرات بھی جہاں تک ممکن ہو گا زیادہ سے زیادہ تیار کر لوں گا۔

صاحبزادی کی پیدائش پر مبارک باد قبول فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو عمر اور علم اور صلاح و سعادت سے سرفراز فرمائے۔

حبیب ریحان الندوی صاحب،

البیضاء۔ لیبیا۔

مورخہ ۳ مئی ۶۷ء

خاکسار

ابوالاعلیٰ

ے رابطہ کے اس اجلاس میں شرکت کے لیے حکومت نے مولانا محترم کو ملک سے باہر جانے کی اجازت نہیں دی تھی جس کے خلاف ہائی کورٹ میں رِٹ داخل کی گئی یہ رِٹ جو اکتوبر ۶۶ء میں دائر کی گئی اس کا فیصلہ ہائی کورٹ کے ڈویژن بنچ نے اکتوبر ۶۷ء میں دیا یہ فیصلہ اگرچہ مولانا کے حق میں تھا اور اس میں حکومت کی اس پابندی کو ناجائز قرار دیا گیا تھا لیکن مولانا محترم غیر معمولی تاخیر کی وجہ سے یہ سفر اختیار نہ کر سکے۔ (مرتب)

۱۴۹

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ سورۂ بقرہ کے حاشیہ ۴۸، ۵۳ اور سورۂ طٰہٰ کے حاشیہ ۱۰۶ میں درحقیقت کوئی تضاد نہیں ہے، بلکہ ساری الجھن اس لیے پیش آتی ہے کہ آدم علیہ السلام کو ابتداءً جس جنت میں رکھا گیا تھا اور آخرت میں صالح انسانوں کو جس جنت میں رکھا جائے گا اس کے بارے میں یہ تصریح کرتے ہوئے جھجک محسوس ہوتی ہے کہ وہ اسی زمین پر تھی اور قطعی صراحت کے ساتھ کہنے میں تأمل ہوتا ہے۔ لیکن اس بات کو مان لینے کے بعد مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ ابتداءً آدم علیہ السلام کو اسی جنت پر مکمل (Full-fledged) خلیفہ کی حیثیت سے رکھا گیا اور ان کے لیے وہ انتظامات کیے گئے جو ان کے اس مرتبے کے شایانِ شان تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی اسکیم یہ تھی کہ آزمائش کے بغیر ان کو اس منصب پر مستقل نہ کیا جائے۔ آزمائش کی گئی تو وہ کمزوریاں ظاہر ہوئیں جن کا ذکر البقرہ اور طٰہٰ میں کیا گیا ہے۔ اس کے بعد وہ انتظامات ہٹا لیے گئے اور زمین کی آزمائشی (Probationary) خلافت پر مامور کر دیا گیا جس میں اختیاراتِ خلافت بطور آزمائش دیے گئے تاکہ جو لوگ آزمائش میں پورے اتریں ان کو آخرت میں مستقل خلافت دی جائے۔ اس وقت پھر یہی زمین ان کے لیے جنت بنا دی جائے گی۔

بنام چودھری محمد اکبر صاحب، سیالکوٹ — خاکسار

مورخہ ۲۰ اگست ۶۷ء — ابوالاعلیٰ

۱۵۰

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

تفہیم القرآن میں کسی جگہ بھی زمانۂ نزول کی بحث میں ترتیبِ نزول کی بحث نہیں چھیڑی گئی ہے بلکہ ہر جگہ میں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی ہے کہ کونسی سورہ کس زمانے میں نازل ہوئی ہے۔ اسی لیے میں نے عنوان بھی ترتیب نزول نہیں بلکہ زمانۂ نزول رکھا ہے۔ سُورہ واقعہ کے دیباچہ میں مَیں نے پہلے "الاتقان" اور "دلائل النبوۃ" کے حوالے سے یہ بتایا ہے کہ طٰہٰ، الواقعہ اور الشعراء قریب قریب زمانہ میں علی الترتیب نازل ہوئی ہیں۔ پھر ابن ہشام کے حوالے سے یہ بتایا ہے کہ حضرت عمرؓ کے ایمان لانے سے پہلے طٰہٰ اور الواقعہ نازل ہو چکی تھیں۔ یہ امر اس عنوان کے تحت زیر بحث نہیں تھا کہ ان دونوں میں سے پہلے کونسی نازل ہوئی اور بعد میں کونسی۔

بنام مفتی محمد یوسف صاحب،
اکوڑہ خٹک، پشاور
مورخہ ۲۸ اگست، ۶۷ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۱۵۱

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ کشمیر کے معاملہ میں پاکستان کو جو تجربہ پچھلے بیس سال سے ہو رہا ہے اور ابھی حال ہی میں عرب ممالک کو اسرائیلی

جارحیت کے بعد جو تجربہ ہوا ہے، اس نے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ دنیا میں آج بھی "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کا قاعدہ ہی جاری ہے، آج بھی قوت ہی حق ہے، اور کسی قوم کے لیے اس کی اپنی طاقت کے سوا اس کے حقوق کی حفاظت کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد دنیا کو ایک فریب مجلسِ اقوام کے نام سے ایک انجمن بنا کر دیا گیا، مگر بہت جلدی یہ بات کھل گئی کہ "بہرِ تقسیمِ قبور انجمنے ساختہ اند"۔ پھر دوسری جنگِ عظیم کے بعد دوسرا فریب اقوام متحدہ کی تنظیم قائم کر کے دیا گیا، مگر آج کسی سے بھی یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ تنظیم چند بڑی طاقتوں کے ہاتھ میں ایک کھلونا ہے جسے وہ حق اور انصاف کے لیے نہیں بلکہ اپنی مصلحتوں کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ ظالم کا ہاتھ پکڑنا اور مظلوم کا حق دِلوانا تو درکنار، یہ تنظیم تو ظالم کو ظالم کہنے تک کے لیے تیار نہیں ہے۔ بلکہ اب تو کھلم کھلا مظلوم کو "حقیقت پسندی" کا درس دیا جا رہا ہے، جس کے معنی صاف صاف یہ ہیں کہ مظلوم اپنی کمزوری اور ظالم کی زور آوری کو ایک امرِ واقعہ کی حیثیت سے تسلیم کرے اور ظالم نے طاقت کے بل بوتے پر اس کا جو حق مار کھایا ہے اس پر صبر کرے۔

ان حالات میں یہ امید کرنا بالکل لاحاصل ہے کہ کشمیر میں ہندوستان نے اور شرقِ اوسط میں اسرائیل نے جو غاصبانہ دست درازیاں کی ہیں ان کا تدارک محض حق و انصاف کی بنیاد پر کوئی بینَ الاقوامی طاقت کرائے گی۔ یہاں اخلاق کا نہیں بلکہ جنگل کا قانون جاری ہے۔

ہمیں خدا پر بھروسہ کر کے اپنی طاقت ہی سے غاصبوں کی ان زیادتیوں کا تدارک کرنا ہوگا، اور ان کا تدارک

جب بھی ہوگا بزورِ شمشیر ہی ہوگا۔

بنام ایڈیٹر ہفت روزہ ایشیا، لاہور — خاکسار

۳۰ ؍اگست ۶۷ء — ابوالاعلیٰ

۱۵۲

محترمی و مکرمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

اسلام میں کوئی لباس مقرر نہیں ہے، بلکہ چند قواعد ہیں جن کی پابندی کرنی چاہیے، اور وہ یہ ہیں: (۱) لباس ساتر ہونا چاہیے یعنی مردوں اور عورتوں کے لیے سَتر کے جو حُدود مقرر ہیں ان کے لحاظ سے وہ پوری طرح ساتر ہو۔ (۲) مرد ریشم نہ پہنیں اور عورتیں ایسا چُست یا باریک لباس نہ پہنیں جس سے جسم اور اس کی ساخت نمایاں ہو۔ (۳) لباس میں تکبّر نہ ہو۔ اسی بنا پر ٹخنوں سے نیچے لٹکا ہوا لباس ممنوع ہے۔ (۴) لباس میں تشبّہ بالکفار نہ ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی کوئی ایسا لباس نہ پہنے جس سے یہ معلوم نہ ہو سکے کہ وہ مسلمان ہے، بلکہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ وہ ان کافروں میں سے ہے جن کے طرز کا لباس وہ پہنے ہوئے ہے۔ مسلمان جس ملک کا رہنے والا ہو اس کو وہ لباس پہننا چاہیے جو اس ملک کے مسلمانوں میں عام طور پر رائج ہو، جس میں کسی شخص کو ملبوس دیکھ کر لوگ پہچان لیتے ہوں کہ یہ مسلمان ہے۔

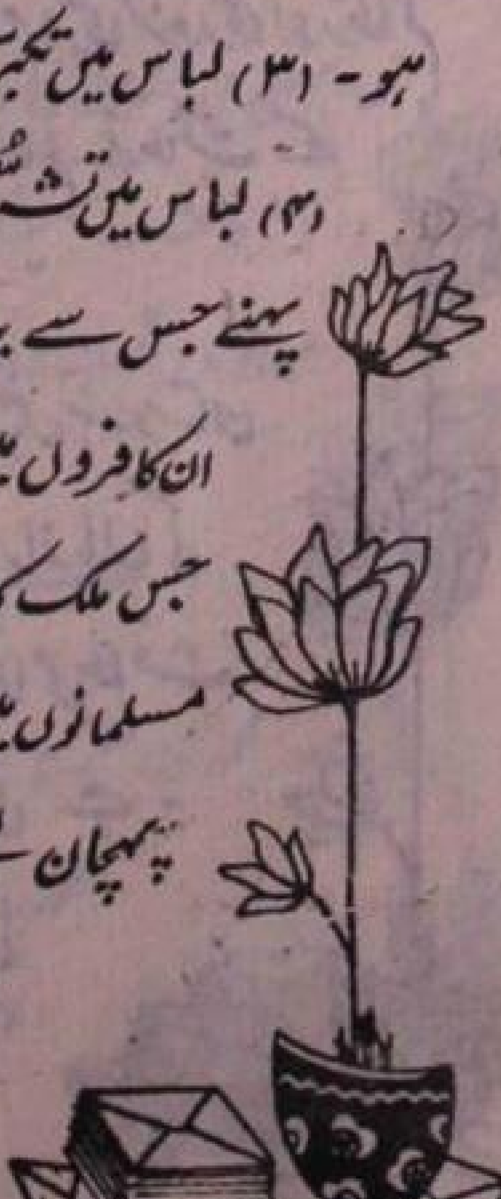

بنام محمد طٰہٰ یٰسین ندوی، استاد جامعہ ازہر (مصر) — خاکسار

مورخہ ۳۰ ؍اگست ۶۷ء — ابوالاعلیٰ

۱۵۳

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آپ کی دونوں کتابیں مجھے مل گئی ہیں۔ انشاء اللہ انھیں پڑھ کر ضروری مشورے عرض کروں گا۔ ان کی اشاعت اسی وقت ہو گی جب آپ ان پر نظرِ ثانی کر کے اور آخری صورت دے لیں گے۔ اس کے بعد اسلامک پبلیکیشنز والوں سے میں کہہ دوں گا کہ وہ آپ سے خود معاملہ طے کر لیں۔

انگریزی میں ایک مقالہ آپ ایسا تیار کریں جس میں اسلام کا نام لیے بغیر یہ بتایا جائے کہ سُود کے بغیر ایک بنکنگ سسٹم کیسے قائم کیا جا سکتا ہے اور وُہ موجودہ سُودی نظام کے مقابلہ میں کس طرح مفید تر ہو سکتا ہے۔ یہ مقالہ یورپ یا امریکہ کے کسی علمی رسالے میں شائع کرائیے اور اس میں یہ بھی لکھ دیجیے کہ اس طرح کے نظامِ بینک کاری کی ایک مفصّل اسکیم میں مرتب کر رہا ہوں تاکہ اہلِ علم اس تجویز کے ہر پہلو کو اچھی طرح جانچ سکیں۔ یہ کام آپ پہلے کر دیں۔ پھر پوری کتاب کو انگریزی میں منتقل کریں۔

شرکت و مُضاربت کے اصول ، اور غیر سودی بنک کاری ' دونوں الگ الگ کتابوں کی شکل میں ہونا بہتر ہے۔ دونوں میں حسبِ ضرورت ایک دوسرے کا حوالہ دے دیا جائے تاکہ ایک جگہ کے اجمال کی تفصیل دوسری جگہ مل سکے۔ لیکن ان کو ملا کر ایک جگہ شائع کرنے سے مباحث خلط ملط ہو جائیں گے۔

نظریۂ رَنج پر آپ کا مقالہ شائع ہو جانا بہت مفید ہوگا۔ خدا کرے کہ یونیورسٹی والے اس کی اِشاعت میں رکاوٹ نہ ڈالیں۔

بنام محمد نجات اللہ صدیقی، علی گڑھ (انڈیا) — خاکسار

مورخہ ۳۰ اگست ۶۷ء — ابوالاعلیٰ

۱۵۴

مخترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ آپ کے سوالات کے مختصر جوابات درج ذیل ہیں:

(۱) برکت سے مراد یہ ہے کہ شرقِ اوسط (مڈل ایسٹ) میں فلسطین و شام سے زیادہ برکت کسی زمین میں نہیں ہے۔ وہاں کوئی دریا نہیں ہے۔ بارش بھی بہت کم ہوتی ہے۔ مگر زمین اتنی زرخیز ہے کہ صرف ہوا کی نمی اور شبنم سے بہترین پیداوار حاصل ہوتی ہے۔

(۲) ملوکیت سے مراد حکومت و اقتدار ہے۔ یہ غلط طریقے سے استعمال ہو تو خدا کی لعنت ہے اور صحیح طریقے سے استعمال ہو تو اس کی بہت بڑی نعمت ہے۔

بنام سراج احمد صاحب، صادق آباد — خاکسار

مورخہ ۷ اگست ۱۹۶۸ء — ابوالاعلیٰ

۱۵۵

مخترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ جہاں تک کیپٹلزم اور سوشلزم کے مقابلے کا تعلق ہے: اس معاملہ میں ہم مسلسل کام کر رہے ہیں اور آگے مزید کام

کرنے کا پروگرام بنایا جا چکا ہے۔ رہا حکومت سے تعاون کرنے کا معاملہ تو ہم نے آج تک کسی ایسے کام میں جو نیک یا صحیح ہو، اس سے تعاون کرنے میں کمی نہیں کی ہے۔ مگر غلط کاموں میں تعاون ہمارے بس سے باہر ہے۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

بنام سید انور حسین صاحب، کراچی
مورخہ ۲۶ / جولائی ۱۹۶۸ء

۱۵۶

دسمبر ۱۹۶۷ء میں رومن کیتھولک چرچ کے پوپ کا ایک پیغام جو تمام دنیا کی دینی جماعتوں کے سربراہوں کے نام جاری کیا گیا تھا، مولانا محترم کو بھی وصول ہوا تھا۔ اس کا مولانا محترم نے جو جواب دیا تھا وہ ترجمان القرآن بابت فروری ۶۸ء میں شائع ہوا تھا! اسے بشکریہ ترجمان القرآن اس مجموعے میں شائع کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

ڈیر پوپ پال ششم[1]

چند روز پہلے مجھے ڈاکٹر آر اے بٹلر، ڈائرکٹر نوویولا ہال، لاہور کے توسط سے آپ کا وہ نہایت قابلِ قدر پیغام پہنچا جس میں آپ نے نئے سال کا آغاز ایک یوم ہو کی تقریب سے کرنے کی اپیل کیتھولک چرچ کے معتقدین کے علاوہ تمام دنیا کے بڑے بڑے ادیان کے پیروؤں اور تمام نیک خواہشات رکھنے والے لوگوں سے کی تھی۔ اس پیغام کے متعلق میں اپنے خیالات آپ تک جلدی پہنچانا چاہتا تھا، مگر رمضان اور عید الفطر کی مصروفیات اس میں مانع رہیں۔ اب پہلی فرصت میں میں آپ کو خطاب کر رہا ہوں۔

[1] خط انگریزی میں تھا اور ان الفاظ سے مکتوب الیہ کو خطاب کیا گیا تھا۔ (مرتب)

میں آپ کو اس بات پر مبارک باد دیتا ہوں کہ آپ نے ایک ایسے مقصد کی طرف دُنیا کے انسانوں کو دعوت دی ہے جو سب کا مشترک مقصد ہے، اور ساتھ ساتھ ان اہم اسباب کی نشاندہی بھی کی جو اس مقصد کے حصول میں سدِ راہ ہیں۔ فی الحقیقت امن اُن اولین بنیادی ضروریات میں سے ہے جن پر نوعِ انسانی کی فلاح و بہبود کا انحصار ہے۔ مگر اس کی خواہش اور اس کی ضرورت کا احساس رکھنے کے باوجود جن وجوہ سے انسان ہمیشہ اس سے محروم ہوتا رہا ہے اور آج بھی محروم ہے وہ وہی وجوہ ہیں جن میں سے اکثر کی طرف آپ نے صحیح طور پر دنیا کے لوگوں کو توجہ دلائی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب تک عملاً انھیں رفع کرنے کے لیے کچھ نہ کیا جائے گا محض پاکیزہ خواہشات اور تمناؤں کے اظہار سے کوئی امن دنیا کو میسر نہ آ سکے گا۔ اس بنا پر میرے نزدیک یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر ایک شخص، قوم، مجموعۂ اقوام اور پیروانِ مذہب کا گروہ پورے خلوص اور دیانت کے ساتھ خود اپنا محاسبہ کر کے دیکھے کہ اس کی اپنی کوتاہیاں کیا ہیں، جو اس کے ابنائے نوع کو، اور بالآخر خود اس کو امن سے محروم کرنے کی موجب ہوتی ہیں، اور جہاں تک بھی اس کے امکان میں ہو ان کو رفع کرنے کی کوشش کرے۔ اسی طرح ہم میں سے ہر ایک کو پوری صاف گوئی کے ساتھ، اصلاح کی نیت سے، نہ کہ تلخی پیدا کرنے اور بڑھانے کے لیے، دوسرے گروہوں کے نیک نیت لوگوں تک یہ بات پہنچانی چاہیے کہ ان کے طرزِ عمل میں کیا چیزیں ایسی ہیں جو اس کے گروہ کے لیے موجبِ اذیت ہوتی ہیں تاکہ وہ انھیں رفع کرنے کی کوشش کر سکیں۔

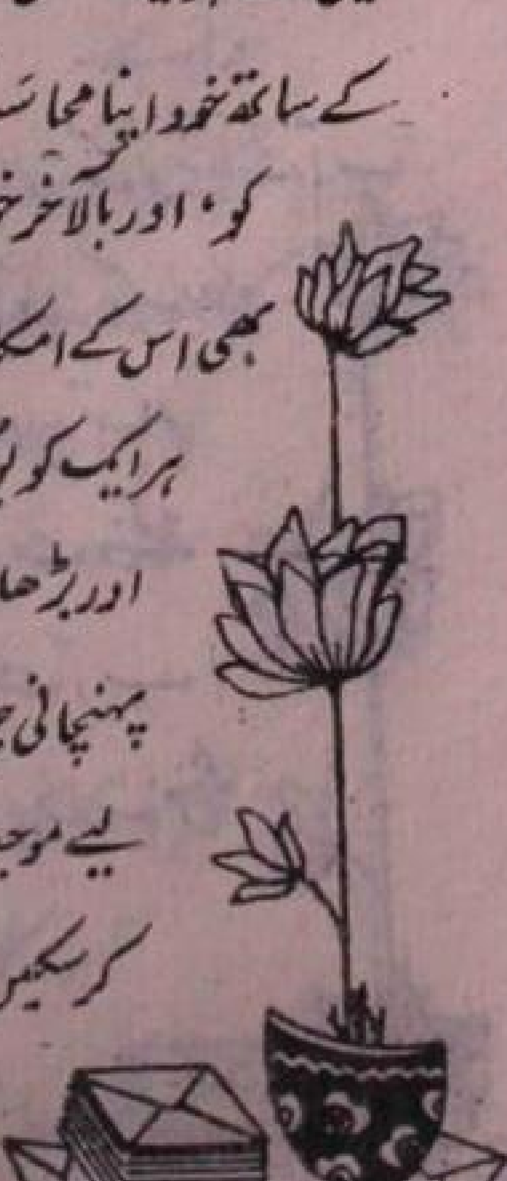

ٹھیک اسی غرض کے لیے میں آپ کو چند ایسے اُمور

کی طرف توجہ دلا رہا ہوں جو مسلمانوں کے لیے اپنے مسیحی بھائیوں سے وجہِ شکایت ہیں تاکہ کیتھولک چرچ کے پیشوائے اعظم ہونے کی حیثیت سے جو غیر معمولی اثر و رسوخ آپ کو مسیحی دنیا میں حاصل ہے اس سے کام لے کر آپ اُن کی اصلاح کے لیے سعی فرمائیں۔ اور میں اس بات کا خیر مقدم کروں گا کہ ہمارے مسیحی بھائیوں کے لیے ہمارے طرزِ عمل میں اگر کوئی چیز معقول وجہِ شکایت ہو تو وہ ہمیں بتائی جائے۔ ہم ان شاء اللہ ان کو رفع کرنے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے۔ دنیا میں امن اور صلح و آشتی کی فضا پیدا کرنے میں ہم سب اسی طرح مددگار بن سکتے ہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ انصاف کریں۔ دوسروں سے فیاضانہ سلوک کرنے کی فراخ حوصلگی اگر ہم میں موجود نہ بھی ہو تو کم از کم اتنا تو ہو کہ دوسروں کی حق تلفی کرنے یا ان کو اذیت دینے سے تو ہم باز رہیں۔

مسیحی بھائیوں کے طرزِ عمل میں جو اُمور کسی ایک ملک یا قوم کے نہیں، پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے وجہِ شکایت ہیں، انھیں میں کسی لاگ لپیٹ کے بغیر مختصراً آپ سے بیان کیے دیتا ہوں۔

۱: ایک مدت دراز سے مسیحی اہلِ علم اپنی تحریروں اور تقریروں میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن اور اسلام پر جو حملے کر رہے ہیں اور آج بھی جن کا سلسلہ جاری ہے، وہ مسلمانوں کے لیے انتہائی موجبِ اذیت ہیں۔ میں "حملے" کا لفظ قصداً استعمال کر رہا ہوں، تاکہ آپ کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ہماری شکایت معقول علمی تنقید کے خلاف ہے۔ علمی تنقید اگر دلیل کے ساتھ اور تہذیب و شائستگی کے حدود میں ہو تو

خواہ وہ کیسے ہی سخت اعتراضات پر مشتمل ہو، ہم اس پر بُرا نہیں مانتے بلکہ اس کا خیر مقدم کرتے ہیں اور دلیل کا جواب دلیل سے دینے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن ہمیں بجا طور پر شکایت اُن حملوں کے خلاف ہے جو جھوٹے اور رکیک الزامات کی صورت میں اور نہایت دل آزار زبان میں کیے جاتے رہے اور اب تک کیے جا رہے ہیں۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، وہ حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انتہائی ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہیں اور ان کے متعلق کوئی خلافِ ادب بات زبان سے نکالنا ہمارے عقیدے میں کفر ہے۔ آپ کوئی مثال ایسی نہیں پا سکتے کہ کسی مسلمان نے کبھی سیدنا مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کی شان میں کوئی بے ادبی کی ہو۔ اگرچہ ہم حضرت مسیح کی اُلوہیت کے قائل نہیں ہیں، مگر ان کی نُبوّت پر ہمارا ویسا ہی ایمان ہے جیسا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت پر ہے، اور کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُن پر اور دوسرے انبیاء پر بھی ایمان نہ لائے۔ اسی طرح ہم صرف قرآن ہی کو نہیں بلکہ توراۃ اور انجیل کو بھی خدا کی کتابیں تسلیم کرتے ہیں اور کوئی مسلمان اِن مقدس کتابوں کی توہین کا خیال بھی نہیں کر سکتا۔ ہماری طرف سے اگر کبھی کوئی بحث ہوئی ہے تو اِس حیثیت سے ہوئی ہے کہ بائیبل جس شکل میں اب پائی جاتی ہے یہ کہاں تک مستند ہے، اور یہ بحث خود مسیحی علماء بھی کرتے رہے ہیں۔ کسی مسلمان نے کبھی اس کا انکار نہیں کیا کہ حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور بائیبل کے دوسرے انبیاء پر اللہ کا کلام نازل ہوا تھا، اور مسلمان چاہے یہ بات نہ مانتے ہوں کہ اِس وقت پائی جانے والی پوری بائیبل اللہ کا کلام ہے، مگر یہ ضرور

مانتے ہیں کہ اس میں اللہ کا کلام موجود ہے۔ لہٰذا ہمارے مسیحی بھائیوں کو ہم سے یہ شکایت کرنے کا کبھی موقع نہیں ملا ہے کہ ہم اُن کے انبیاء کی، یا اُن کی کتبِ مقدسہ کی توہین کرتے ہیں۔ بخلاف اس کے ہمیں آئے دن ان سے یہ رنج پہنچتا رہتا ہے، اور صدیوں سے اس دل آزاری کا سلسلہ چل رہا ہے کہ ان کے مصنفین اور مقررین ہمارے نبیؐ اور ہماری کتابِ مقدس اور ہمارے دین پر سخت حملے کرتے ہیں۔ دنیا کی اسلامی اور مسیحی برادریوں کے درمیان تعلقات کی خرابی کا یہ ایک اہم سبب ہے۔ اس سے شدید باہمی منافرت پیدا ہوتی ہے، اور مزید براں اس ناروا پروپیگنڈے کا لازماً یہ نتیجہ بھی ہوتا ہے کہ مسیحی عوام کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت و تحقیر کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ آپ دنیا کے امن کی بہت بڑی خدمت انجام دیں گے اگر مسیحیت کے پیرووں کو اس طرزِ عمل میں کم از کم اتنی اصلاح کر لینے کی نصیحت کریں کہ یہ دل آزاری اور نفرت انگیزی کی حد تک نہ پہنچے۔

۲: مسیحی مشن اور مشنری ایک مدت دراز سے مسلم ممالک میں مسیحیت پھیلانے کے لیے جو طریقے استعمال کرتے رہے ہیں اور آج بھی کر رہے ہیں، وہ بھی دنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک بڑی وجہ شکایت ہیں۔ دوسرے ملکوں اور آبادیوں میں اُن کا جو طرزِ عمل بھی ہو، اس سے ہمیں کوئی بحث نہیں۔ مگر مسلمان ملکوں اور آبادیوں میں ہمارا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ انھوں نے محض "تبلیغ" پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ اس سے تجاوز کر کے دوسرے متعدد ایسے طریقے اختیار کیے ہیں جو تبلیغ کے بجائے سیاسی دباؤ، معاشی طمع و تحریص، اور اخلاقی و اعتقادی

تخریب کی تعریف میں آتے ہیں جنھیں مشکل ہی سے کوئی معقول آدمی اشاعتِ مذہب کے جائز ذرائع تسلیم کرسکتا ہے۔ افریقہ کے ایک بڑے حصہ میں انھوں نے استعماری طاقتوں کی مدد سے مسلمانوں کو تعلیم سے محروم کیا، اور درسگاہوں کے دروازے ہر اُس شخص پر بند کر دیئے جو مسیحیت قبول نہ کرے۔ یا کم از کم اپنا اسلامی نام ترک کرکے مسیحی نام نہ اختیار کرلے۔ اس طریقے سے جو بااثر مسیحی اقلیت پیدا کی گئی، آزادی کا دَور آنے کے بعد آج وہ بہت سی ایسی افریقی ریاستوں پر سیاسی، فوجی اور معاشی حیثیت سے غالب ہے جن کی بیشتر آبادی مسلمان ہے۔ یہ ایک صریح ناانصافی تھی جو مسلم اکثریت رکھنے والے افریقی ملکوں کے ساتھ کی گئی۔ سوڈان میں برطانوی استعمار کی مدد سے مشنریوں نے جنوبی حصے کو اپنے لیے "محفوظ علاقہ" بنوالیا جس میں تعلیم اور تبلیغ کا حق صرف مسیحی مشنریوں کے لیے مختص کردیا گیا اور مسلمانوں کے لیے تبلیغ تو درکنار، دوسری اغراض تک کے لیے وہاں جانے پر پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ اِس کو کسی دلیل سے بھی اشاعتِ مذہب کا جائز و معقول طریقہ ثابت کیا جاسکتا ہے۔ خود ہمارے ملک میں مشن ہسپتالوں اور درسگاہوں کا معروف طریق کار یہ ہے کہ وہ مسلمان مریضوں اور طلبہ سے بے تحاشا فیسیں وصول کرتے ہیں، اور جو غریب آدمی عیسائیت قبول کرے اسے علاج اور تعلیم کی سہولتیں مفت یا برائے نام خرچ پر بہم پہنچاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تبلیغ نہیں بلکہ ضمیر و ایمان کی خرید و فروخت ہے۔ علاوہ بریں ان کی درسگاہیں ہمارے ہاں ایک ایسی نسل تیار کر رہی

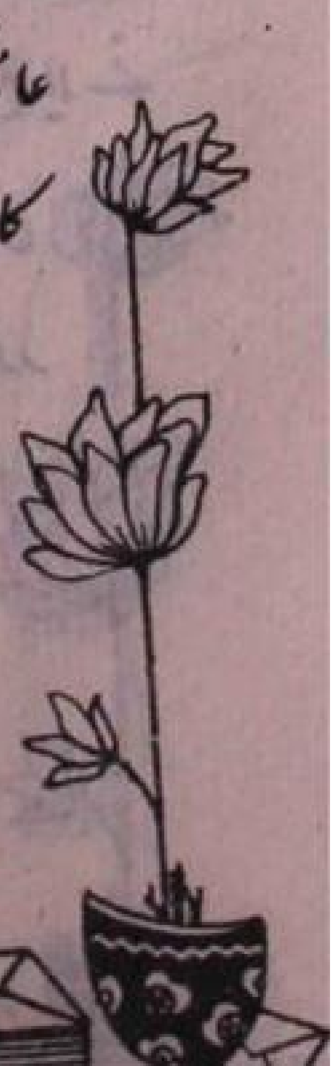

ہیں جو نہ مسیحیت اختیار کرتی ہے نہ مسلمان رہتی ہے۔ بلکہ اپنے اخلاق و تہذیب، زبان اور طرزِ زندگی کے اعتبار سے ایک اجنبی عنصر بن کر رہ جاتی ہے، اور مذہبی حیثیت سے اس کے اندر مسیحیت یا اسلام کے بجائے الحاد و بے دینی کے رجحانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ کیا کوئی معقول آدمی یہ مان سکتا ہے کہ یہ مذہب کی خدمت ہے جو مسیحی مشن انجام دے رہے ہیں؟ یہی وجوہ ہیں جن کی بنا پر مسلمان ملکوں میں عموماً ان مشنوں کو مذہبی تبلیغ کے بجائے اسلام اور مسلم معاشرے کے خلاف ایک سازش سمجھا جاتا ہے۔

میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس کے نتائج پر غور فرمائیں اور اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے مشنری اداروں کے طرزِ تبلیغ میں اصلاح کی کوشش کریں۔

۳: مسیحی دنیا کے متعلق مسلمانوں کا عام احساس یہ ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک شدید جذبۂ عناد رکھتی ہے، اور آئے دن ہمیں ایسے تجربات ہوتے رہتے ہیں جو اس احساس کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ اس کا تازہ ترین تجربہ وہ ہے جو ابھی حال میں عرب اسرائیل جنگ کے موقع پر ہوا۔ اس لڑائی میں اسرائیل کی فتح پر یورپ اور امریکہ کے بیشتر ملکوں میں جس طرح خوشیاں منائی گئیں انھوں نے تمام دنیا کے مسلمانوں کے دل میں زخم ڈال دیے ہیں

آپ شاید ہی کوئی مسلمان ایسا پائیں گے جس نے عربوں کی شکست اور اسرائیل کی فتح پر مسیحی دنیا کے اس علی الاعلان اظہارِ مسرت و شادمانی اور اسرائیل کی کھلی کھلی حمایت کو دیکھ کر یہ محسوس نہ کیا ہو کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مسیحیوں کے گہرے جذبۂ عناد کا مظاہرہ تھا۔ فلسطین میں اسرائیل کی ریاست جس طرح بنی ہے، بلکہ بنائی گئی ہے، اس کی تاریخ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

دو ہزار برس سے فلسطین عرب آبادی کا وطن تھا۔ موجودہ

صدی کے آغاز میں وہاں یہودی ۸ فیصدی سے زیادہ نہ تھے۔ اِس حالت میں برطانوی حکومت نے اس کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کا فیصلہ کیا اور مجلسِ اقوام نے نہ صرف اِس فیصلے کی توثیق کی بلکہ برطانوی حکومت کو فلسطین کا مینڈیٹ دیتے ہوئے یہ ہدایت کی کہ وہ یہودی ایجنسی کو باقاعدہ شریکِ حکومت بنا کر اس تجویز کو عملی جامہ پہنائے۔ اس کے بعد دنیا بھر کے یہودیوں کو لا لاکر ہر ممکن تدبیر سے فلسطین میں بسانے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا یہاں تک کہ ۳۰ سال کے اندر ان کی آبادی ۳۳ فیصدی تک پہنچ گئی۔ یہ ایک صریح ظلم تھا جس کے ذریعہ سے ایک قوم کے وطن میں زبردستی ایک دوسری اجنبی قوم کا وطن بنایا گیا۔ پھر ایک دوسرا اس سے بھی زیادہ ظالمانہ قدم اٹھایا گیا اور امریکہ نے کھلے بندوں دباؤ ڈال کر اقوامِ متحدہ سے یہ فیصلہ کرایا کہ یہودیوں کے اس مصنوعی قومی وطن کو یہودی ریاست میں تبدیل کر دیا جائے۔ اس فیصلے کی رُو سے ۳۳ فیصدی یہودی آبادی کو فلسطین کا ۵۵ فیصدی، اور عربوں کی ۶۷ فیصدی آبادی کو ۴۵ فیصدی رقبہ الاٹ کیا گیا تھا، لیکن یہودیوں نے ڈٹ کر طاقت کے بل پر اس ملک کا ۷۷ فیصدی رقبہ حاصل کر لیا اور مار دھاڑ اور قتل و غارت کے ذریعہ سے لاکھوں عربوں کو گھر سے بے گھر کر دیا۔ یہ ہے اسرائیل کی اصل حقیقت۔ کیا دنیا کا کوئی انصاف پسند اور ایماندار آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ ایک جائز ریاست ہے جو فطری اور منصفانہ طریق سے بنی ہے؟ اس کا تو عین وجود ہی ایک بدترین جارحیت ہے۔ اور اس پر مزید ظلم یہ ہے کہ یہودی صرف ان حدود کے اندر محدود رہنے پر بھی راضی نہیں ہیں جو انھوں نے فلسطین میں زبردستی حاصل کی ہیں، بلکہ وہ سالہا سال سے علانیہ کہہ رہے ہیں کہ نیل سے فرات

تک کا پورا علاقہ ان کا قومی وطن ہے۔ اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہ قوم ہر وقت یہ جارحانہ ارادہ رکھتی ہے کہ اس پورے علاقے پر جبراً قبضہ کرے اور اس کے اصل باشندوں کو زبردستی نکال کر دنیا بھر میں پھیلے ہوئے یہودیوں کو وہاں لا کر بسائے۔ اسی جارحانہ اسکیم کا ایک جز گزشتہ ماہ جون کا وہ اچانک حملہ تھا جس کے ذریعہ سے اسرائیل نے ۲۶ ہزار مربع میل علاقے پر قبضہ کیا۔ اس پورے ظلم کی ذمہ دار مسیحی دنیا ہے۔ اُس نے ایک قوم کے وطن میں ایک دوسری قوم کا وطن زبردستی بنوایا۔ اُس نے اس مصنوعی قومی وطن کو ایک ریاست میں تبدیل کرایا۔ اُس نے اِس جارح ریاست کو روپے اور ہتھیاروں سے مدد دے کر اتنا طاقتور بنایا کہ وہ زبردستی اپنے توسیعی منصوبوں کو عمل میں لا سکے۔ اور اب اس ریاست کی تازہ فتوحات پر یہی مسیحی دنیا جشنِ شادمانی منا رہی ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس کے بعد نہ صرف عربوں میں، بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں میں مسیحیوں کی انصاف پسندی، اُن کی خیر اندیشی، اور مذہبی عناد و تعصّب سے اُن کی بریّت پر کوئی اعتماد باقی رہ گیا ہے؟ اور کیا آپ کا خیال ہے کہ دنیا میں امن قائم کرنے کے یہی طریقے ہیں؟ یہ دراصل ہمارا نہیں بلکہ آپ کا کام ہے کہ مسیحی بھائیوں کو اس رَوِش پر شرم دلائیں اور ان کی روح کو اِس گندگی سے پاک کرنے کی کوشش کریں۔

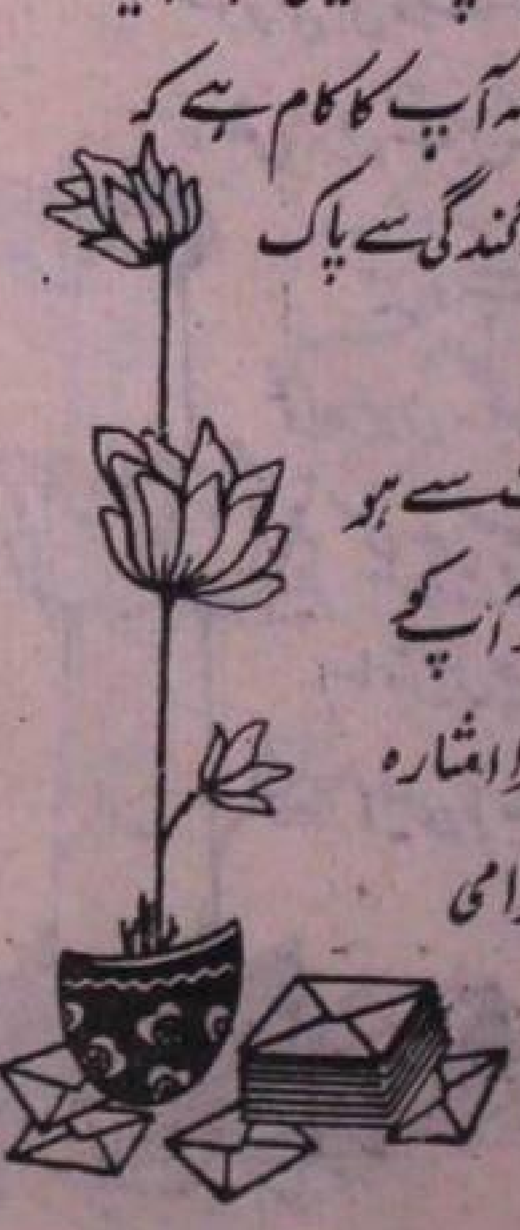

۴ : اس سلسلے میں ایک زیادتی ایسی بھی ہے جو خود آپ کی طرف سے ہو رہی ہے، اگرچہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ نیک نیّتی کے ساتھ ہے اور آپ کو غالباً یہ احساس نہیں ہے کہ درحقیقت وہ ایک زیادتی ہے۔ میرا اشارہ آپ کی اِس تجویز کی طرف ہے کہ قدیم بیت المقدس کو بین الاقوامی کنٹرول میں دے دیا جائے۔ آپ یہ تجویز شاید اس خیال سے

پیش کر رہے ہیں کہ اس طرح یہ مقدّس شہر لڑائی جھگڑے سے محفوظ رہے گا۔ لیکن درحقیقت اس کا نتیجہ ایک اور ظلم کی شکل میں رونما ہوگا۔ ظاہر ہے کہ بین الاقوامی کنٹرول اُسی بین الاقوامی ادارے کے ہاتھ میں ہوگا جس نے اسرائیل کی یہ مصنوعی ریاست بنائی ہے اور جو آج تک اسرائیل کی کسی جارحیت کو نہ روک سکا ہے، نہ اس کے ہو جانے کے بعد اس کا تدارک کر سکا ہے۔ اس ادارے کے کنٹرول میں جب یہ شہر آجائے گا۔ تو وہ یہودیوں کے لیے بیت المقدس میں آباد ہونے کے دروازے اسی طرح چوپٹ کھول دے گا جس طرح مجلسِ اقوام کے اِنتداب کے تحت برطانوی حکومت نے یہودی مہاجرین کے لیے فلسطین کے دروازے کھولے تھے، اور پھر یہودیوں کو بیت المقدس کی زمینیں اور عمارتیں خریدنے کی وہی سب سہولتیں بھی فراہم کر دی جائیں گی جو برطانوی اِنتداب اس سے پہلے فلسطین میں ان کو فراہم کر چکا ہے۔ اس طرح تھوڑی ہی مدّت کے اندر یہ شہر عملاً یہودی شہر بن جائے گا۔ اور وہ یہودی اس پر قابض ہوں گے جن کے دلوں میں نہ مسیحی مقدسات کا کوئی احترام ہے نہ اسلامی مقدسات کا۔

میں آپ کے پیغام کے جواب میں اس طویل مراسلے اور اس صاف گوئی پر معذرت خواہ ہوں۔ مگر میں آپ کو یہ بتانا اپنا فرض سمجھتا تھا کہ قیام امن کی اصل رکاوٹیں کیا ہیں جنہیں دُور کرنے کے لیے عملاً کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ میں پھر اس بات کا اِعادہ کرتا ہوں کہ اگر اسلامی دُنیا کی طرف سے کوئی ایسی بات ہو جسے امن عالم کی راہ میں رکاوٹ سمجھا جائے تو وہ مجھے بتائی جائے۔ مجھ کو جو تھوڑا بہت اثر دنیائے اسلام میں حاصل ہے اسے میں خود بھی اس رکاوٹ کے دُور کرنے

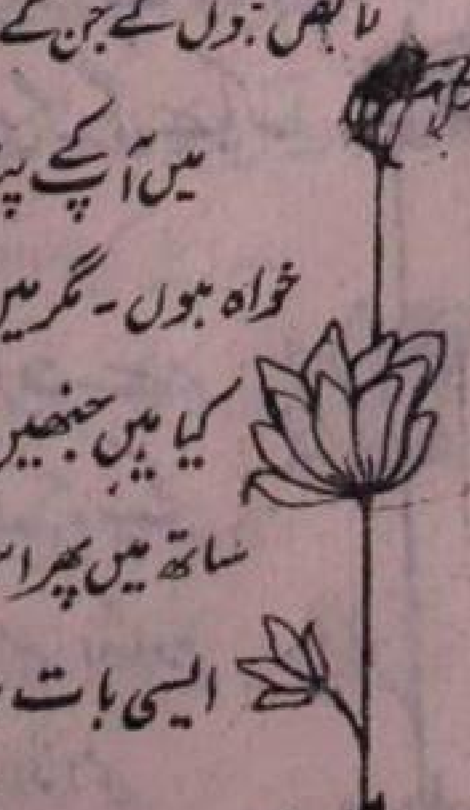

میں استعمال کروں گا اور دوسرے زعمائے اسلام کو بھی اس کی طرف توجہ دلاؤں گا۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۵۷

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عید الفطر کی تقریبِ سعید پر آپ کا تہنیت نامہ ملا جس کے لیے شکر گزار ہوں۔ جواب میں میری طرف سے بھی مبارکباد قبول فرمائیں۔ افسوس ہے کہ اس عید کے موقع پر مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس اور الخلیل کے لیے ہمارے دل سوگوار ہیں، اور ہماری عید درحقیقت اُس وقت تک خوشی کی عید نہیں ہو سکتی جب تک ہم اپنے یہ مقدس مقامات واپس نہ لے لیں۔

بنام دی فیڈریشن آف دی سٹوڈنٹس
اسلامک سوسائٹیز، لندن

خاکسار
ابوالاعلیٰ

مورخہ ۴، جنوری ۶۸ء

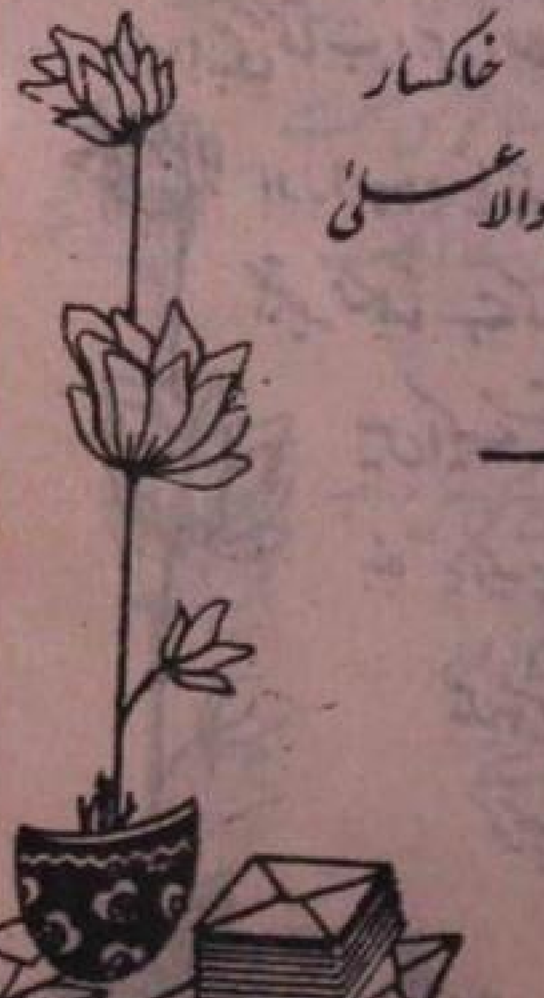

۱۵۸

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مَیں نے آپ کے دعوت نامے کے جواب میں یہ وعدہ کر لیا تھا کہ میں انشاءاللہ نزولِ قرآن کے چہار صد سالہ جشن

میں ضرور شرکت کروں گا اور اس موقع پر پیش کرنے کے لیے آپ کے دیے ہوئے موضوع پر ایک مقالہ بھی تیار کروں گا۔ لیکن افسوس ہے کہ مجھے پچھلے چند ماہ سے وجع المفاصل کی جو تکلیف تھی وہ گزشتہ ماہِ رمضان میں شدت اختیار کر گئی اور اب وہ بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے جس کی وجہ سے میرے لیے سفر کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے اور دماغی محنت بھی کم ہی برداشت کر سکتا ہوں۔ اسی بنا پر میں اپنا مقالہ تیار نہ کر سکا، اور مجبوراً آپ کے اجتماعات میں شرکت سے بھی معذرت پیش کر رہا ہوں۔

میں[1] آپ کا بہت شکر گزار ہوں گا اگر آپ حاضرینِ مجلس تک میرا سلام اور یہ پیغام پہنچا دیں کہ جس مبارک مقصد کے لیے آپ جمع ہوئے ہیں، اس میں میں قلب و روح کے ساتھ آپ کا شریک ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے کلام پاک کے صحیح فہم، اور اس نازک دور میں اس کی صحیح تبلیغ اور زندگی کے اہم مسائل پر اس کی تعلیمات کو صحیح طریقے سے منطبق کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے آخری نبیؐ پر اپنی کتاب اس اعلان کے ساتھ نازل کی ہے کہ اس میں دین کی تکمیل کر دی گئی ہے۔ اور اب دنیا میں نہ کوئی نبی آنے والا ہے نہ کوئی کتاب۔ اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن پوری نوعِ انسانی کے لیے تمام دنیا میں اور تمام زمانوں میں ایک مستقل ہدایت ہے۔ کیونکہ اگر کسی زمانے یا کسی خطۂ زمین یا

---

[1] یہ ایک پیغام ہے جو نزولِ قرآن کی چہاردہ صد سالہ تقریب کے موقع پر اسلامی کانفرنس میں پیش کرنے کے لیے ادارہ تحقیقاتِ اسلامیہ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب کو بھیجا گیا تھا۔ مولانا محترم اپنی خرابیِ صحت کے باعث اس مجلس میں شریک نہ ہو سکے۔ یہ پیغام مارچ ۱۹۶۸ء کے ترجمان القرآن میں شائع ہو چکا ہے۔ (مرتب)

انسانی معاشرے کی کسی حالت کے لیے بھی اس کی ہدایت ناکافی یا محتاجِ تکمیل ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان غلط ہے، حالانکہ اللہ اس سے پاک اور برتر ہے کہ اس کی کوئی بات غلط ہو۔ لہٰذا مسلمان ہونے کی حیثیت سے مسائلِ حیات کی ہر بحث میں ہمارا اوّلین نقطۂ آغاز یہ ہونا چاہیے کہ ہمارے لیے اصل سرچشمۂ ہدایت یہ کتاب ہے اور رہنمائی حاصل کرنے کے لیے اسی کی طرف ہم رجوع کریں گے۔

یہ "نقطۂ آغاز" کا سوال ہی اس وقت پوری دنیا میں مسلمانوں کے اہلِ فکر و نظر اور رہنما طبقوں کے لیے بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اگرچہ ہمارا اصل کام دنیا کو خدائی ہدایت کی طرف دعوت دینا ہے، لیکن بدقسمتی سے جدید مادی تہذیب کے ہمہ گیر غلبہ نے خود ہمارے اپنے اندر یہ سوال پیدا کر دیا ہے کہ ہم جملہ مسائلِ حیات میں قرآن کو اصل سرچشمۂ ہدایت مانتے بھی ہیں یا نہیں، اور مانتے ہیں تو خلوص اور سنجیدگی کے ساتھ مانتے ہیں یا نہیں۔ اس لیے ہم بحیثیت ایک مسلم ملت کے اپنے عالمگیر منصب کا حق ادا نہیں کر سکتے جب تک خود اپنے اندر اس سوال کو طے نہ کر لیں، اور ہم بڑے خوش قسمت ہوں گے اگر نزولِ قرآن کی پندرھویں صدی کا آغاز اسی سوال کے ایک قطعی اور واضح جواب سے کریں۔

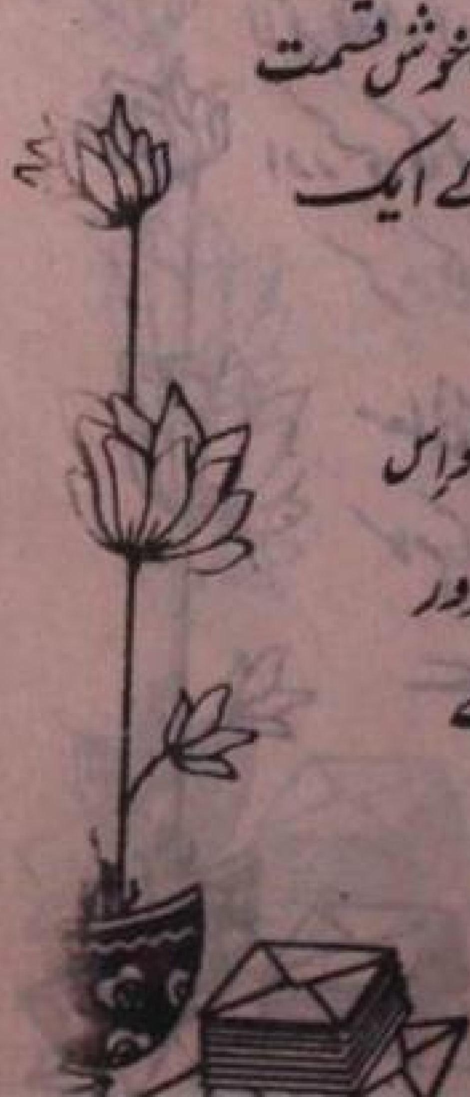

ہمارے رہنما اور کارفرما طبقوں میں کچھ عناصر ہیں جو قرآن کو اس دور میں سرچشمۂ ہدایت نہیں مانتے، یا کم از کم اس میں شک ضرور رکھتے ہیں۔ وہ ایسے اطمینان بخش دلائل کے محتاج ہیں جن سے ان کو یہ یقین حاصل ہو جائے کہ انسان رہنمائی کے لیے خدا کی ہدایت کا محتاج ہے اور یہ قرآن واقعی خدا ہی

کی طرف سے ایک محفوظ، کامل اور ابدی ہدایت ہے۔

کچھ دوسرے عناصر ہیں جو دین و دنیا کی تقسیم کا نظریہ اختیار کرچکے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے مخصوص تصوّرات کے مطابق جس چیز کو "دین" سمجھ بیٹھا ہے صرف اسی کے دائرے تک قرآن کی ہدایت کو محدود رکھنا چاہتا ہے۔ اس طرح کے لوگوں کی غلط فہمیاں رفع نہیں ہوسکتیں جب تک کہ دین و دُنیا کی اس بے معنی تقسیم پر فیصلہ کن ضرب نہ لگائی جائے اور مضبوط دلائل کے ساتھ یہ نہ ثابت کردیا جائے کہ انسان اپنی پوری زندگی کے معاملات میں خدا کی ہدایت کا محتاج ہے اور قرآن زندگی کے ہر پہلو میں بالکل ٹھیک ہدایت دیتا ہے۔

کچھ اور عناصر ہیں جو قرآن کی ہدایت کو جامع اور ہمہ گیر مانتے ہیں، مگر جب اس سے اِستفادے کا سوال سامنے آتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ کسی کے لیے رہنمائی کا اصل ماخذ و منبع قرآن سے باہر کسی اور جگہ ہے جہاں سے نظریات و تصوّرات لاکر وہ قرآن سے ان کی تصدیق و توثیق کرانے کے لیے زور لگا رہا ہے۔ اور کسی کی کوشش یہ ہے کہ قرآن کا تعلق نہ صرف سنّتِ رسول سے کاٹ کر، بلکہ پچھلی چودہ صدیوں میں امّت کے علماء و فقہاء اور مفسّرین نے معانیِ قرآن کی تشریح اور تعلیمات قرآن سے اخذ و استنباط کا جو کچھ کام کیا ہے اس سب سے بے نیاز ہوکر اس کا اپنا ذہن الفاظِ قرآن سے جو مفہوم اخذ کرتا ہے صرف اس سے ہدایت حاصل کرے۔ یہ دونوں مسلک ایسے ہیں جنھیں کوئی معقول آدمی قرآن کی ہدایت سے استفادے کی صحیح صورت نہیں مان سکتا،

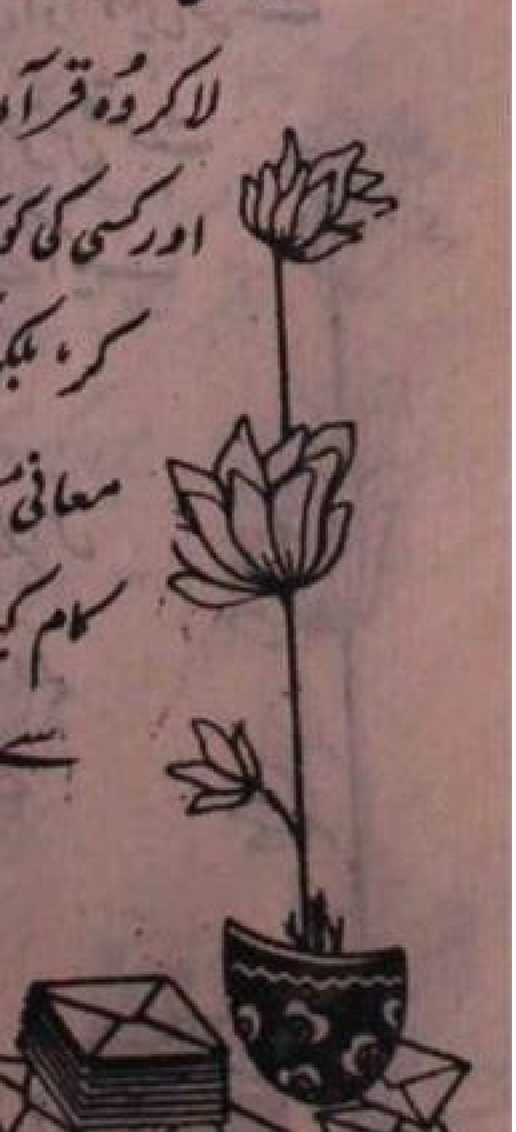

اور ان کی بنیاد پر امّت مسلمہ کا کوئی ایک نظامِ فکر و عمل بھی نہیں بن سکتا، کیونکہ نہ امّت کا مجموعی ذہن کبھی اس تعبیر و تفسیر کو قبول کر سکتا ہے اور نہ خود اِن لوگوں کے درمیان تعبیرات میں اتفاق ممکن ہے۔ اس لیے ان مسلکوں کے فروغ پانے کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ مسلمانوں میں مزید تفرقے فروغ پائیں، ان کے ذہنوں میں اپنے دین کے متعلق نئی نئی الجھنیں پیدا ہوں، اور دنیا کو ہدایتِ الٰہی کی طرف دعوت دینے کے بجائے وُہ خود اپنی جگہ ہی اس پریشانی میں مبتلا رہیں کہ وہ ہدایت فی الواقع ہے کیا۔ لیکن اس کا علاج بھی طعن و تشنیع نہیں ہے، بلکہ دراصل یہ عناصر اِس کے محتاج ہیں کہ معقول اور اطمینان بخش دلائل سے ان کو قرآن کی ہدایت سے استفادے کا صحیح طریقہ بتایا جائے اور جن طریقوں کو وہ اختیار کر رہے ہیں ان کی غلطی واضح کی جائے۔

لغزشِ قدم کے اِن مواقع سے جو لوگ بچ گئے ہیں اُن کے معاملہ میں بھی یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ فی الحقیقت قرآن کو اصل سرچشمۂ ہدایت ماننے میں وہ کس حد تک سنجیدہ ہیں۔ اس معاملہ میں سنجیدگی کے معنی صرف اتنے ہی نہیں ہیں کہ ہم خلوصِ دل کے ساتھ قرآن کے متعلق یہ عقیدہ رکھیں، اور اس کے معنی یہ بھی نہیں ہیں کہ ہم اس عقیدے کے اعلان و اظہار پر اکتفا کریں، بلکہ ہمارے سنجیدہ ہونے کا اصل تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں عملاً اِس چشمۂ ہدایت کی طرف رجوع کریں، اور جو رہنمائی اس سے ملتی ہے اس کے مطابق اپنے اخلاق و معاملات اور طرزِ زندگی کو، اپنے تمدُّن

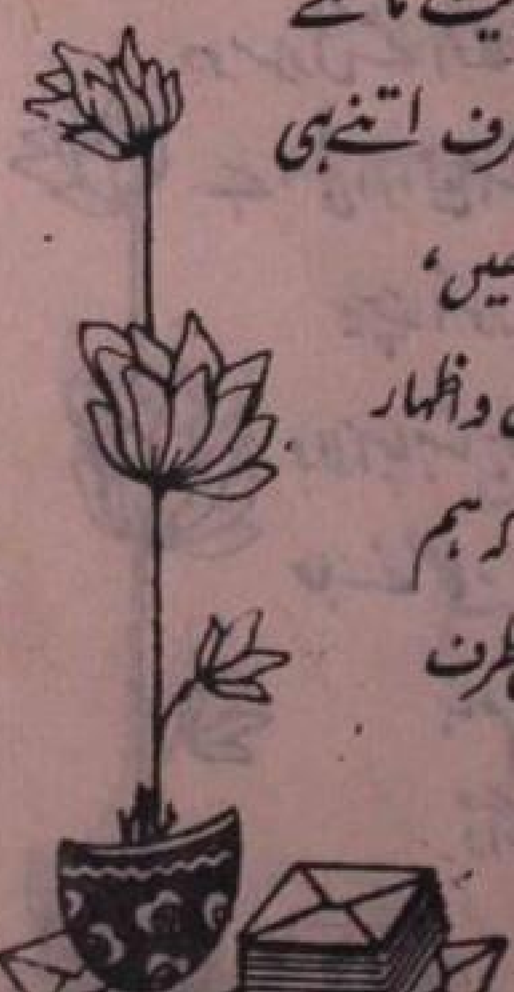

اس کے قوانین کو اپنے نظامِ تعلیم اور نظامِ معیشت اور نظامِ سیاست کو بالفعل ڈھالنے لیے تیار ہو جائیں۔ میرا احساس اور مشاہدہ یہ ہے کہ ہمارے رہنما اور کارفرما طبقوں جہاں صحیح اعتقاد موجود ہے وہاں بھی اس معیار کی سنجیدگی مفقود ہے۔ یا اگر مفقود نہیں تو کم از کم معیارِ مطلوب سے بہت فروتر ہے۔ ہمیں اس سنجیدگی کو پیدا کرنے کی کوشش سب سے پہلے کرنی چاہیئے، کیونکہ جب تک یہ پیدا نہ ہو، مسائلِ زندگی پر قرآنی تعلیمات کے انطباق کی علمی بحثیں کاغذ کی زینت ہی بنی رہیں گی، عمل کی دنیا میں ان کا کچھ بھی حاصل نہ ہو گا۔ دنیا صرف ان کاغذی بحثوں سے اسلام کے برحق ہونے کی قائل نہیں ہو سکتی۔ اُسے قائل کرنے کے لیے ناگزیر ہے کہ ہماری قومی زندگی میں اسلام اُس کو جلوہ گر نظر آئے۔ اِس کے بغیر ہم اسلام کی جتنی بھی تبلیغ کریں گے اس کے آگے دنیا کو ایک بہت بڑی علامتِ استفہام لگی نظر آئے گی جس میں یہ سوال پوشیدہ ہو گا کہ کیا یہ امت، جو اپنی مسجدوں کے باہر زندگی کے ہر شعبے میں دوسروں کے افکار و نظریات، تہذیب، قوانین اور اصولوں کی تقلید کر رہی ہے، فی الواقع اسلام کو خود بھی برحق سمجھتی ہے؟

یہ چند اُمور ہیں جن کی طرف میں اہلِ علم کے اس گرانقدر اجتماع کو توجہ دلانا چاہتا ہوں اور توقع رکھتا ہوں کہ ان کو التفات کا مستحق سمجھا جائے گا۔

بنام ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب،
ڈائرکٹر ادارہ تحقیقاتِ اسلامیہ، راولپنڈی،
مورخہ ۸ فروری ۱۹۶۸ء

خاکسار
ابوالاعلیٰ

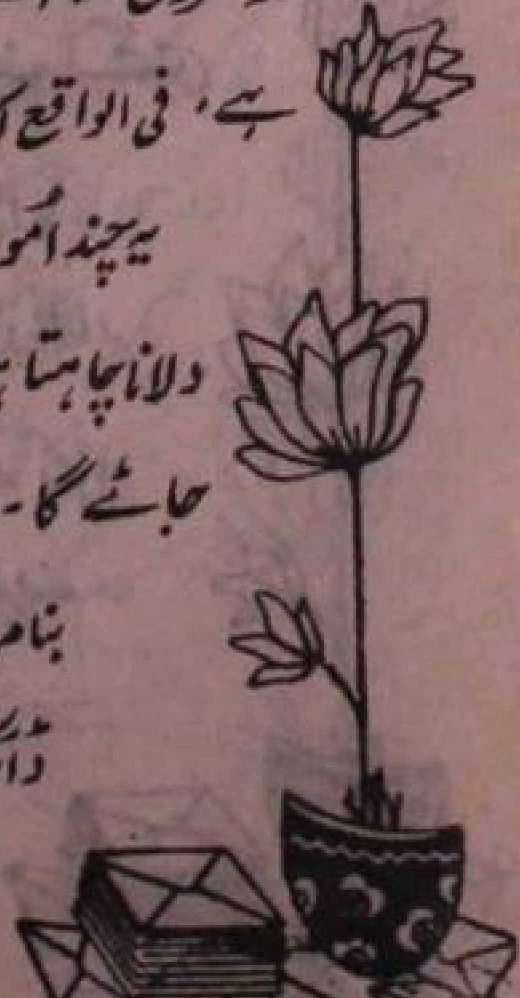

۱۵۹

محترمی و مکرمی ،   السلام علیکم ورحمتہ اللہ

میں صرف غالبؔ کے کلام ہی کا مدّاح نہیں ہوں بلکہ اُن سے میرا ایک ذاتی تعلق بھی ہے ۔ میرے نانا مرزا قربان علی بیگ سالکؔ مرحوم اُن کے خاص شاگردوں میں سے تھے اور ان کا مکان بھی دہلی میں میری ننھیال کے مکان سے متّصل واقع تھا ۔ اس طرح میں نے آنکھیں ہی ایک ایسے خاندان میں کھولی ہیں جو ان کے کلام ہی سے نہیں ، ان کی ذات سے بھی بہت قریبی تعلقات رکھتا تھا ۔ مجھے بچپن سے ان کے کلام کے ساتھ عشق رہا ہے اور میں ان کو ہند و پاکستان ہی کے نہیں دنیا کے شعرا کی صفِ اوّل کا شاعر سمجھتا ہوں ۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہمارے اندر ایسا بے نظیر سخن ور پیدا ہوا ، اور یہ اُس کی بد قسمتی تھی کہ وہ ایک پس ماندہ قوم کے بھی انتہائی اِنحطاط کے زمانے میں پیدا ہوا ، جس کی وجہ سے دنیا نے شعر و ادب کی تاریخ میں آج تک اس کو وہ مقام بھی نہ دیا جو اس سے بہت فروتر درجے کے شعرا کو صرف اس لیے مل گیا کہ وہ ایک جاندار قوم میں پیدا ہوئے تھے ۔

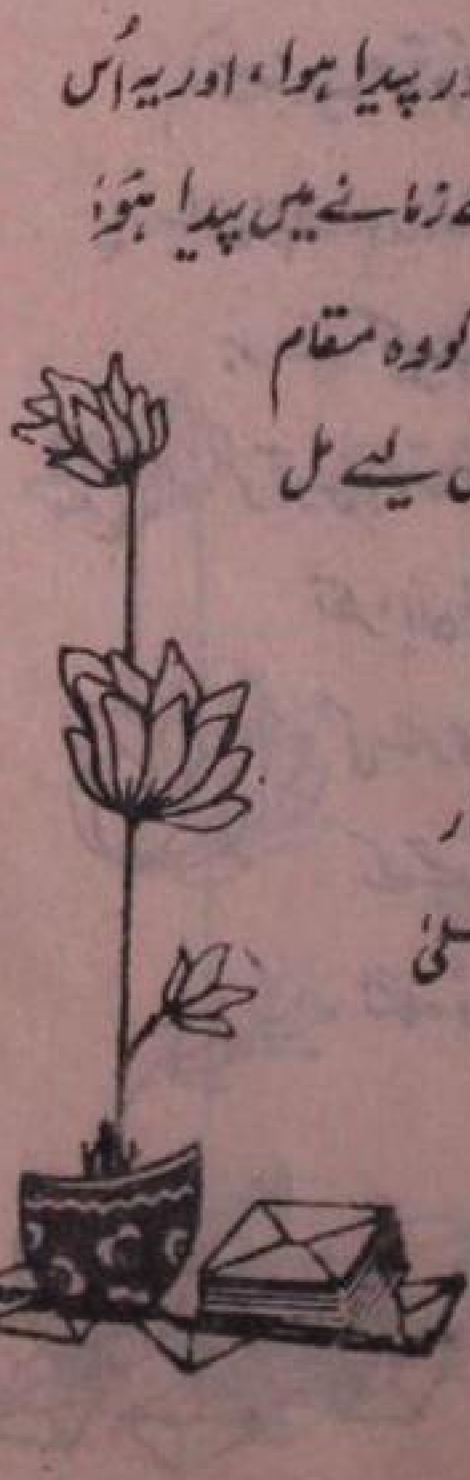

بنام ڈاکٹر آفتاب احمد صاحب ،

معتمد مجلس یادگار غالب ، پنجاب یونیورسٹی لاہور

مورخہ ۱۸ ، فروری ۶۸ء

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۶۰

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ شاہ ولی اللہ صاحب کے علوم و تعلیمات کی اشاعت کے لیے ایک اِدارے کی تشکیل کر رہے ہیں۔ میں اس کا خیر مقدم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اس کام کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ میں ۲۱؍ فروری (۱۹۶۸ء) کو ڈھاکہ جا رہا ہوں اور آج کل مجھے سخت مصروفیت ہے اس لیے شاہ صاحب کے بارے میں کوئی مفصّل مضمون لکھنا تو میرے لیے مشکل ہے البتہ مختصر پیغام آپ کے اِصرار پر ارسالِ خدمت کر رہا ہوں۔

حضرت مجددِ الفِ ثانیؒ کی وفات کے بعد اور عالمگیر بادشاہ کی وفات سے چار سال پہلے ۱۱۱۴ھ مطابق ۱۷۰۳ء کو نواحِ دہلی میں شاہ ولی اللہ صاحب پیدا ہوئے۔ ایک طرف ان کے زمانے اور ماحول کو اور دوسری طرف اُن کے کام کو آدمی بالمقابل رکھ کر دیکھتا ہے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ اُس دَور میں اِس نظر، اِن خیالات، اور اِس ذِہانت کا آدمی کیسے پیدا ہو گیا جو زمانہ اور ماحول کی ساری بندشوں سے آزاد ہو کر سوچتا ہے، تقلیدی علم اور صدیوں کے جمے ہوئے تعصّبات کے بند توڑ کر ہر مسئلہ زندگی پر محققانہ و مجتہدانہ نگاہ ڈالتا ہے، اور ایسا لٹریچر چھوڑ جاتا ہے جس کی زبان، اندازِ بیان، خیالات، نظریات، مواد اور نتائجِ مستخرجہ، کسی چیز پر بھی ماحول کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا حتیٰ کہ اس کے اوراق

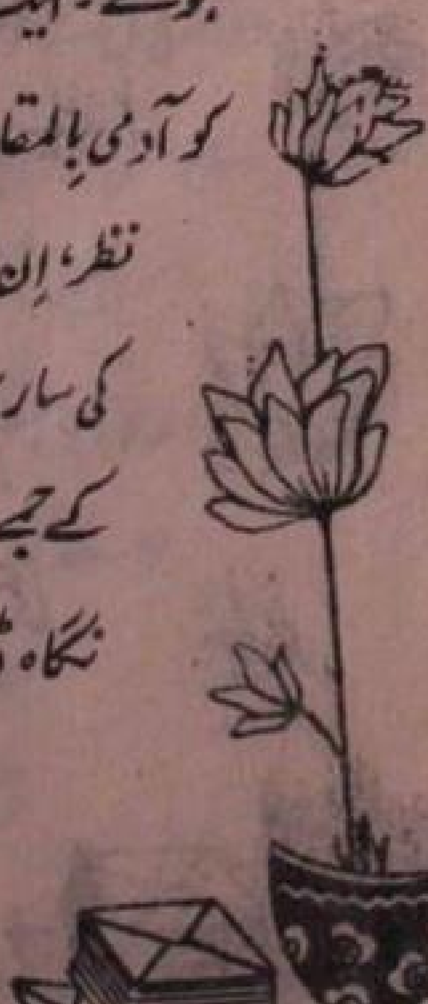

کی سیر کرتے ہوئے یہ گمان تک نہیں ہوتا کہ یہ چیزیں اس جگہ لکھی گئی تھیں جس کے گرد و پیش عیاشی، نفس پرستی، قتل و غارت، جبر و ظلم اور بدامنی و طوائف الملوکی کا طوفان برپا تھا۔

شاہ صاحب تاریخ انسانی کے ان لیڈروں میں سے ہیں جو خیالات کے الجھے ہوئے جنگل کو صاف کر کے فکر و نظر کی ایک صاف، سیدھی شاہراہ بناتے ہیں، اور ذہن کی دنیا میں حاضر و موجود کے خلاف ایسی بے چینی اور تعمیرِ نو کا ایسا دلآویز نقشہ پیدا کرتے ہیں جس کی وجہ سے ناگزیر طور پر تخریبِ فاسد اور تعمیرِ صالح کے لیے ایک تحریک اٹھتی ہے۔ شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ اس قسم کے لیڈر اپنے خیالات کے مطابق خود کوئی تحریک اٹھاتے ہوں اور بگڑی ہوئی دنیا کو توڑ پھوڑ کر اپنے ہاتھوں سے نئی دنیا بنانے کے لیے میدان میں نکل آتے ہوں۔ تاریخ میں اس کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ اس قسم کے لیڈروں کا اصلی کارنامہ یہی ہوتا ہے کہ وہ تنقید سے صدہا برس کی جمی ہوئی غلط فہمیوں کا غبار چھانٹ دیتے ہیں، اذہان میں نئی روشنی پیدا کر دیتے ہیں، زندگی کے بگڑے ہوئے مگر پختہ بنے ہوئے سانچے کو عالمِ ذہنی میں توڑتے ہیں اور اس کے ملبے میں سے اصلی اور پائیدار حقیقتوں کو نکال کر دنیا کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔

شاہ صاحب کے تجدیدی کارنامے کو ہم دو بڑے عنوانات میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک عنوان تنقید و تنقیح کا، اور دوسرا عنوان تعمیر کا۔ پہلے عنوان کے سلسلے میں شاہ صاحب نے پوری تاریخِ اسلام پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ جہاں تک مجھے

علم ہے شاہ صاحب پہلے شخص ہیں جن کی نظر تاریخِ اسلام اور تاریخِ مسلمین کے اصولی فرق اور باریک فرق تک پہنچی ہے اور جنھوں نے تاریخِ مسلمین پر تاریخِ اسلام کے نقطۂ نظر سے نقد و تبصرہ کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان بہت سی صدیوں میں اسلام قبول کرنے والی اقوام کے درمیان فی الواقع اسلام کا کیا حال رہا ہے۔ شاہ صاحب کے بعد کوئی ایسا صاحب نظر نہ اٹھا جس کے ذہن میں حقیقی تاریخ اسلام کا، تاریخ مسلمین سے الگ، کوئی واضح تصور ہوتا۔ شاہ صاحب کے کلام میں مختلف مقامات پر اس کے متعلق اشارات موجود ہیں۔ مگر خصوصیت کے ساتھ اِزالۃ الخفا کی فصل ششم میں انھوں نے تاریخِ مسلمین پر تبصرہ کیا ہے، اور کمال یہ کیا ہے کہ ایک ایک دور کی خصوصیت اور ایک ایک زمانے کے فتنوں کو بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن پیشگوئیوں کو بھی نقل کرتے چلے گئے ہیں جن میں ان حالات کی طرف صریح اشارات پائے جاتے ہیں۔ اس تبصرے میں قریب قریب اُن تمام جاہلی آمیزشوں کی نشاندہی ہو گئی ہے جو مسلمانوں کے عقائد، افکار، علوم، اخلاق، تمدن اور سیاست میں ہوتی رہیں۔

تعمیر کے سلسلے میں ان کا پہلا اہم کام یہ ہے کہ وہ فقہ میں ایک نہایت معتدل مسلک پیش کرتے ہیں جس میں کسی ایک مذہب کی جانب داری اور دوسرے مذہب پر نکتہ چینی نہیں پائی جاتی۔ ایک محقق کی طرح انھوں نے تمام مذاہبِ فقہیہ کے اصول اور طریقِ استنباط کا مطالعہ کیا ہے اور بالکل آزادانہ رائے قائم کی ہے۔ جس مذہب کی کسی مسئلے میں تائید کی، اس بناپر

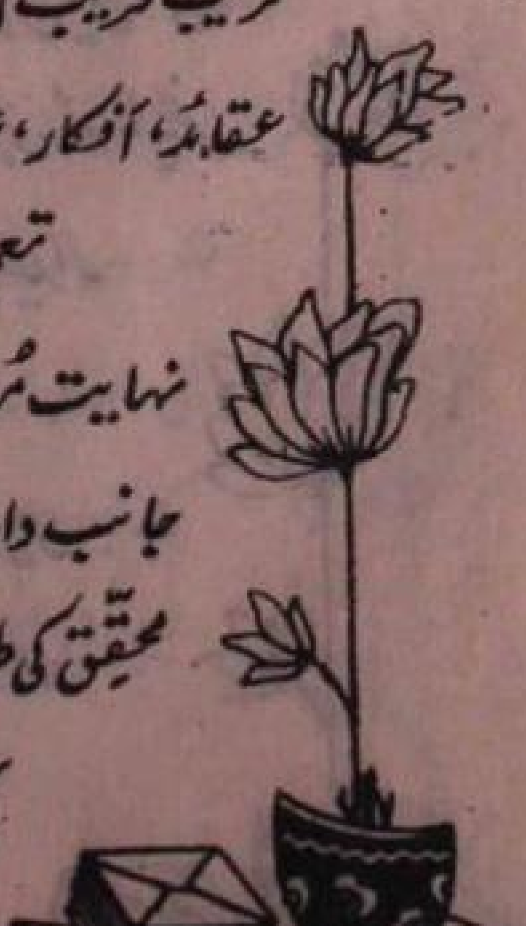

کی کہ دلیل اس کے حق میں پائی، نہ اس بنا پر کہ وہ اس مذہب کی وکالت کا عہد کر چکے ہیں۔ اور جس سے اختلاف کیا، اس بنا پر کیا کہ دلیل اس کے خلاف پائی، نہ اس بنا پر کہ انہیں اس سے عناد ہے۔ اسی وجہ سے کہیں وہ حنفی نظر آتے ہیں، کہیں شافعی، کہیں مالکی اور کہیں ۔انھوں نے ان لوگوں سے بھی اختلاف کیا جو ایک مذہب کی پیروی کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال کر عہد لیتے ہیں کہ تمام مسائل میں اسی کا اِتباع کریں گے۔ اور اسی طرح وہ ان لوگوں سے بھی سخت اختلاف کرتے ہیں جنھوں نے ائمہ مذاہب میں سے کسی کی مخالفت کا عہد کر لیا ہے۔ ان دونوں کے بَین بَین وہ ایک ایسے معتدل راستہ پر چلتے ہیں جس میں ہر غیر متعصب طالبِ حق کو اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔

یہ مسلکِ اعتدال اختیار کرنے سے فائدہ یہ ہے کہ تعصب اور تنگ نظری اور تقلیدِ جامد اور لاطائل بحثوں میں تضیعِ اوقات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور وسعتِ نظر کے ساتھ ساتھ تحقیق و اجتہاد کا راستہ کھلتا ہے۔

مذکورہ بالا دو کام تو ایسے ہیں جو شاہ صاحب سے پہلے بھی لوگوں نے کیے ہیں، مگر جو کام ان سے پہلے کسی نے نہ کیا تھا وہ یہ ہے کہ انھوں نے اسلام کے پُورے فکری، اخلاقی، شرعی اور تمدنی نظام کو ایک مرتّب صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ وُہ کارنامہ ہے جس میں وہ اپنے تمام پیش روؤں سے بازی لے گئے ہیں۔ اگرچہ ابتدائی تین چار صدیوں میں بکثرت ائمہ گزرے ہیں جن کے کام کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وُہ اپنے ذہن میں اسلام کے نظامِ حیات کی مکمل تصویر رکھتے تھے، اور اسی طرح

بعد کی صدیوں میں بھی ایسے محققین ملتے ہیں جن کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس تصوّر سے خالی تھے، لیکن ان میں سے کسی نے بھی جامعیت اور منطقی ترتیب کے ساتھ اسلامی نظام کو بحیثیت نظام کے مرتب کرنے کی طرف توجہ نہیں کی۔ یہ شرف شاہ ولی اللہ صاحب ہی کے لیے مقدّر ہو چکا تھا کہ اس راہ میں پیش قدمی کریں۔

شاہ صاحب نے جاہلی حکومت اور اسلامی حکومت کے فرق کو بھی بالکل نمایاں کر کے لوگوں کے سامنے رکھ دیا، اور نہ صرف اسلامی حکومت کی خصوصیات صاف صاف بیان کیں، بلکہ اس مبحث کو بتکرار ایسے طریقوں سے پیش کیا جن کی وجہ سے اصحابِ ایمان کے لیے جاہلی حکومت کو اسلامی حکومت سے بدلنے کی جدّوجہد کیے بغیر چین سے بیٹھنا محال ہو گیا۔ یہ مضمون حُجّۃُ اللہِ البالغہ میں بھی کافی تفصیل کے ساتھ آیا ہے مگر اِزالۃ الخفا تو گویا ہے ہی اسی موضوع پر۔ اس کتاب میں انھوں نے احادیث سے ثابت کیا ہے کہ اسلامی خلافت اور بادشاہی دو الگ اور مختلف الاصل چیزیں ہیں۔ پھر ایک طرف وہ بادشاہی کے اُن تمام فتنوں کو رکھتے ہیں جو بادشاہی کے ساتھ مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعی میں از رُوئے تاریخ پیدا ہوئے اور دوسری طرف اسلامی خلافت کی خصوصیات اور شرائط کو اور ان رحمتوں کو پیش کرتے ہیں جو خلافتِ اسلامی میں فی الواقع مسلمانوں پر نازل ہو چکی ہیں۔

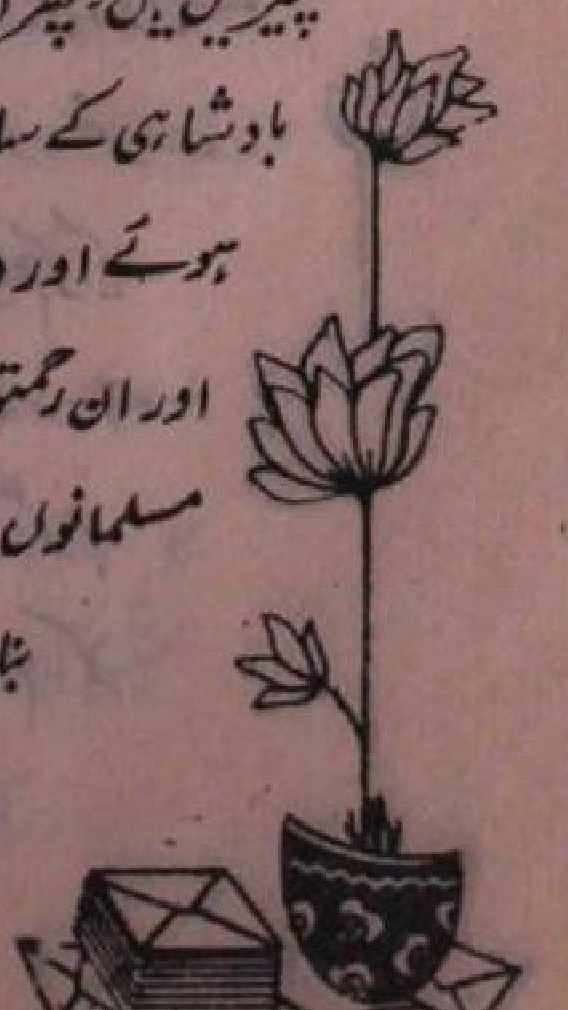

بنام شاہ محمد رحمان انصاری صاحب ایڈوکیٹ لاہور — خاکسار

مورخہ ۱۹، فروری ۶۸ء — ابوالاعلیٰ

۱۶۱

عزیزم ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط مورخہ ۳ر اپریل ۷۱ء اور اس سے یہ معلوم کر کے مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ حسنین صاحب کے صاحبزادے ہیں[لہ]، اور مزید خوشی اس بات کی ہوئی کہ آپ اپنے والد کے سعادت مند فرزند ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو راہِ راست پر ثابت قدم رکھے اور آپ سے اپنے دین کی صحیح خدمت لے۔ اپنے والد صاحب کو میری طرف سے سلام لکھ دیجیے گا۔

نائیجیریا میں مسلمانوں کے حالات فی الواقع بڑے تشویشناک ہیں۔ اسلام کے خادموں نے کئی صدیوں میں وہاں اشاعت دین کے لیے جو کام کیا تھا، اسے اِستعمار کے ظلم، مِشنریوں کی تاخت اور خود مسلمانوں کی جہالت نے بری طرح برباد کیا ہے، اور یہ قوم اب ہماری آنکھوں کے سامنے ضائع ہوتی نظر آرہی ہے۔

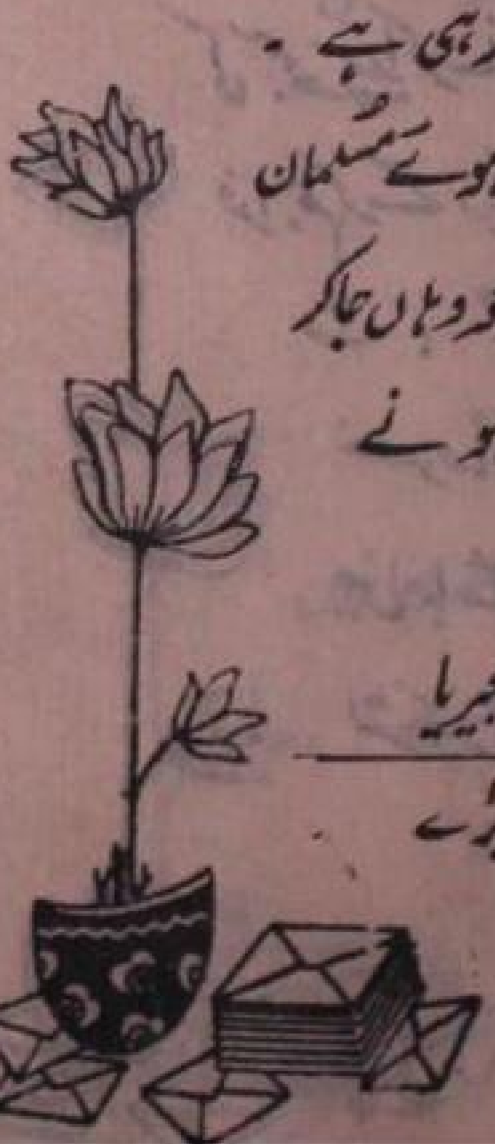

اس حالت میں جو کچھ بھی پاکستان و ہندوستان سے گئے ہوئے مسلمان وہاں کر سکیں انھیں لازماً کرنا چاہیے۔ مجرم ہے وہ شخص جو وہاں جاکر صرف کمائی کی فکر کرے اور اسلام کے اِس سرمائے کو ضائع ہونے سے بچانے کی کچھ فکر نہ کرے۔

اس وقت پاکستان سے گئے ہوئے چند نوجوان جو نائیجیریا

لہ محمد حسنین صاحب جماعت اسلامی کے قدیم ارکان میں سے ہیں جو تقسیم سے پہلے ہی بڑے فعّال کارکن تھے۔ ان کا تعلق ہندوستان کی جماعت سے ہے (مرتب)

کے مختلف حصوں میں کام کر رہے ہیں۔ ان کے پتے میں آپ کو لکھ رہا ہوں۔ ان سے مراسلت کر کے رَوابط قائم کر لیجیے، اور یہ بھی معلوم کر لیجیے کہ وہ کس طرح کام کر رہے ہیں اور ان کے علم میں نائیجیریا کے اندر کہاں کہاں پاکستان و ہندوستان کے لوگ ایسے ہیں جو اس کام میں ان کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔

آپ کو وہاں دو طریقوں سے کام کرنا چاہیے:

۱: اپنے مدرسے کے طلبہ میں۔ ان کو صرف تعلیم ہی نہ دیجیے بلکہ ان کے ساتھ گہرے ہمدردانہ تعلقات پیدا کیجیے۔ ان کے ذاتی معاملات میں دلچسپی لیجیے۔ ان کو یہ محسوس کرا دیجیے کہ آپ دل سے ان کے ہمدرد ہیں۔ مدرسے کے اوقات کے ماسوا بھی انھیں تعلیم میں مدد دیجیے۔ اس طرح پورے مدرسے پر آپ کا اخلاقی اثر قائم ہو جائے گا اور پھر جو کچھ بھی آپ ان کو تلقین کریں گے اس کو وہ قبول کریں گے۔ انھیں نماز باجماعت کا عادی بنائیے۔ نماز کے معنی ان کو سمجھائیے۔ دین کی سمجھ پیدا کرنے کی ضرورت کا انھیں احساس دلائیے اور ایسا لٹریچر فراہم کر کے دیجیے جو ان کو دین سے واقف کرائے۔

۲: جس شہر میں آپ مقیم ہیں اس کے عام مسلمانوں سے اور خصوصاً ان کے با اثر اور معزز لوگوں سے ملیے۔ ان کی مسجدوں میں جائیے۔ ان کو تقریر کے ذریعے سے بھی خطاب کیجیے اور ان کو اسلامی لٹریچر بھی پڑھوائیے۔ یہاں تک کہ وہ اجتماعی طور پر عملاً اپنے معاشرے کی مرتی ہوئی اسلامیت کو سنبھالنے کے لیے کچھ کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ پھر جب وہ اس

پر آمادگی ظاہر کریں تو ان سے دارالمطالعے قائم کرائیے جن میں اسلامی رسائل اور لٹریچر عام مطالعہ کے لیے رکھا جائے۔ اور کم از کم ایک ایجنسی ایسی قائم کرائیے جو باہر سے اسلام پر انگریزی لٹریچر منگوائے اور فروخت کرے۔ یہ بہرحال ممکن نہیں ہے کہ نائیجیریا کی پوری پڑھی لکھی آبادی کے لیے کہیں سے مفت لٹریچر فراہم کیا جا سکے۔

میں کچھ کتابیں آپ کو بھجوا رہا ہوں۔ آپ اگر کویت کے عبداللہ العقیل صاحب کو مدد کے لیے لکھیں تو اُمید ہے کہ انشاءاللہ وہ آپ کو بہت سا لٹریچر بھجوا دیں گے انھیں نائیجیریا کی تفصیلی حالت لکھیے اور اپنی ضروریات ان کو بتا دیجیے۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

بنام ذوالقرنین صاحب ایم اے
مسلم ہائی سکول شگامو (Shagamu)
مغربی نائیجیریا (افریقہ)
یکم مئی ۶۸ء

۱۶۳

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں مولانا احمد رضا خاں صاحب کے متعلق کوئی تفصیلی تاثر یا پیغام پیش نہیں کر سکتا۔ میری صحت ایک عرصے سے خراب چلی آ رہی ہے اور گزشتہ چند روز سے میری طبیعت بالخصوص بہت خستگی

محسوس کر رہی ہے کیونکہ میں جماعتِ اسلامی کی مجلسِ شوریٰ اور تحریکِ جمہوریت کے اجتماعات میں مسلسل شامل ہوتا رہا ہوں۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب کے علم و فضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے۔ فی الواقع وہ علوم دینی پر بڑی وسیع نظر رکھتے تھے اور ان کی اس فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو اُن سے اختلاف رکھتے ہیں۔ نزاعی مسائل کی وجہ سے جو تلخیاں پیدا ہوئیں، جن کا ذکر آپ نے خود بھی دعوت نامے میں کیا ہے، وہی دراصل ان کے علمی کمالات اور دینی خدمات پر پردہ پڑنے کی موجب بنی ہیں۔ جن بزرگوں کی تحریروں کے باعث بحث و مناظرہ کی ابتدا ہوئی وہ اب تو مرحوم ہو چکے اور اپنے رب کے حضور حاضر ہو چکے، مگر افسوس ہے کہ جو تلخی اور گرمی آغاز میں پیدا ہوئی تھی، دونوں طرف سے اس میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔

آپ حضرات جنھوں نے مولانا مرحوم سے کسبِ فیض کیا ہے، آپ کا یہ کام ہے کہ آپ اُن تلخیوں کو دُور کرنے اور اِس خلیج کو پاٹنے کی کوشش کریں اور اختلافی مسائل میں مباحث سے بچتے ہوئے مولانا مرحوم و مغفور کی علمی خدمات سے عامۃُ المسلمین کو روشناس کرائیں۔

بنام مولانا قاضی عبدالنبی کوکب صاحب،

صدر مجلس صداقت اسلام، لاہور

مورخہ ٢٨ مئی ٦٨ء

خاکسار

ابوالاعلیٰ

١٦٣

برادرم ماہر صاحب ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ میری صحت ابھی تک بے اعتدالی ہی کی حالت میں ہے۔ علاج جاری ہے اور ابھی فیصلہ نہیں کر سکا کہ علاج کے لیے باہر جانا ہو گا یا نہیں۔ آپ کی اور سب احباب کی دعاؤں کا شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی پر میرا بھروسہ ہے۔ وہ اپنے بندے سے مزید کچھ خدمت لینا چاہے گا تو ضرور خدمت کی طاقت بھی عنایت فرمائے گا۔

"انصار اللہ" کے مسئلے میں آپ کی بات میں نے نوٹ کر لی ہے۔ جب نظرِ ثانی کی نوبت آئے گی تو ان شاء اللہ الفاظ میں ایسا ردّ و بدل کر دوں گا جو موجبِ وحشت نہ رہے، لیکن صرف لفظی ردّ و بدل ہی کر سکوں گا۔ معنوی حیثیت سے کوئی تبدیلی نہ کر سکوں گا۔ میرے نزدیک یہ بات حکمت سے خالی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انصارُ دینِ اللہ اور ینصُرونَ دینَ اللہ کہنے کے بجائے انصار اللہ اور ینصُرون اللہ کے الفاظ اُن لوگوں کے لیے استعمال فرمائے جو اس کے دین کی دعوت و اِقامت کی سعی کرنے والے تھے۔ حالانکہ ان الفاظ کے استعمال میں اُس وہم کی گنجائش صریحاً موجود تھی جو آپ کو کھٹک رہا ہے۔ میں تفسیر میں یہ نقطۂ نظر اختیار نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ سے الفاظ کے استعمال میں مَعاذ اللہ کوئی بے احتیاطی ہوئی ہے اور مفسّر کا کام یہ ہے کہ اس کی اصلاح کرے۔ میرے نزدیک ہر تعبیر جو اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمائی ہے اس کے اندر ایک حکمت ہے،

اور میں نے اس حکمت ہی کو سمجھنے اور بیان کرنے کی کوشش کی ہے جو انصارُ دین اللہ کے بجائے انصارُ اللہ کے الفاظ میں مُضمر ہے۔ اس کیلیے صحیح پیرایۂ بیان کیا ہو سکتا ہے؟ اس پر میں پہلے بھی غور کرتا رہا ہوں اور اب آپ کے توجّہ دلانے پر مزید غور کروں گا۔
لیکن آپ کی الجھن اس وقت تک دور نہ ہو سکے گی جب تک آپ خود اس سوال پر غور نہ کریں گے کہ ایک طرزِ تعبیر کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ نے دُوسرا طرزِ تعبیر آخر کیوں اختیار فرمایا ہے؟ ظاہر ہے کہ انصار اللہ اور انصار دین اللہ میں صریح فرق ہے۔ اور اگر مقصود محض انصارُ دین اللہ ہی کہنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان الفاظ سے ناواقف نہ تھا کہ مَعاذ اللہ بھولے سے اس نے انصار اللہ کے الفاظ استعمال کر لیے ہوں۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

بنام ماہرالقادری ایڈیٹر فاران، کراچی
۴، جون ۱۹۶۸ء

۱۶۴

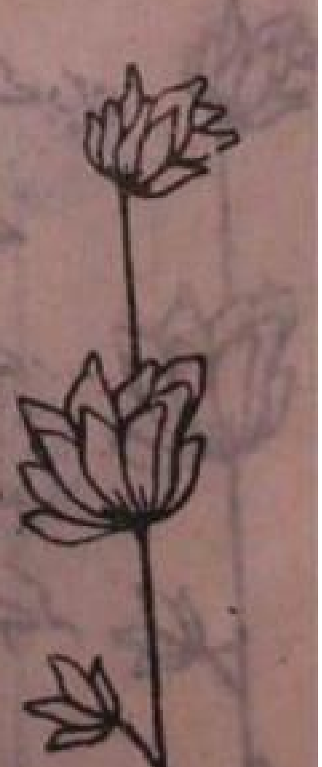

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آزادی کا لفظ جب ہماری زبان پر آتا ہے تو ہمارا ذہن فوراً سیاسی اِستقلال اور اجنبی تسلّط سے آزادی کی جانب منتقل ہو جاتا ہے۔ اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سیاسی آزادی بھی اللہ تعالیٰ کی ایک خاص نعمت ہے جس کی اسلام کی نگاہ میں بہت بڑی اہمیت ہے، کیونکہ اسلام جس نظریۂ حیات

اور جس نظامِ زندگی کو دنیا میں برپا کرنا چاہتا ہے، اس کے قیام و استحکام کے لیے مسلم معاشرے کا با اختیار اور بیرونی اثر و نفوذ سے آزاد ہونا بالکل ناگزیر ہے۔ لیکن یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کے نقطۂ نظر سے مسلمانوں کے ذہن و فکر کا دوسروں کی غلامی سے آزاد ہونا اولین مقصدی اہمیت رکھتا ہے اور سیاسی آزادی کی جتنی بھی اہمیت ہے اسی وجہ سے ہے کہ وہ فکر و عمل کے استقلال کا ایک ناگزیر ذریعہ ہے۔

۲۱ سال قبل ہم پاکستان کے مسلمان دہری غلامی میں مبتلا تھے۔ ہم سیاسی حیثیت سے بھی غیروں کے محکوم تھے اور ذہنی حیثیت سے بھی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اغیار کی سیاسی محکومی سے تو آزاد کر دیا لیکن ان کی ذہنی غلامی اور ان کی غیر اسلامی اقدار کے تسلط اور ان کی فکری محکومی میں جس طرح پہلے ہم مبتلا تھے، افسوس ہے کہ ابھی تک ہمیں اس سے رستگاری نصیب نہ ہو سکی۔ ہماری درسگاہیں، ہمارے دفاتر، ہمارے بازار، ہماری سوسائٹی، ہمارے گھر، حتیٰ کہ ہمارے جسم تک زبانِ حال سے شہادت دے رہے ہیں کہ ان پر مغرب کی تہذیب، مغرب کے افکار، مغرب کی اقدار اور مغرب کے اخلاقی تصوّرات اور علمی نظریات حکمران ہیں۔ ہم مغرب کے دماغ سے سوچتے ہیں، مغرب کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، مغرب ہی کی بنائی ہوئی راہوں پر چلتے ہیں، خواہ اس کا شعور ہمیں ہو یا نہ ہو۔ یہ مفروضہ ہمارے دماغوں پر مسلط ہے کہ صحیح وہ ہے جسے مغرب نے صحیح سمجھا ہے اور غلط وہ ہے جسے مغرب نے غلط قرار دیا ہے۔ حق، صداقت، تہذیب، اخلاق، شائستگی ہر شے کا معیار ہمارے نزدیک وہی

ہے جو مغرب نے مقرر کر رکھا ہے۔

سیاسی آزادی کے باوجود آخر اس ذہنی غلامی کا سبب کیا ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ ذہنی آزادی اور غلبہ و تفوّق کی بنا دراصل فکری اجتہاد اور علمی تحقیق پر قائم ہوتی ہے۔ جو قوم اس راہ میں پیش قدمی کرتی ہے وہی دُنیا کی رہنما اور قوموں کی اِمام بن جاتی ہے اور اسی کے افکار دنیا پر چھا جاتے ہیں۔ اور جو قوم اس راہ میں پیچھے رہ جاتی ہے اسے مقلِّد اور متّبع ہی بننا پڑتا ہے۔ اس کے افکار اور معتقِدات میں یہ قوت باقی نہیں رہتی کہ وہ دماغوں پر اپنا تسلّط قائم رکھ سکیں۔ مجتہد اور محقِق قوم کے طاقتور افکار و معتقِدات کا سیلاب انھیں بہالے جاتا ہے اور ان میں اتنا بل بُوتا نہیں رہتا کہ وہ اپنی جگہ پر ٹھہرے رہ جائیں۔ مسلمان جب تک تحقیق و اجتہاد کے میدان میں آگے بڑھتے رہے، تمام دُنیا کی قومیں ان کی پیرو اور مقلِّد رہیں۔ اسلامی فکر ساری نوعِ انسانی کے افکار پر غالب رہی۔ حُسن اور قُبح، نیکی اور بدی، غلط اور صحیح، شائستہ اور غیر شائستہ کا جو معیار اسلام نے مقرر کیا وہ تمام دنیا کے نزدیک معیار قرار پایا اور قصداً یا اِضطراراً دنیا اپنے افکار و اعمال کو اسی معیار کے مطابق ڈھالتی رہی۔ مگر جب مُسلمانوں میں اربابِ فکر اور اصحابِ تحقیق پیدا ہونے بند ہو گئے، جب انھوں نے سوچنا اور دریافت کرنا چھوڑ دیا، جب وہ اکتسابِ علم اور اجتہادِ فکر کی راہ میں تھک کر بیٹھ گئے تو گویا انھوں نے خود دنیا کی رہنمائی سے استعفا دے دیا۔ دُوسری طرف مغربی قومیں اس راہ میں آگے بڑھیں۔ انھوں نے غور و فکر کی قوتوں سے

کام لینا شروع کیا، کائنات کے راز ٹٹولے اور فطرت کی چھپی ہوئی طاقتوں کے خزانے تلاش کیے۔ اس کا لازمی نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ مغربی قومیں دنیا کی راہنما بن گئیں اور مسلمانوں کو اسی طرح ان کے اقتدار کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا جس طرح کبھی دنیا نے خود مسلمانوں کے اقتدار کے آگے خم کیا تھا۔

اب اسے بدقسمتی کے سوا اور کیا کہیے کہ مغربی تہذیب نے جس فلسفہ اور سائنس کی آغوش میں پرورش پائی وہ پانچ چھ سو سال سے دہریت، الحاد، لامذہبی اور مادہ پرستی کی طرف جا رہا ہے اور جس صدی میں یہ نئی تہذیب اپنی دہریت اور مادہ پرستی کی انتہا کو پہنچی، ٹھیک وہی صدی تھی جس میں مراکش سے لے کر مشرق بعید تک تمام اسلامی ممالک مغربی قوموں کے سیاسی اقتدار اور فکری غلبے سے بیک وقت مفتوح اور مغلوب ہوئے۔ مسلمانوں پر مغربی تلوار اور قلم دونوں کا حملہ ایک ساتھ ہوا۔ جو دماغ مغربی طاقتوں کے سیاسی غلبہ سے مرعوب اور دہشت زدہ ہو چکے تھے ان کے لیے یہ مشکل ہو گیا کہ مغرب کے فلسفہ و سائنس اور ان کی پروردہ تہذیب کے رعب داب سے محفوظ رہتے۔

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کا سوادِ اعظم اب بھی اسلام کی تہذیب اور اس کی روح اور اس کے اصولوں سے منحرف ہو رہے ہیں۔ ملکی آزادی اور سیاسی استقلال کے باوجود مغرب کا ذہنی اور تہذیبی تسلط ہمارے ذہنوں کی فضا پر چھایا ہوا ہے اور اس نے نگاہوں کے زاویے اس طرح بدل دیے ہیں کہ دیکھنے والوں کے لیے مسلمان کی نظر سے دیکھنا اور سوچنے

والوں کے لیے اسلامی طریق پر سوچنا مشکل ہوگیا ہے۔ یہ حالت اس وقت تک دور نہ ہوگی جب تک مسلمانوں میں آزاد اہلِ فکر پیدا نہ ہوں گے۔ اب ایک اسلامی نشاۃِ ثانیہ کی ضرورت ہے۔ اگر ہم دوبارہ دُنیا کے رہنما بننا چاہتے ہیں تو اس کی بس یہی ایک صورت ہے کہ مسلمانوں میں ایسے مفکّر اور محقّق پیدا ہوں جو فکر و نظر اور تحقیق و اکتشاف کی قوت سے ان بنیادوں کو ڈھا دیں جن پر مغربی تہذیب کی نظریاتی عمارت قائم ہوئی ہے۔ اسلام کے بنائے ہوئے طریقِ فکر و نظر پر آثار کے مشاہدے اور حقائق کی جُستجو سے ایک نئے نظامِ فلسفہ کی بنا رکھیں، ایک نئی حکمتِ طبیعی (Natural Science) کی عمارت اٹھائیں جو کتاب و سنت کی ڈالی ہوئی داغ بیل پر اُٹھے۔ مُلحدانہ نظریہ کو توڑ کر خدا پرستانہ نظریہ پر فکر و تحقیق کی اَساس قائم کریں اور اس جدید فکر و تحقیق کی عمارت کو اس قوت کے ساتھ اٹھائیں کہ وہ تمام دنیا پر چھا جائے اور دُنیا میں مغرب کی مادّی تہذیب کے بجائے اسلام کی حقّانی تہذیب جلوہ گر ہو۔

بنام جناب ڈاکٹر محمد حسین باجوہ، رحیم یار خاں

مورخہ ۱۱ اگست ۶۸ء

خاکسار

ابوالاعلیٰ

مکتوب الیہم کی فہرست

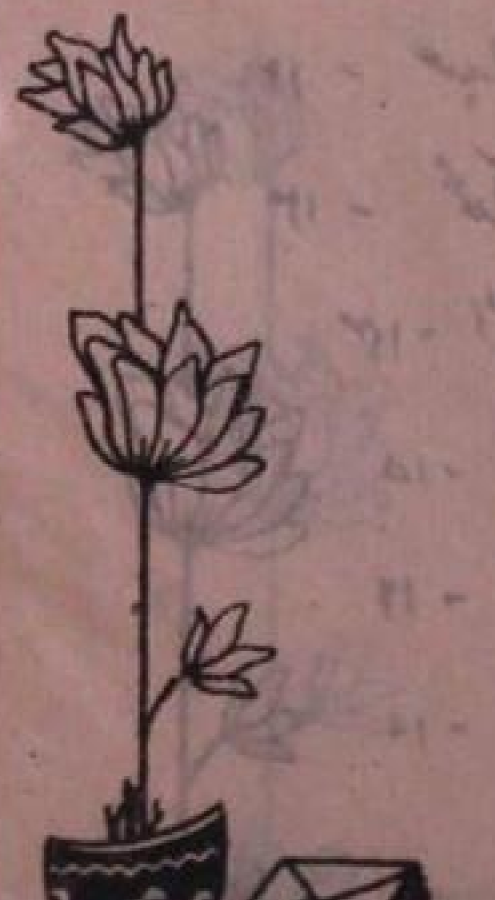

۱- محمد سلطان صاحب، قصور

۲- شمیم احمد صاحب، کراچی

۳- محمد ابراہیم صاحب، ملتان

۴- گلزار احمد خان صاحب، راولپنڈی

۵- شیخ عبدالرشید صاحب شیر شاہ کالونی، کراچی

۶- عبدالرشید صاحب، ناظم آباد کراچی

۷- نعیم گیلانی صاحب، کٹاس (جہلم)

۸- ایڈیٹر اتحاد

۹- فرزند علی صاحب، سیالکوٹ

۱۰- عارف دہلوی، ملتان

۱۱- محمد امین صاحب جیولرز کھلنا، مشرقی پاکستان

۱۲- عبدالغفار اے کریم صاحب، کراچی

۱۳- محمد اکبر صاحب، ڈھوک شرفاء

۱۴- ایس ایم الیاس صاحب، ملتان

۱۵- محمد اسحاق صاحب، لاہور

۱۶- کیپٹن خادم حسین صاحب، کوئٹہ

۱۷- مولانا عبدالستار خاں صاحب نیازی، لاہور

۱۸- مولانا سعدالدین صاحب، مردان

۱۹- محمد سلیم صاحب لانڈھی، کراچی

۲۰- محمد یعقوب صاحب، مغل نو (جیکب آباد)

۲۱- مینجنگ ڈائرکٹر اوکیشیا، لاہور

۲۲- شمیم احمد صدیقی صاحب، سرگودھا

۲۳- زندہ خان صاحب شکردرہ

۲۴- کیپٹن محمد شریف خان صاحب، ملتان

۲۵- مولانا گوھر رحمان صاحب، مردان

۲۶- ماھر القادری صاحب، کراچی

۲۷- پیر محمد اباعمر صاحب، کراچی

۲۸- فیض اللہ فیض صاحب، ڈاڈر (ھزارہ)

۲۹- مولانا منظور احمد صاحب، چنیوٹ

۳۰- محمد انوار الحق صاحب، نیو ٹاؤن، کراچی

۳۱- محمد اشفاق صاحب بیرسٹرایٹ لا، لاہور

۳۲- رشید احمد صاحب جھمرہ، کراچی

۳۲- اختر الدین احمد صاحب بیرسٹرایٹ لا، ڈھاکہ

۳۴- محمد حنیف وجدانی صاحب، مری

۳۵- محمود حسین خان صاحب، ناظم آباد کراچی

۳۶- ڈاکٹر عباس علی شاہ صاحب نظامی، میرپور خاص

۳۷- مظفر خان صاحب، مظفر آباد آزاد کشمیر

۳۸- عبدالطیف شیخ صاحب، گوجرانوالہ

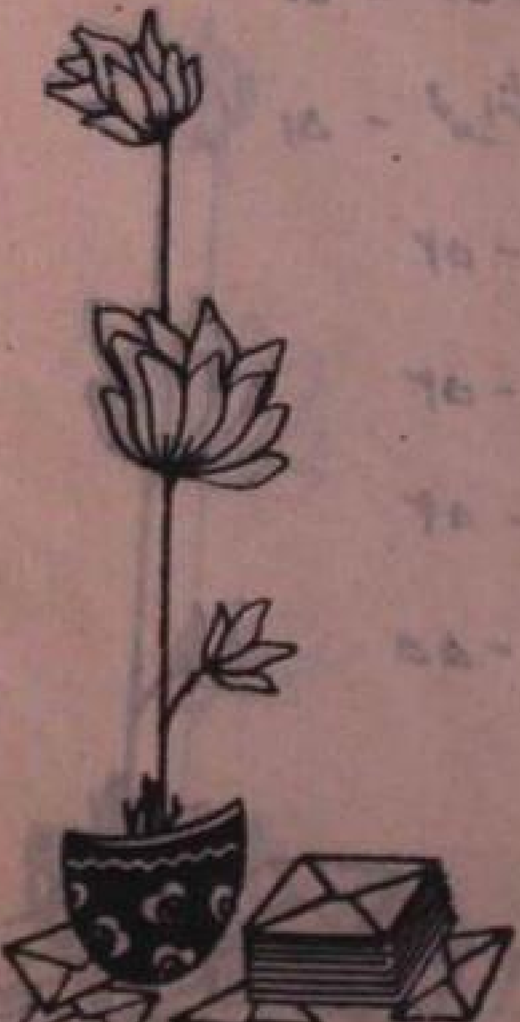

۳۹- محمد اکبر قریشی صاحب، لیاقت آباد ضلع میانوالی

۴۰- محمود ملک صاحب، انگلینڈ

۴۱- محمد عبدالوحید صاحب، رینالہ خورد (ساہیوال)

۴۲- مالک رحمانیہ سٹورز ویلور (مدراس)

۴۳- ایس مجاہد صاحب، لندن

۴۴- حافظ محمد ابراہیم صاحب، فتح جنگ (کیمبل پور)

۴۵- منظور صاحب، کچی کھوئی ملتان

۴۶- حبیب الرحمان صاحب، گوڑگاؤں (انڈیا)

۴۷- سیدالابرار صاحب، انڈیانا یونیورسٹی (یو ایس اے)

۴۸- قدرت اللہ شہاب صاحب، راولپنڈی

۴۹- پیر محمد ابا عمر صاحب، کراچی

۵۰- ارشد جمیل صاحب، جام شورو (حیدر آباد)

۵۱- محمد اشرف آفریدی صاحب، یاسین آباد (پشاور)

۵۲- شورش کاشمیری صاحب، ایڈیٹر چٹان لاہور

۵۳- محمد اکرام صاحب، لائل پور

۵۴- محمد عارف صاحب، سرگودھا

۵۵- شمس تبریز صاحب دارالعلوم دیوبند (انڈیا)

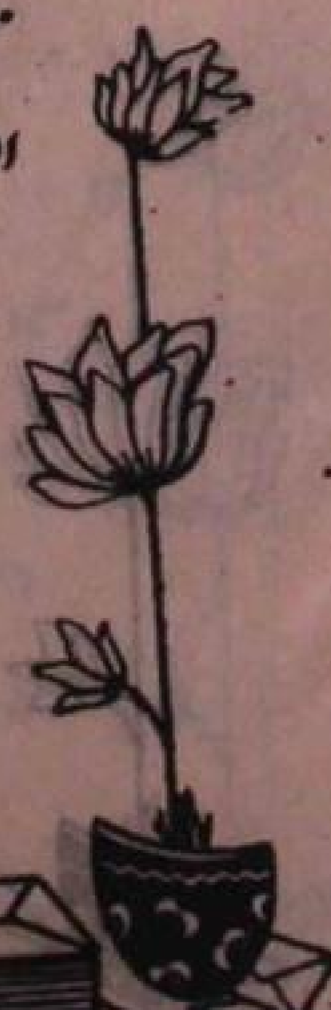

۵۶- غلام رسول صاحب، میرے شاہ (صادق آباد)

۵۷- آفتاب احمد صاحب گمٹی بازار، لاہور

۵۸- محمد اسحاق صاحب، کراچی صدر

۵۹- صاحب خان صاحب موبیدار تلہ گنگ (ضلع کیمبل پور)

۶۰- یقظان صاحب، کینیڈا

۶۱- محمد حنیف صاحب، لائل پور

۶۲- محمد عبداللطیف صاحب، لائل پور

۶۳- راشدہ ممتاز صاحبہ، کراچی

۶۴- ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب، ریاض آباد، ملتان

۶۵- سید ممتاز اختر صاحب، جرمنی

۶۶- حکیم محمد حسن صاحب، شجاع آباد (ملتان)

۶۷- مولانا راحت گل صاحب، اکوڑہ خٹک (پشاور)

۶۸- بشیر احمد صاحب دہلوی، ملتان

۶۹- مولانا سعدالدین صاحب، مردان

۷۰- چودھری محمد یار صاحب، ملکوال (گجرات)

۷۱- ولی حسن ٹونکی صاحب، لیاقت آباد کراچی

۷۲- عبدالاحد صاحب پشاور

۷۳- ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب، ملتان

۷۴- سید محمد محی الدین صاحب حسنی، کراچی

۷۵- محمد ابراہیم صاحب پتوکی (لاہور)

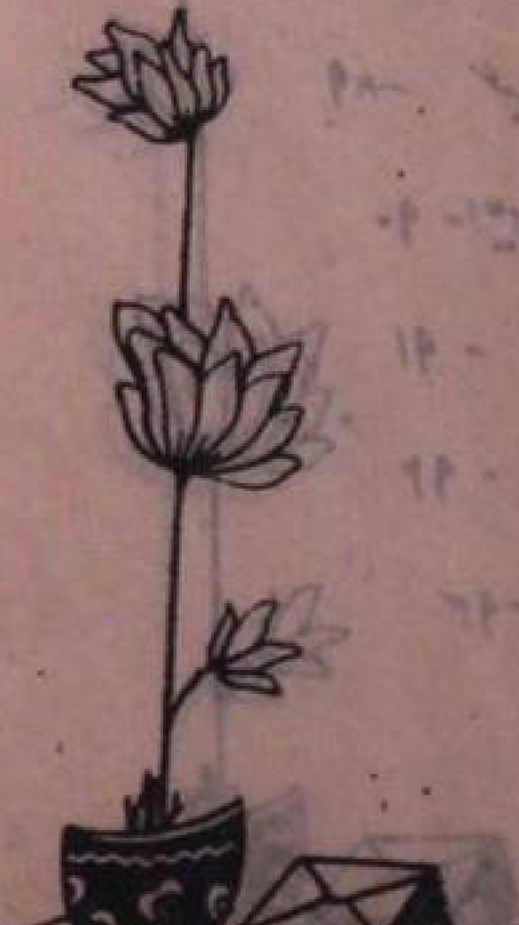

۷۶- احمد فقیر صاحب میمن گمیٹ ہاؤس، کراچی

۷۷۔ محمد اسلم بھٹی صاحب، سرگودھا

۷۸۔ پیر ولایت محمد صاحب، رجوعیہ شریف (ہزارہ)

۷۹۔ شیر محمد شاہ صاحب، پاک پتن (ساھیوال)

۸۰۔ نور محمد صاحب، ڈھاکہ

۸۱۔ اے آر قیصر صاحب، پشاور

۸۲۔ ایس ایم الیاس صاحب، ملتان

۸۳۔ نثار احمد قریشی صاحب (سیالکوٹ) (بریگیڈیر ریٹائرڈ)

۸۴۔ باب الدین صاحب، میر پور خاص

۸۵۔ شیخ محمد حنیف صاحب، لائل پور

۸۶۔ فضل الرحمان ادیب صاحب، کراچی

۸۷۔ قاضی نذیر احمد صاحب، نارووال

ابو نعمان صاحب، سیالکوٹ

۸۹۔ عبدالحی صاحب، سلطان پور (اعظم گڑھ، انڈیا)

۹۰۔ امین الحسن رضوی صاحب، لندن، سعید عاصم صاحب، ملتان

۹۱۔ قاضی محمد علی صاحب سمبڑیال (سیالکوٹ)

۹۲۔ عبیداللہ کوڈی صاحب، دارالعلوم دیوبند

۹۳۔ نور الٰہی صاحب، گجرات

۹۴۔ علی ہاشمی صاحب، دہلوی (انڈیا)

۹۵۔ سید اظہر علی صاحب، امریکہ

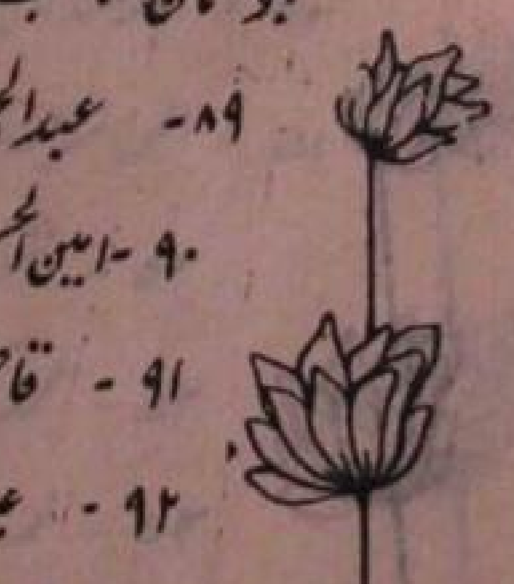

۹۶- محمد فاروق صاحب، رام پور (انڈیا)

۹۷- محمد رفیق صاحب کراچی

۹۸- احمد خان خاکی صاحب، جنڈانوالہ (میانوالی)

۹۹- السید محمد صاحب، حیدر آباد دکن

۱۰۰- چودھری نیاز علی خان صاحب، جوہر آباد (سرگودھا)

۱۰۱- شفیق بریلوی صاحب، ایڈیٹر خاتون پاکستان، کراچی

۱۰۲- ڈاکٹر ایس مبین اختر صاحب، امریکہ

۱۰۳- محمد فاروق صاحب، رام پور (انڈیا)

۱۰۴- حافظ احسان الٰہی ظہیر صاحب، مدینہ منورہ

۱۰۵- محمد رفیق انور صاحب، گوجرانوالہ

۱۰۶- وہبی اسماعیل صاحب، امریکہ

۱۰۷- طاؤس خان صاحب، ایبٹ آباد

۱۰۸- حبیب اللہ خان صاحب، لندن

۱۰۹- ضیاء اللہ خاں صاحب، راولپنڈی

۱۱۰- حکیم محمد زبیر قمر صاحب، آزاد کشمیر

۱۱۱- سید حاتم علی صاحب، کراچی

۱۱۲- شورش کاشمیری صاحب، ایڈیٹر چٹان، لاہور

۱۱۳- ایم اے رؤف اعوان صاحب، خان پور (رحیم یار خاں)

۱۱۴- مولانا سعد الدین صاحب، مردان

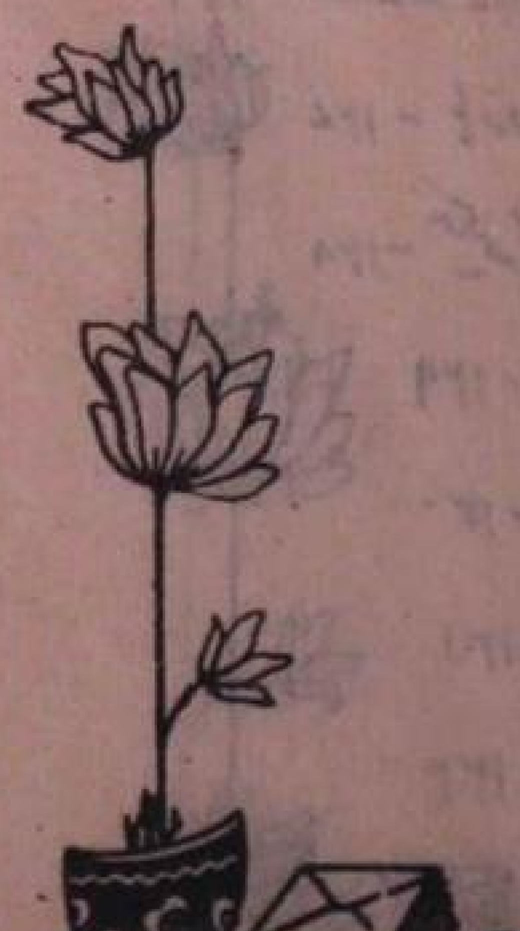

۱۱۵- مولانا سعد الدین صاحب، مردان

۱۱۶- مولانا سعد الدین صاحب، مردان

۱۱۷- مولانا شمس الحق صاحب، فرید آبادی (ڈھاکہ)

۱۱۸- یار محمد خان صاحب، جہلم

۱۱۹- ظہور احمد صاحب، لاہور

۱۲۰- سعید انور صاحب، لائل پور

۱۲۱- حکیم محمد شریف مسلم صاحب، حافظ آباد (گوجرانوالہ)

۱۲۲- احمد اشرف صاحب

۱۲۳- رحم علی ہاشمی صاحب دہلی (انڈیا)

۱۲۴- محمد حسن بازری صاحب، نصیر آباد لاڑکانہ

۱۲۵- عاقل جعفری صاحب، نوشہرہ

۱۲۶- محمد یعقوب ہاشمی صاحب، مظفر آباد

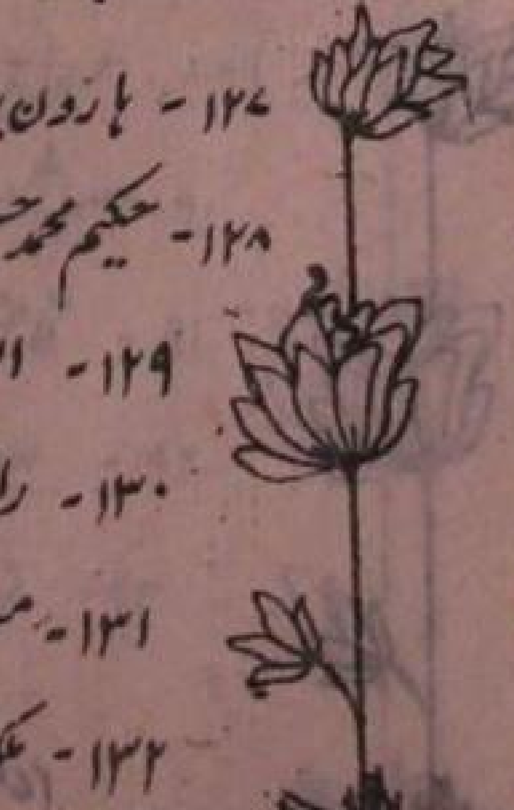

۱۲۷- ہارون برادر، کراچی

۱۲۸- حکیم محمد حسین صاحب، گجرات

۱۲۹- الطاف حسین صاحب، لاہور

۱۳۰- رانا ظفر اللہ خاں صاحب، الجامعہ (ساہیوال)

۱۳۱- مسٹر محمد ریلا (RiLA) سیلون

۱۳۲- ملک محمد اکبر آفریدی، بلی ٹنگ (کوہاٹ)

۱۳۳- حامد الحق صاحب، مردان

۱۳۴- عبدالحق صاحب، کراچی

۱۳۵- انجم صاحب، کراچی

۱۳۶- صلاح الدین صاحب

۱۳۷- اسعد گیلانی صاحب، سرگودہا

۱۳۸- عبدالحق تمنا صاحب (شمالی نائیجیریا)

۱۳۹- ماہرالقادری صاحب، ایڈیٹر فاران کراچی

۱۴۰- ماہرالقادری صاحب

۱۴۱- ماہر القادری صاحب

۱۴۲- ماہرالقادری صاحب

۱۴۳- شکیل احمد صاحب، لائل پور

۱۴۴- شمیم احمد ہاشمی صاحب، میانوالی

۱۴۵- ماہرالقادری صاحب، کراچی

۱۴۶- مولانا ابوالخیر مسلم علوی صاحب، کراچی

۱۴۷- ڈاکٹر حفیظ ملک صاحب، امریکہ

۱۴۸- حبیب ریحان ندوی صاحب، البیضا (لیبیا)

۱۴۹- چودھری محمد اکبر صاحب، مراد پور سیالکوٹ

۱۵۰- مفتی محمد یوسف صاحب، اکوڑہ خٹک (پشاور)

۱۵۱- ایڈیٹر ایشیا، لاہور

۱۵۲- محمد طاسین ندوی صاحب، جامعہ ازہر (مصر)

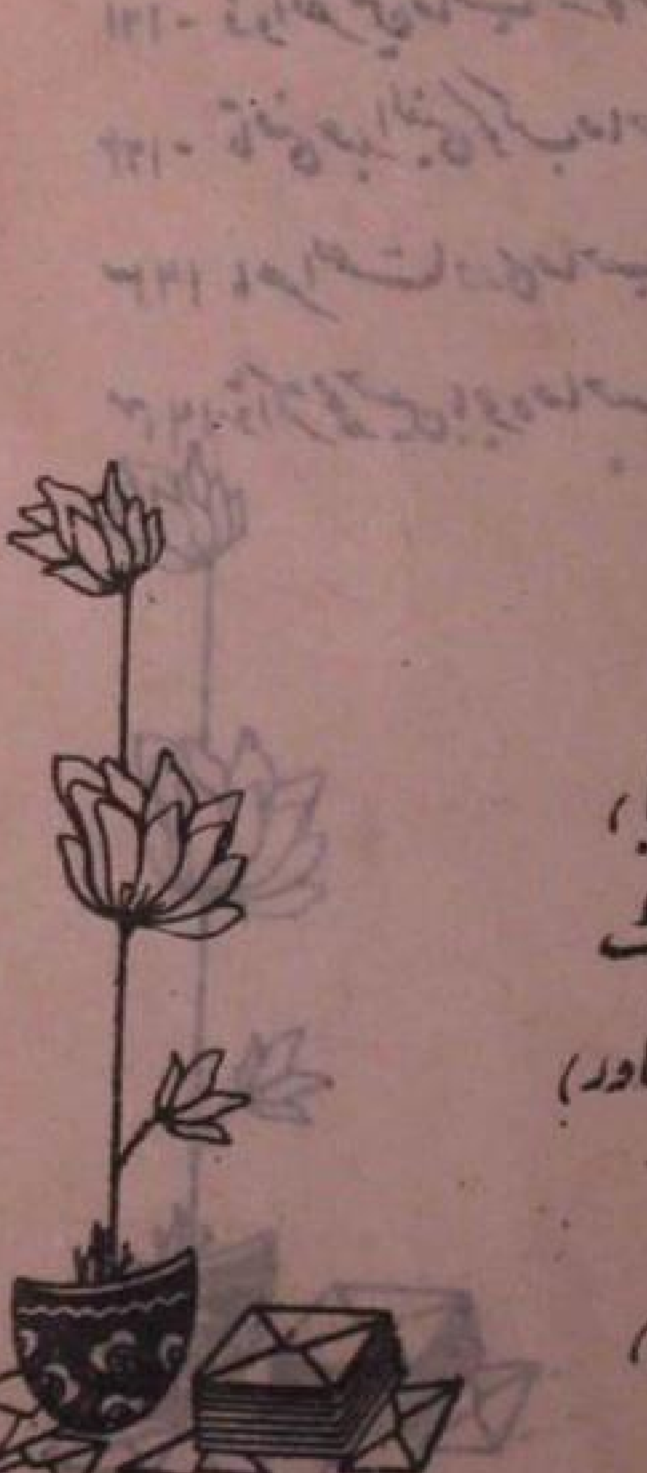

۱۵۳۔ محمد نجات اللہ صدیقی صاحب علی گڑھ (انڈیا)

۱۵۴۔ سراج احمد صاحب، صادق آباد (رحیم یار خاں)

۱۵۵۔ سید انور حسین صاحب، کراچی

۱۵۶۔ پاپائے روم ...... اٹلی

۱۵۷۔ دی فیڈریشن آف دی سٹوڈنٹس اسلامک سوسائٹیز، لنڈن

۱۵۸۔ ڈاکٹر فضل الرحمان صاحب، ادارہ تحقیقات اسلامیہ، راولپنڈی

۱۵۹۔ ڈاکٹر آفتاب احمد صاحب، پنجاب یونیورسٹی لاہور

۱۶۰۔ محمد رحمان انصاری صاحب ایڈووکیٹ، لاہور

۱۶۱۔ ذوالقرنین صاحب، تشگامو، مغربی نائجیریا

۱۶۲۔ قاضی عبدالنبی کوکب صاحب، لاہور

۱۶۳ ماہر القادری صاحب، کراچی

۱۶۴۔ ڈاکٹر محمد حسین باجوہ صاحب، رحیم یار خاں

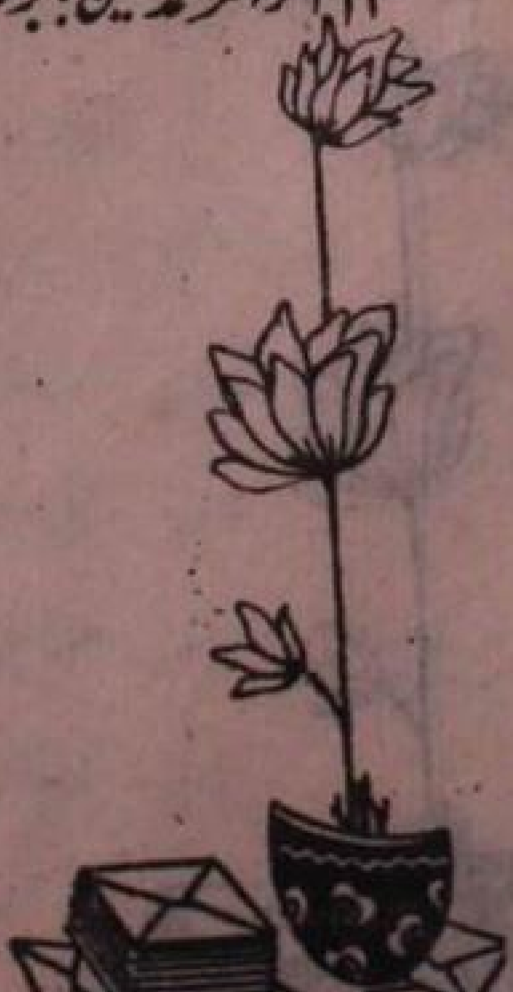

دیگر مذاہب و افکار کا تقابلی مطالـ

۱	برناباس کی انجیل	ترجمہ آسی ضیائی	۵۰۔
۲	عیسائیت انجیل اور قرآن کی روشنی میں	عبدالوحید خاں	۱۵—۰۰
۳	نوید سحر	پروفیسر انوار الحق سہمی	۱۳—۰۰

اسلامی نظام زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مختصر کتابیں

۱	قرآن کی معاشی تعلیمات	سید ابوالاعلیٰ مودودی
۲	اسلام کا نظام حیات	" "
۳	تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں	" "
۴	شہادت امام حسینؓ	" "
۵	مسلمانوں کا ماضی، حال اور مستقبل	" "
۶	ہدایات	" "
۷	اسلامی نظام اور مغربی لادینی جمہوریت	" "
۸	مسلم خواتین سے اسلام کے مطالبات	" "
۹	ذمیوں کے حقوق	" "
۱۰	سرورِ عالمؐ	" "
۱۱	اسلام، سرمایہ داری اور اشتراکیت	" "
۱۲	اسلامی نظم معیشت کے اصول و مقاصد	" "
۱۳	انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل	" "
۱۴	ہمارے داخلی و خارجی مسائل	" "
۱۵	بیمہ زندگی اسلامی نقطہ نظر سے	نعیم صدیقی
۱۶	تعمیر سیرت کے لوازم	" "
۱۷	دنیائے اسلام کی موجودہ اسلامی تحریکیں	مولانا مسعود عالم ندوی
۱۸	ہم اس ملک میں کیا تغیرات چاہتے ہیں	امین احسن اصلاحی
۱۹	دعوت کی کامیابی کی شرائط	" "
۲۰	دین یا لادینیت	ڈاکٹر محمد ناصر